معلم التقریر

المعروف ب

مواعظ رضویہ

مصنف

مولانا نور محمد صاحب مدظلہ

حصہ اول

خواجہ بک ڈپو
دہلی

معلم التقریر

المعروف بہ

مواعظ رضویہ

حصہ اوّل

مصنف

مولانا نور محمد صاحب مدظلہ

KHWAJA BOOK DEPOT
419/2, Matia Mahal, Jama Masjid
Delhi-6 Mob: 9313086318, 9136455121
Email: khwajabd@gmail.com

خواجہ بک ڈپو
۴۱۹/۲، مٹیا محل، جامع مسجد دہلی ۶

نام کتاب	:	مواعظِ رضویہ (حصہ اوّل)
نام مصنف	:	مولانا نور محمد قادری رضوی
تصحیح	:	محمد جہانگیر حسن
کمپوزنگ	:	صفدر علی
پہلی بار	:	اکتوبر ۲۰۰۵ء
اشاعت جدید	:	نومبر ۲۰۱۴ء
تعداد	:	۱۱۰۰
قیمت	:	300/=

ملنے کے پتے

☆ نیو سلور بک ایجنسی، محمد علی روڈ، بھنڈی بازار، ممبئی۔ ۳
☆ دانا کتاب گھر، درگاہ حضرت خواجہ دانا، سورت، گجرات
☆ امجدی بک ایجنسی، اترولہ بازار، ضلع بلرام پور، یوپی
☆ نورالدین کتب خانہ، کھجرانہ، اندور، ایم۔ پی
☆ عبدالرحمن کتب فروش، پچپڑوا بازار، ضلع بلرام پور، یوپی

Name of Book:		Mawaaiz-e-Rizvia (Part I)
Auther	:	Maulana Noor Muhammed Qadri Rizvi
First Edition	:	October 2005
Second Edition:		November 2014
Publisher	:	**Khwaja Book Depot,** 419/2, Matia Mahal, Jama Masjid Delhi-6, Mob: 9313086318, 9136455121 E-mail: khwajabd@gmail.com
Price	:	**300/=**

فہرست مضامین

اکیسواں وعظ

بائیسواں وعظ

تیئسواں وعظ

چوبیسواں وعظ

پچیسواں وعظ

چھبیسواں وعظ

ستائیسواں وعظ

اٹھائیسواں وعظ

انتیسواں وعظ

تیسواں وعظ

اکتیسواں وعظ

بتیسواں وعظ

تینتیسواں وعظ

چونتیسواں وعظ

پینتیسواں وعظ

عرضِ ناشر

افراتفری کے اس دَور میں جب کہ اکثر مسلمان حتیٰ کہ تعلیم یافتہ کہلانے والے افراد بھی اسلام کی بنیادی تعلیمات اوراس کی ضروری باتوں سے ناواقف ہیں۔ضرورت تھی کہ وعظ اور پند ونصائح پر مشتمل ایسی کتاب مارکیٹ میں ہوتی جس سے استفادہ کر کے علما، واعظین، مقرر حضرات اور خطبا عوام الناس کو بہترین علمی مواد فراہم کرسکتے۔جس سے مقررین حضرات بھی اپنے فریضے سے سبک دوش ہوتے اور عوام الناس بھی دینی تعلیمات سے واقف ہو کر دنیوی واُخروی صلاح وفلاح کی کوشش کرتے۔

یوں تو مارکیٹ میں تقریر اور وعظ پر مشتمل بے شمار کتب دستیاب ہیں۔ لیکن ''مواعظِ رضویہ'' کی بات ہی کچھ اور ہے۔ یہ کتاب ائمہ ٔ مساجد مقررین، واعظین اور خطبا حضرت کی ضرورت کے پیش نظر ایک عمدہ تقریری نصاب کی طرح مرتب کی گئی ہے۔جس میں اسلام اور انسانی زندگی کے تمام تر پہلوؤں پر مکمل، یکساں اور مدلّل بحث کی گئی ہے تا کہ مقررین، واعظین، خطبا اور ائمہ ٔ مساجد دلائل کے ساتھ اپنی قوم کو روزانہ عمدہ نصیحتوں، مذہبی باتوں اور ضروری مسائل سے روشناس کراتے رہیں اور خود ان کی اپنی واعظانہ بصیرت، معلومات اور مواد بھی وسیع تر اور مرتب ہو۔

الحمدللہ خواجہ بک ڈپو، دہلی اس اہم کتاب کی اشاعت کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ اس سے پہلے بھی دیگر اِداروں سے یہ کتاب شائع کی گئی، لیکن اس ایڈیشن کی خوبیاں یہ ہیں کہ اس میں تصحیح کا خاص خیال رکھا گیا ہے، بطور خاص عربی عبارات پر اعراب کا اہتمام کیا گیا ہے، جس سے واعظ اور مقرر حضرات کو بڑی سہولت ہو جائے گی۔ تصحیح بڑی باریک بینی سے کی گئی ہے، پھر بتقاضائے بشریت سہو کا امکان ہے۔اس لیے قارئین حضرات سے گذارش ہے کہ جہاں بھی غلطی نظر آئے، اطلاع ضرور دیں تا کہ آئندہ ایڈیشن میں اصلاح کی جائے۔

ہمیں یقین ہے کہ خطبا، طلبہ اور دینیات سے دل چسپی رکھنے والے حضرات کی بہت سی ضرورتیں پوری کرنے میں یہ کتاب معاون ثابت ہوگی۔

اللہ ربّ العزت ہماری اس کاوش کو قبول فرمائے۔ مصنف کو دارین کی نعمتوں سے نوازے۔ اور دنیا وآخرت میں اس کو ہمارے لیے وسیلۂ نجات بنائے۔

ادارہ

خواجہ بک ڈپو، دہلی

نعت شریف

دل میں یاد تری گوشۂ تنہائی ہو
پھر تو خلوت میں عجب انجمن آرائی ہو

آستانہ پہ ترے سر ہو اجل آئی ہو
اور اے جانِ جہاں تو بھی تماشائی ہو

اس کی قسمت پہ فِدا تختِ شہی کی راحت
خاکِ طیبہ پہ جسے چین کی نیند آئی ہو

اِک جھلک دیکھنے کی تاب نہیں عالم کو
وہ اگر جلوہ کریں کون تماشائی ہو

آج جو عیب کسی پر نہیں کھلنے دیتے
کب وہ چاہیں گے مری حشر میں رُسوائی ہو

یہی منظور تھا قدرت کو کہ سایہ نہ بنے
ایسے یکتا کے لیے ایسی ہی یکتائی ہو

کبھی ایسا نہ ہوا ان کے کرم کے صدقے
ہاتھ کے پھیلنے سے پہلے نہ بھیک آئی ہو

بند جب خوابِ اجل سے ہوں حسنؔ کی آنکھیں
اس کی نظروں میں ترا جلوۂ زیبائی ہو

خطبہ تقریر

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ حَمْدَ الشَّاكِرِيْنَ۔ وَاَفْضَلُ الصَّلَاةِ وَاَكْمَلُ السَّلَامِ عَلٰى سَيِّدِنَا الْمُرْسَلِيْنَ خَاتِمِ النَّبِيِّيْنَ اَكْرَمِ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ۔ قَائِدِ الغُرِّ الْمُحَجَّلِيْنَ۔ نَبِيِّ الْحَرَمَيْنِ۔ اِمَامِ القِبْلَتَيْنِ۔ سَيِّدِ الْكَوْنَيْنِ وَسِيْلَتِنَا فِيْ الدَّارَيْنِ۔ صَاحِبِ قَابَ قَوْسَيْنِ۔ الْمُزَيَّنِ بِكُلِّ زَيْنٍ۔ الْمُنَزَّهِ مِنْ كُلِّ شَيْنٍ۔ جَدِّ الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ نَبِيِّ الْأَنْبِيَاءِ عَظِيْمِ الرَّجَاءِ عَمِيْمِ الجُوْدِ وَالْعَطَاءِ۔ مَا حِيِّ الذُّنُوْبِ وَالخَطَاءِ۔ شَفِيْعِنَا يَوْمَ الجَزَاءِ۔ سِرِّ اللهِ الْمَخْزُوْنِ۔ دُرِّ اللهِ الْمَكْنُوْنِ عَالِمِ مَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ۔ نُوْرِ الأَفْئِدَةِ وَالْعُيُوْنِ۔ سُرُوْرِ الْقَلْبِ الْمَحْزُوْنِ۔ سَيِّدِنَا وَمَوْلِيْنَا وَحَبِيْبِنَا وَنَبِيِّنَا وَشَفِيْعِنَا وَوَكِيْلِنَا وَكَفِيْلِنَا وَعَوْنِنَا وَمُعِيْنِنَا وَغَوْثِنَا وَمُغِيْثِنَا وَغَيْثِنَا وَغِيَاثِنَا سَيِّدِنَا وَ مَوْلِيْنَا مُحَمَّدِ نِ النَّبِيِّ الْمَبْعُوْثِ رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ وَعَلٰى اٰلِهِ الطَّيِّبِيْنَ الطَّاهِرِيْنَ۔ وَاَزْوَاجِهِ الطَّاهِرَاتِ اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ وَاَصْحَابِهِ الْمُكَرَّمِيْنَ الْمُعَظَّمِيْنَ وَابْنِهِ الْكَرِيْمِ الْأَمِيْنِ الْمَكِيْنِ مُحْيِّ الإِسْلَامِ وَالْحَقِّ وَالشَّرْعِ وَالْمِلَّةِ وَالْقُلُوْبِ وَالسُّنَّةِ وَالطَّرِيْقَةِ وَالدِّيْنِ وَاهِبِ الْمُرَادِ قُطْبِ الإِرْشَادِ۔ فَرْدِ الْاَفْرَادِ سَيِّدِ الْأَسْيَادِ۔ مُصْلِحِ الْبِلَادِ۔ نَافِعِ العِبَادِ۔ دَافِعِ الْفَسَادِ۔ مَرْجِعِ الْأَوْتَادِ غَوْثِ الثَّقَلَيْنِ۔ وَغَيْثِ الْكَوْنَيْنِ۔ وَغِيَاثِ الدَّارَيْنِ وَمُغِيْثِ الْمَلَوَيْنِ۔ إِمَامِ الْفَرِيْقَيْنِ۔ سَيِّدِنَا وَ مَوْلِيْنَا الْإِمَامِ أَبِيْ مُحَمَّدٍ عَبْدِالْقَادِرِ الْحَسَنِيِّ الْحُسَيْنِيِّ الْجِيْلَانِيِّ الْكَرِيْمِ وَعَلٰى سَآئِرِ أَوْلِيَاءِ أُمَّتِهِ الْكَامِلِيْنَ الْعَارِفِيْنَ وَ عُلَمَاءِ مِلَّتِهِ الرَّاشِدِيْنَ الْمُرْشِدِيْنَ وَعَلَيْنَا مَعَهُمْ أَجْمَعِيْنَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔

اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان اور رحمت والا۔ تمام تعریفیں اللہ کو جو تمام عالم کا پالنے والا ہے۔ (ہم اس کی تعریف کریں) تعریف شکر کرنے والوں کی، فاضل تر درود اور کامل تر سلام

رسولوں کے سردار پر، انبیا کے خاتم پر۔ جو پہلے اور پچھلے سب میں زیادہ بزرگ، چمکتی پیشانی، چمکتے ہاتھ پاؤں والوں کے پیشوا، دونوں حرم کے نبی ﷺ، دونوں قبلے کے امام ﷺ، دونوں وجود کے سردار، دنیا و آخرت میں ہمارے وسیلہ ﷺ، قاب قوسین کے صاحب، ہر آرائش سے آراستہ، ہر عیب سے پاک، حسن اور حسین کے پدر، تمام انبیا کے پیغمبر، اُمید کے بڑے، سخاوت و بخشش میں پورے، گناہوں اور معصیت کے مٹانے والے، فیصلہ کے دن ہماری شفاعت کرنے والے، اللہ کے پوشیدہ راز، خدا کے مخفی روشن موتی، جو ہوا اور جو ہوگا سب کچھ جاننے والے، دلوں اور آنکھوں کے نور، غمگین دل کے سرور، ہمارے سردار اور ہمارے آقا اور ہمارے محبوب اور ہمارے رسول اور ہمیں چاہنے والے اور ہمارے کام آنے والے اور ہماری ضمانت فرمانے والے اور ہمارے بڑے مددگار اور اعانت فرمانے والے اور ہمارے بڑے فریادرس اور فریاد کے سننے والے اور ہم پر (رحمت) برسانے والے اور ہمارے لیے فریاد چاہنے والے، ہمارے سردار، ہمارے آقا محمد (ﷺ) جو نبی بھیجے ہوئے تمام عالم والوں کے حق میں رحمت ہیں اور آپ کی تمام اولاد پر جو پاک اور ستھری ہیں اور آپ کی پاکیزہ بیویوں پر جو تمام ایمان والوں کی ماں ہیں اور آپ کے اصحاب پر جو بزرگ اور عظمت والے ہیں، اور آپ کے فرزند پر جو کرامت و امانت والے، صاحب مرتبہ، جلانے والے اسلام اور حق اور شریعت اور مذہب اور دلوں اور سنت اور طریقت اور دین کے ہیں، جو مراد پوری کرنے والے، ہدایت کے قطب، یکتاؤں کے یکتا، سرداروں کے سردار، آبادیوں میں اصلاح فرمانے والے، بندوں کو نفع پہنچانے والے، فساد کو دور فرمانے والے، اولیائے صابرین کے مرجع، انس و جن کے فریادرس، دونوں وجود میں باران (رحمت) دنیا و آخرت میں مدد فرمانے والے، دن رات فریاد کو پہنچنے والے، دونوں گروہ کے امام۔ ہمارے سردار اور ہمارے آقا امام ابو محمد ہیں (جن کا اسمِ پاک) عبدالقادر (اور نسب طاق) حسنی حسینی (جواز روئے وطن) گیلانی صاحبِ کرامت ہیں۔ اور درود نازل ہو آپ کی امت کے باقی اولیائے کاملین اہلِ معرفت پر اور آپ کے علمائے ملت پر جو ہدایت یافتہ، ہدایت کرنے والے ہیں اور ہم سب پر (ان حضرات کے طفیل) اے سب مہربانوں سے زیادہ مہربان۔

پہلا وعظ

بسم اللہ کی فضیلت کے بارے میں

قَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَ تَعَالٰی اِنَّہٗ مِنْ سُلَیْمٰنَ وَ اِنَّہٗ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قرآن مجید کے انیسویں پارے کی بیان کی گئی مندرجہ بالا آیت مقدسہ کا ترجمہ یہ ہے:
بے شک وہ سلیمان کی طرف بے شک وہ اللہ کے نام سے ہے جو نہایت مہربان رحم کرنے والا ہے۔

اس کائناتِ عالم میں ہر کام کے آغاز کے متعلق کوئی نہ کوئی ضابطہ اور اُصول مقرر ہے۔ اسلام نے اہلِ اسلام کو احسن طریقہ آغاز یہ بتایا کہ ہر کام کے شروع کرتے وقت **بسم اللہ الرحمن الرحیم** پڑھی جائے۔ اس سے کام بابرکت ہوگا ۔

اپنے کام کی کرتا ہوں ابتدا   لے کر تیرا نام اے خدا
صفات تیری ہیں رحمن و رحیم   کر خطا معاف میری اے رب کریم

ضرورتِ بسم اللہ

زندگی بسر کرنے کے لیے انسان کو بعض اشیا کی ضرورت ہے۔ اس نے یہ سنہرا اُصول بنا دیا کہ اس جہاں کو جس چیز کی سب سے زیادہ ضرورت ہوگی، اسے بکثرت پیدا کیا جائے گا تا کہ ضرورت پوری ہوتی رہے۔ مثلاً نمک ہی کو لیجیے، اس جہاں کو نمک کی شدید ضرورت ہوتی ہے۔ روٹی اور سالن میں اگر نمک نہ ڈالا جائے تو وہ بدمزہ معلوم ہوتے ہیں۔ کیا امیر، کیا غریب، کیا شاہ، کیا گدا، کیا غنی، کیا کنجوس غرض کہ ہر شخص اپنے کھانے میں نمک ضرور استعمال کرتا ہے۔ انسان کی اس ضرورت کو پوری کرنے کے لیے خداوند عظیم نے نمک کی کانیں بکثرت پیدا فرمائیں، علاوہ ازیں سمندری نمک بھی کئی علاقوں میں مستعمل ہے۔ مزید یہ کہ اللہ کی ایک اور نعمتِ غیر متبدل پانی بھی عالمِ فانی کی اہم ترین ضرورت ہے۔ انسان و

حیوانات، وحوش وطیور کی زندگی کا انحصار اسی پر ہے۔ خداوند عظیم کی شانِ کریمی ملاحظہ ہو کہ دنیا کے ایک حصے میں خشکی اور تین حصوں میں پانی ہی پیدا فرمادیا۔ پانی جو کہیں تو دریاؤں اور نہروں کی شکل میں انسان کی فصلوں کو شادابی عطا فرماتا ہے اور کہیں صورتِ آبشار انسان کے لیے پن بجلی مہیا کرتا ہے۔ اسی طرح مسلمان خواتین، مردوں، بچوں، بوڑھوں کو بسم اللہ کی اتنی اشد ضرورت ہے کہ کسی دوسری آیت اور دوسری شے کی نہیں، نماز ادا کرنے کے لیے بسم اللہ، وضو کرنے سے قبل بسم اللہ، کھانا کھانے کے آغاز میں بسم اللہ، غرض کہ زندگی کے تمام شعبوں میں نیک کام اور نیک مقاصد سے قبل بسم اللہ پڑھنا باعثِ سعادت اور کامیابی کی کلید ہے۔ اللہ کریم نے بسم اللہ کو انوکھی شان سے نازل فرمایا۔ قرآنِ پاک کی ابتدا بسم اللہ سے ہوئی اور ہر سورہ کا آغاز بسم اللہ سے ہے۔ دیہاتی، شہری، بچہ، بوڑھا، خاتون، مرد، جاہل اور عالم کو یکساں طور پر کامیابی سے سرفراز فرمانے کے لیے خداوند عظیم نے آیت مختصر اور نہایت سہل طور پر نازل فرمائی۔

ہر نیک کام کی بسم اللہ سے ابتدا

اُمتِ مسلمہ کے لیے اُمت کے مہربان، باعثِ تخلیق دوعالم، سید الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: كُلُّ اَمْرٍ ذِيْ بَالٍ لَا يُبْدَأُ فِيْهِ بِبِسْمِ اللّٰهِ فَهُوَ اَبْتَرُ.

مطالع المسرات کے صفحہ:5 کی اس تحریر کے مطابق نیک کام کے آغاز میں بسم اللہ پڑھنا برکت کا باعث اور فائدہ مند ثابت ہوتا ہے، جب کہ بسم اللہ پڑھے بغیر کسی کام میں بھی برکت نہیں ہوتی۔ نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد کے بہ موجب، ہم مسلمانوں پر یہ لازم قرار پاتا ہے کہ ہمیں اپنے ہر نیک کام کے آغاز میں بسم اللہ پڑھنی چاہیے۔ جس کھانے کو تناول کرنے سے قبل بسم اللہ پڑھ لی جاتی ہے، اس کھانے میں شیطانِ لعین کی مجال نہیں کہ مداخلت کرسکے۔ اللہ کے پاک نام سے کھایا جانے والا کھانا پُرنور ہو کر پیٹ میں جاتا ہے اور قلب ونظر بھی اس سے ضیا حاصل کرتے ہیں۔ برعکس اس کے جس کھانے کے آغاز میں بسم اللہ نہ پڑھی جائے، اس کھانے میں شیطان شریک ہوجاتا ہے، جس کی وجہ سے کھانا بے

برکت ہوجاتا ہے اور انسان کھانے کے بعد بھی بھوک محسوس کرتا رہتا ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرورِ کائنات ﷺ کا ارشاد ہے:

اِنَّ الشَّيْطٰنَ يَسْتَحِلُّ الطَّعَامَ لَا يُذْكَرُ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ.

یہ حدیث مشکوٰۃ کے صفحہ:363 پر مرقوم ہے اور اس کو مسلم نے روایت کیا ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے کہ: واقعی شیطان اس کھانے کو حلال جانتا ہے اور کھانے میں شرکت کرتا ہے، جس کھانے پر بسم اللہ نہ پڑھی جائے۔

بعض لوگ شکایت کرتے ہیں کہ کھانا کھانے سے ان کی بھوک ختم نہیں ہوتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسے لوگ کھانا بسم اللہ کے بغیر کھاتے ہیں، جس میں شیطان شریک ہوجاتا ہے اور کھانے کی توانائی چھین لیتا ہے، اس لیے لوگ بھوک محسوس کرتے ہیں۔ برعکس اس کے جو لوگ کھانا بسم اللہ سے شروع کرتے ہیں وہ کم کھانے سے بھی سیر ہوجاتے ہیں۔ اس لیے کہ بسم اللہ پڑھنے سے کھانے میں ایک نئی توانائی پیدا ہوجاتی ہے اور کم کھانے سے بھی بھوک کا احساس جاتا رہتا ہے۔ اگر کوئی بھائی بسم اللہ پڑھنا بھول جائے تو جب یاد آئے، اس وقت پڑھ لے۔ اس سے کھانے کی برکت لوٹ آتی ہے۔ سرورِ کون ومکاں کا ارشاد ہے:

اِذَا اَكَلَ اَحَدُكُمْ فَنَسِيَ اَنْ يَّذْكُرَ اللّٰهَ عَلٰى طَعَامِهٖ فَلْيَقُلْ بِسْمِ اللّٰهِ فِيْ اَوَّلِهٖ وَاٰخِرِهٖ.

یہ حدیث مشکوٰۃ کے صفحہ:365 پر ہے، اس کو ترمذی اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ: جس وقت تم میں سے کوئی کھانا کھائے اور بسم اللہ بھول جائے تو کہے بِسْمِ اللّٰهِ فِيْ اَوَّلِهٖ وَاٰخِرِهٖ.

ابوداؤد میں ہے کہ زمانۂ نبوی تھا۔ خورشید رسالت اپنی پوری تابانیوں کے ساتھ اس جہاں کو ضیا پاشیوں سے نواز رہا تھا۔ شمع رسالت کا ایک عاشق، ایک پروانہ ایک روز کھانا تناول فرماتے وقت بسم اللہ پڑھنا بھول گیا۔ ایک لقمہ باقی رہ گیا۔ پروانۂ شمع رسالت کو اپنی غلطی کا احساس ہوگیا، اس نے فوراً پڑھا: بِسْمِ اللّٰهِ فِيْ اَوَّلِهٖ وَاٰخِرِهٖ یہ دیکھ کر محبوبِ ربانی نے تبسم فرمایا اور گلشنِ غنچہ دہن سے ارشادِ عالیہ کے حسین پھول کھلے کہ اس بندۂ خدا کے ساتھ

کھانے میں شیطان شریک تھا، مگر بسم اللہ پڑھنے پر شیطان نے سب کھایا ہوا قے کر دیا۔

(مشکوٰۃ، صفحہ:365)

حکایت

شمع رسالت کے پروانے، محبوبِ حقیقی کے سچے محب جلیل القدر صحابی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک مسلمان اور ایک کافر شخص کے شیطان میں ملاقات ہوئی۔ کافر کا شیطان خوب موٹا تازہ، بدن پر کپڑے اور سر پر تیل لگائے ہوئے تھا۔ جب کہ مومن کا شیطان دُبلا پتلا، پراگندہ سر اور ننگا تھا۔ کافر کے شیطان نے مومن کے شیطان سے پوچھا: بھائی! تمہاری یہ حالت کیوں ہے؟ اس نے جواب دیا: مَیں ایک ایسے مردِ خدا کے ساتھ ہوں جو کھانا کھاتے ہوئے بسم اللہ پڑھ لیتا ہے۔ اسی وجہ سے مجھے بھوکا رہنا پڑتا ہے اور جب وہ پانی یا کوئی اور چیز پیتا ہے تو اس کا آغاز بھی بسم اللہ سے کرتا ہے۔ اسی وجہ سے مجھے پیاسا رہنا پڑتا ہے۔ سر پر تیل لگاتے وقت وہ بسم اللہ کا ورد کرتا ہے، اس لیے میں پراگندہ بال رہ جاتا ہوں۔ لباس زیب تن کرتے وقت بھی وہ بسم اللہ کا مقدس نام لیتا ہے، اس کی بدولت میں ننگا رہ جاتا ہوں۔ کافر کے شیطان نے کہا: مَیں ایک ایسے شخص پر مسلط ہوں جو کسی کام میں بسم اللہ نہیں پڑھتا۔ اسی لیے میں کھانے، پینے اور دیگر اُمور میں شریک رہتا ہوں۔

علامہ بیجوری کی مشہور کتاب ''مواہب اللدنیہ'' کے صفحہ:2 کی اس حکایت سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ اگر ہم خیر و برکت چاہتے ہیں تو ہر نیک کام کے آغاز میں بسم اللہ پڑھا کریں۔ بصورتِ دیگر ہمارے ہر فعل میں شیطانِ لعین شریک ہوجائے گا اور جس کام میں شیطان اپنے نجس وجود کے ساتھ آئے گا، وہ کام بالیقین بے برکت ہوجائے گا۔

ایک مرتبہ دربارِ رسالت لگا ہوا تھا۔ خود شمع رسالت بھی موجود تھے اور شمع رسالت کے پروانے بھی موجود تھے۔ محبوب بھی موجود تھا اور محب بھی موجود تھے۔ گل بھی موجود تھا اور گل کی خوشبو بھی موجود تھی۔ خورشید نبوت بھی درخشندہ تھا اور خورشید نبوت کی کرنیں بھی ضیا پاشیوں میں مصروف تھیں۔ ناگاہ شمع رسالت کے ایک پروانے نے، محبوبِ حقیقی کے ایک محب نے

گزارش کی: یارسول اللہ فداك امی و ابی! کیا بات ہے کہ جب بھی میں کھانا کھاتا ہوں، سیر نہیں ہوتا؟ ارشاد ہوا: لَعَلَّكُمْ تَفْتَرِقُوْنَ ۰ شاید تم اکیلے کھاتے ہو، عرض کی: ہاں، یارسول اللہ! اس پر حضور گویا ہوئے: اِجْتَمِعُوْا عَلٰی طَعَامِكُمْ وَاذْكُرِاسْمَ اللّٰهِ تَعَالٰی يُبَارِكْ لَكُمْ فِيْهِ ۰

کشف الغمہ، جلد: اوّل کے صفحہ:25 کی اس تحریر کا مطلب یہ ہے کہ: اکٹھے مل کر کھانا کھایا کرو اور بسم اللہ شریف پڑھ لیا کرو، تو تمہارے کھانے میں برکت ہوجائے گی اور سب پیٹ بھر کر کھانا کھاؤ گے۔

وضو کے آغاز میں بسم اللہ

اسلام کی عظیم الشان عمارت کی بنیاد پانچ اشیا ہیں: توحید (کلمہ)، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج۔ اقرارِ توحید کے بعد ہر بالغ و عاقل مسلمان مرد و عورت پر دن میں پانچ مرتبہ نماز لازم ہے اور فرض قرار دے دی گئی ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: الصلوٰۃ عماد الدین ۰ نماز دین کا ستون ہے۔ نماز ہی ہمارے لیے راہِ نجات ہے، لیکن نماز کی جان وضو ہے۔ اگر وضو کے آغاز میں بسم اللہ نہ پڑھی جائے گی تو وضو ناقص ہوگا۔ مشکوٰۃ، صفحہ:47 پر نبی کریم ﷺ کا ارشاد یوں مرقوم ہے کہ: لَاوُضُوْءَ لِمَنْ لَّمْ يَذْكُرِاسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۰ (رواہ ترمذی)

اللہ کے نام کا ذکر کیے بغیر وضو، وضو نہیں۔

اس حدیث مبارکہ کے شوافع دو معانی لیتے ہیں: ایک تو یہ کہ بسم اللہ شریف پڑھے بغیر وضو سرے سے ہوتا ہی نہیں، کیونکہ یہ وضو میں فرض ہے۔ جب بسم اللہ نہ پڑھی جائے گی تو وضو کامل نہ ہوگا اور جب وضو کامل نہ ہوگا تو نماز کامل نہ ہوگی اور نماز کامل نہ ہوگی تو ہماری نجات کامل نہ ہوگی۔ اس لیے ہم کو چاہیے کہ وضو کے آغاز میں بسم اللہ الرحمن الرحیم ضرور پڑھیں۔ وضو میں بسم اللہ دو طریقے سے پڑھ سکتے ہیں، خواہ یوں پڑھی جائے کہ: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اور یوں بھی پڑھ سکتے ہیں: بِسْمِ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی دِيْنِ الْاِسْلَامِ ۰ رسالت مآب کا ارشاد گرامی ہے:

مَنْ تَوَضَّاَ وَ ذَکَرَ اسْمَ اللہِ فَاِنَّہٗ یُطَھِّرُ جَسَدَہٗ کُلَّہٗ وَمَنْ تَوَضَّأَ وَلَمْ یَذْکُرِ اسْمَ اللہِ لَمْ یُطَھِّرْ اِلَّا مَوْضَعَ الْوَضُوْءِ۔

ترجمہ: جو شخص وضو کرے اور بسم اللہ شریف پڑھے بے شک وہ اپنے تمام بدن کو پاک کرتا ہے اور جو شخص وضو کرے اور بسم اللہ نہ پڑھے اس کے اعضائے وضو ہی پاک ہوں گے۔

سبحان اللہ! بسم اللہ کی کیا شان ہے کہ وضو میں بسم اللہ پڑھنے سے سارا بدن پاک ہو جاتا ہے۔

جماع کے وقت بسم اللہ پڑھنا

ہر شادی شدہ جوڑے کو اولاد کی خواہش ہوتی ہے اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی خواہش ہوتی ہے کہ ان کی اولاد پیاری، حسین اور نیک ہو۔ نیک اور صالح اولاد حاصل کرنے کے لیے جب کوئی مسلمان اپنی منکوحہ سے مباشرت کرے تو اسے چاہیے کہ لباس اُتارنے سے قبل بسم اللہ پڑھ لے۔ اس سے شیطان مداخلت نہیں کرے گا اور پیدا ہونے والی اولاد نیک اور صالح ہوگی۔ سورۂ بقرہ میں خداوند عظیم فرماتا ہے:

نِسَاءُ کُمْ حَرْثٌ لَّکُمْ فَاْتُوْا حَرْثَکُمْ اَنّٰی شِئْتُمْ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِکُمْ وَاتَّقُوا اللہَ وَاعْلَمُوْا اَنَّکُمْ مُّلٰقُوْہُ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ۔

ترجمہ: تمہاری بیویاں تمہارے لیے کھیتیاں ہیں۔ تو اپنی کھیتی میں جس طرح چاہو آؤ۔ اپنے بھلے کا کام کرو اور ڈرتے رہو، جان لو کہ تمھیں اس سے ملنا ہے اور اے محبوب! بشارت دو ایمان والوں کو۔

علامہ بیجوری کی ''مواہب اللدنیہ'' کے صفحہ:3 اور ''نزہۃ المجالس'' جلد اوّل کے صفحہ:2 پر ایک حدیث مرقوم ہے کہ سید دو عالم نے حضرت ابو ہریرہ سے ارشاد فرمایا کہ جب تم اپنی بیوی سے جماع کرو تو بسم اللہ پڑھ لیا کرو۔ جب تک تم غسلِ جنابت نہیں کرو گے، اس وقت تک فرشتے تمہارے لیے نیکیاں لکھتے رہیں گے اور اس جماع سے پیدا ہونے والی اولاد جب تک زندہ رہے گی، اس کی ہر سانس پر تمہارے لیے ایک نیکی لکھی جائے گی۔ پھر اس اولاد کی اولاد ہوگی، پھر اُس کی اولاد ہوگی تو ہر سانس پر تمہارے لیے نیکیاں لکھی جائیں گی۔

یہ سلسلہ اُس وقت تک جاری رہے گا جب تک کہ اس کی اولاد کی اولاد اور اُن کی اولاد ختم نہ ہو جائے گی۔

سواری کے وقت بسم اللہ پڑھنا

مواہب اللدنیہ کے صفحہ:13 اور ''نزہۃ المجالس'' کے صفحہ:20 پر مرقوم ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہ سے ارشاد فرمایا کہ سواری کرتے وقت بسم اللہ الحمد للہ پڑھنے والے کو ہر قدم پر ایک نیکی کا ثواب عنایت ہوگا۔

اس لیے ہم مسلمانوں کو چاہیے کہ سواری کرتے وقت بسم اللہ پڑھ لیا کریں، تا کہ ہر قدم پر نیکی کا ثواب حاصل کر کے اللہ کے حضور جانے کے قابل ہوسکیں۔

□□□

دوسرا وعظ

بسم اللہ شریف کے فضائل

بسم اللہ تمام قرآن کا لب لباب ہے

آج سے ہزاروں لاکھوں سال قبل اللہ تعالیٰ بالکل مخفی تھا۔ اُس نے چاہا کہ مَیں پہچانا جاؤں، اس لیے اس نے دنیا پیدا فرمائی اور دنیا کی ہدایت کے لیے پیغمبر مبعوث فرمائے۔

المجالس السنیہ صفحہ:3 پر مرقوم ہے کہ خداوند عظیم نے دنیا میں شمع توحید کو جلانے کے لیے تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں میں سے بعض انبیا پر صحائف اور کتب نازل فرمائیں، جن کی تعداد 104 ہے۔ ان میں سے 60 صحیفے شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام پر، 30 سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر، 10 صحیفے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر، توریت شریف نازل ہونے سے قبل نازل ہوئے اور چار بڑی کتابیں نازل ہوئیں۔ زبور شریف حضرت داؤد پر، توریت شریف حضرت موسیٰ پر، انجیل مقدس عیسیٰ روح اللہ پر اور قرآن مجید محمد ﷺ پر نازل ہوا۔ ان تمام کتابوں اور جملہ صحائف کا متن اور مضامین قرآن مجید میں موجود ہیں اور سارے قرآن مجید کا مضمون سورۂ فاتحہ میں موجود ہے اور سورۂ فاتحہ کا سارا مضمون بسم اللہ میں موجود ہے اور بسم اللہ شریف کا سارا مضمون بسم اللہ کے حرف با میں 104 حکمت و دانش کی کتابوں کا مضمون موجود ہے۔

نزہۃ المجالس جلد اوّل صفحہ:20 پر مرقوم ہے کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بیٹے قابیل نے خواہشاتِ نفسانی سے مغلوب ہو کر اپنے حقیقی بھائی ہابیل کو قتل کر دیا تو اس پر حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ اللہ کریم نے آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر وحی نازل فرمائی کہ: اے آدم! زمین تمہارے قبضے میں دے دی گئی۔ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے زمین کو حکم دیا کہ اے زمین! قابیل کو ہڑپ کر لے۔ زمین نے تعمیل حکم کا قصد کیا

تو قابیل نے زمین کو بسم اللہ کا واسطہ دے کر کہا: مجھے ہلاک نہ کر۔ بسم اللہ کا واسطہ دینے پر اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا کہ وہ قابیل کو چھوڑ دے، لہٰذا زمین نے قابیل کو چھوڑ دیا۔

نزہۃ المجالس جلد اوّل، صفحہ:22 پر مرقوم ہے کہ ایک یہودی ایک یہودن پر عاشق ہو گیا۔ اس کے عشق میں یہ حال ہو گیا کہ کھانا پینا بھی چھوڑ دیا۔ ہر وقت اسی کے تصور میں گم رہتا۔ زبان پر اُسی کا نام جاری رہتا۔ قلب ونظر میں اسی کی صورت گھوما کرتی، لیکن اس کے برعکس اس کی معشوقہ اس کی صورت دیکھنے کی بھی روادار نہ تھی۔ یہودی نے وصالِ یار کے لیے بڑے جتن کیے، مگر سب بے سود۔ یہودی تنگ آ گیا اور ولیِ زمانہ عطا اکبر رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور اپنا حالِ دل تمام کہہ سنایا۔ شیخ نے بسم اللہ لکھ کر دی اور فرمایا کہ اس کو نگل جاؤ۔ یہودی نے تعمیل کی۔ تعمیلِ حکم کی دیر تھی کہ بسم اللہ کی برکت سے اس کا دل نورانیت سے معمور ہو گیا۔ دل سے معشوقِ مجازی کی محبت نکل گئی اور محبوبِ حقیقی کی محبت دل میں چٹکیاں بھرنے لگی۔ وہ شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کلمۂ طیبہ پڑھ کر مشرف بہ اسلام ہو گیا۔ یہودی کے اسلام لانے کے واقعہ نے عوام میں تہلکہ مچا دیا۔ ہر ایک کی زبان پر یہی جملہ تھا کہ کل تک جو شخص ایک خاتون پر عاشق تھا، آج وہی جنابِ محمد (ﷺ) کا عاشق بن چکا ہے۔ یہ بات اس کی محبوبہ و معشوقہ کے کانوں میں پڑی، وہ بھی حضرت عطا اکبر کی صحبت میں حاضر ہوئی اور عرض پرداز ہوئی: یا شیخ! میں ہی وہ خاتون ہوں، جس پر وہ شخص عاشق تھا۔ حضرت! مَیں نے خواب دیکھا ہے کہ کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے کہ: اے نوجوان خاتون! اگر تُو جنت کی طلبگار ہے تو شیخ عطا اکبر کی خدمت میں حاضری دے، لہٰذا میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی ہوں۔ آپ نے فرمایا: اے خاتون، بسم اللہ شریف پڑھ۔ اس نے پڑھی۔ پڑھتے ہی قلب منور ہو گیا۔ رموزِ باطنی آشکارا ہو گئے۔ اس خاتون نے شیخ سے عرض کی: یا حضرت! مجھے اسلام کی دولت سے مالا مال فرمائیے۔ آپ نے اسے مسلمان کیا اور وہ گھر چلی گئی۔ رات کو خوشی سے معمور دل لیے سوگئی، خواب میں جنت کا منظر دیکھا۔ جنت کے محلات دیکھے، جنت کے محلات پر بسم اللہ لکھا دیکھا۔ اتنے میں منادی نے ندا دی: اے بسم اللہ پڑھنے والی خاتون! تجھے بسم اللہ پڑھنے کی وجہ سے یہ محلات عطا کیے ہیں۔ بیدار ہوئی تو جنت کے

نظارے تصور میں گھوم گئے۔ بے قرار ہوگئی۔ سراپا عجز وانکساری بن کر اللہ کے حضور گویا ہوئی: یا اللہ! تونے مجھے جنت سے نکال دیا۔ میں تجھے بسم اللہ کا واسطہ دیتی ہوں کہ مجھے جنت میں دوبارہ داخل فرما۔ خلوصِ دل سے چھوڑا ہوا ناوک دعا ہدفِ اجابت کا سینہ چاک کرگیا۔ اس کی روح اس کے جسدِ خاکی سے پرواز کرگئی اور جنت میں داخل ہوگئی۔

نزہۃ المجالس، صفحہ:33 پر یہ واقعہ لکھا ہوا ہے کہ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں اپنے برادر کے پاس گیا۔ دیکھا کہ وہ نشے میں دُھت پڑا ہے۔ آپ بھائی پر کبیدہ خاطر ہوئے اور اسی کبیدگی میں بھائی کو پیٹا اور واپس چلے آئے۔ ان کا بھائی نشہ میں چور تھا۔ حواس وہوش سے بیگانہ تھا۔ اسی حالت میں گھر سے نکلا اور ایک کنوئیں میں گر کر مر گیا۔ آخر کار کنوئیں سے نکال کر دفن کردیا گیا۔ بزرگ بھائی نے خواب میں اپنے بھائی کو جنت میں ٹہلتے دیکھا۔ حیرت کے مارے انگشت بدنداں رہ گئے۔ عالم تجسس میں پوچھا: بھائی! تُو تو شرابی تھا، نشہ کرتا تھا، کبھی بھول کر بھی اللہ اور اس کے رسول کا نام نہ لیا تھا۔ کبھی کسی کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش نہ آیا اور اب جنت میں کس طرح پہنچ گیا۔ بھائی نے جواب دیا: واقعی میں کمینہ، ذلیل، شرابی انسان تھا اور میری موت بھی شراب پینے کی وجہ سے واقع ہوئی۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ جب میں گھر سے نکلا تو راستے میں ایک کاغذ دیکھا کہ اُس پر بسم اللہ شریف لکھی ہوئی ہے۔ میں نے وہ اُٹھایا اور نگل گیا۔ اس کے بعد میں کنوئیں میں گر پڑا اور جاں بحق ہوگیا۔ پھر مجھ کو منوں مٹی تلے دبا دیا گیا۔ جب میرے پاس منکر نکیر تشریف لائے اور مجھ سے سوالات کرنے لگے۔ میں نے جواب دیا کہ مجھ سے کیا سوال کرتے ہو، میرے پیٹ میں بسم اللہ کا نام موجود ہے۔ اُس وقت نور کا کڑکا ہوا اور اس نور سے ندا آئی: صَدَقَ عَبْدِیْ قَدْ غَفَرْتُ۔ میرا بندہ سچ کہہ رہا ہے۔ میں نے اس کو معاف کردیا۔ یہ ندا سن کر فرشتے واپس لوٹ گئے اور بعد ازاں دوسرے فرشتے آئے تو مجھ کو جنت میں لے آئے۔ اب میں جنت کی سیر کر رہا ہوں۔ سبحان اللہ! بسم اللہ کی شان نرالی ہے کہ اس کی وجہ سے بندے کی جاں بخشی ہوگئی۔

علامہ بیجوری کی مواہب اللدنیہ میں ایک بڑا ہی مشہور واقعہ لکھا ہے کہ جوانی کے عالم میں بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ شراب کے رسیا تھے۔ کباب وشراب غذا کے لازمی جزو تھے۔

رقص وسرور کی محفلیں سجاتے، شراب کے کاروبار سے جو رقم کماتے وہ اَلَلّے تللّوں میں اُڑا دیتے۔ ایک مرتبہ ایک جگہ سے گزر رہے تھے کہ راستے میں گندگی کے ڈھیر میں ایک کاغذ پڑا نظر آیا، جس پر بسم اللہ شریف لکھی تھی۔ دل میں خیال آیا کہ اللہ جو کہ دنیا وجہاں کا مختارِ کل ہے، اُس کا نام گندگی میں پڑا ہے۔ آگے بڑھ کر اُٹھالیا، اس کو صاف کیا اور اس کو خوشبو سے معطر کیا اور ایک محفوظ مقام پر رکھ دیا۔ رات کو محوِ خواب ہوگئے۔ دیکھا کہ ایک نور کا ہالہ ہے، جس میں سے آواز آرہی تھی: اے بشر حافی! تم نے اللہ کے نام کو خوشبودار کیا۔ اس عمل سے اللہ خوش ہوکر تمھیں سلام کہتا ہے۔ خواب دیکھتے ہی آنکھ کھل گئی، فوراً شراب کی تمام بھٹیاں گرا دیں۔ شراب کی تمام بوتلیں بہا دیں۔ سچے دل سے توبہ کی اور اللہ کی عبادت میں مصروف ہوکر وہ مقام بزرگی حاصل کیا جو بڑے سے بڑے عابدوں کو نصیب نہیں ہوا تھا۔

ایک مرتبہ ایک کافر ڈاکو ڈاکہ کی نیت سے نکلا۔ اس کا گزر ایک شاندار محل سے ہوا۔ محل کی شان وشوکت دیکھ کر وہ دنگ رہ گیا۔ چوری چھپے جائزہ لیا، دیکھا کہ محل کے بے شمار کمرے ہیں، ہر کمرہ فنِ تعمیر کا نادر نمونہ ہے۔ محل کی تعمیر میں یاقوت وزمرد کا استعمال کیا گیا تھا۔ محل کے ایک پرسکون گوشے میں ایک بوڑھا اور حسین وجمیل نوجوان عورت کو دیکھا۔ اس نے دل میں خیال کیا کہ کیوں نہ میں اس بوڑھے کو قتل کر کے اس خاتون اور محل پر قابض ہوجاؤں۔ چنانچہ اس نے بوڑھے پر حملہ کردیا۔ بوڑھے نے نوجوان ڈاکو کو چاروں شانے چت گرا دیا۔ نوجوان اٹھا اور دوبارہ حوصلے سے حملہ کیا، مگر اس مرتبہ بھی بوڑھے نے گرا دیا اور بار بار گرایا۔ اس ڈاکو نے خیال کیا کہ میں نوجوان اور طاقتور ہوں، یہ بوڑھا اور کمزور ہے، مگر کیا وجہ ہے کہ پھر بھی مجھے بار بار گرا رہا ہے۔ ڈاکو نے محسوس کیا کہ بوڑھا آہستہ آہستہ کچھ پڑھ رہا ہے۔ اس نے پوچھا: تم کیا پڑھ رہے ہو؟ جواباً بوڑھے نے تبسم فرمایا اور کہا: میں اللہ کا پاک نام بسم اللہ شریف پڑھتا ہوں۔ ڈاکو کے دل کی دنیا زیر وزبر ہوگئی۔ سوچنے لگا کہ جس دین میں بسم اللہ شریف کی اتنی برکت ہے، وہ دین کتنا عظیم ہوگا۔ فوراً کلمہ پڑھا اور مسلمان ہوگیا۔ پھر اس نے بسم اللہ شریف پڑھ کر بوڑھے پر حملہ کیا۔ بوڑھا ہلاک ہوگیا اور وہ حسینہ اور شاندار محل اس نوجوان کے قبضے میں آگیا۔ (نزہۃ المجالس، صفحہ:23)

حکایت: شمس الواعظین میں مرقوم ہے کہ ایک لکڑہارا روزانہ دریا پار جا کر جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لایا کرتا تھا اور اُن لکڑیوں کو بیچ کر اپنی اور اپنے اہل وعیال کی پرورش کرتا تھا۔ صبح وشام دریا پار کرنے کے لیے اسے کافی دور ایک پل تک جانا پڑتا تھا، جس میں کافی وقت صرف ہوتا تھا اور لکڑیاں کاٹنے کے لیے کم وقت ملتا اور لکڑیاں کم کٹ پاتیں۔ اس طرح کم آمدنی ہوتی۔ ایک دن وہ جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لا رہا تھا۔ مسجد میں خطیب صاحب ایک مسئلہ عرض کر رہے تھے کہ بسم اللہ شریف پڑھ کر دریا میں اتر جائیں تو دریا کا پانی نقصان نہیں دے گا۔ یہ مسئلہ اس لکڑہارے نے بھی سنا۔ دل میں بہت خوش ہوا۔ دوسرے دن وہ دریا میں بسم اللہ شریف پڑھ کر چلتا ہوا دریا پار کر گیا۔ واپسی پر بھی یہی طریقہ آزمایا۔ اب روزانہ اسی طرح سے کرتا۔ دریا پار کرنے میں اسے کم وقت لگتا اور لکڑیاں زیادہ کاٹی جاتیں اور آمدنی بھی زیادہ ہوتی۔ اسی طرح لکڑہارا چند دنوں میں ہی خوشحال ہو گیا۔

مواہب اللدنیہ، صفحہ:2 نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب بچہ بسم اللہ شریف کا درس پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے والدین کے تمام گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔

ایک شخص نے بسترِ مرگ پر اپنی گھر والی کو نصیحت کی کہ اگر میں مر جاؤں تو میرے بعد میرے بیٹے کو قرآن مجید ضرور پڑھانا۔ کچھ عرصے بعد وہ شخص فوت ہو گیا۔ حساب وکتاب ہوا اور اسے عذاب ہونے لگا۔ ادھر جب اس کا بچہ سات سال کا ہوا، تو اس کی بیوی نے بچے کو مدرسے بھیجا۔ استاد نے بچے کو درس دیا۔ بچے نے اپنی توتلی زبان سے بسم اللہ پڑھی۔ خداوند عظیم نے بسم اللہ کے صدقے اس کے والد کے گناہ معاف کر دیے اور اس کی قبر سے عذاب ہٹا لیا گیا۔

حدیث شریف میں ہے کہ شبِ معراج کو رسول اللہ ﷺ نے جبرئیل سے فرمایا: بہشت میں جو چار نہریں ہیں، ان کی اصل کہاں ہے؟ جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے براق پر سوار کیا اور خود آگے آگے چلے۔ پانچ سو سال کی مسافت پر ایک قبہ ملا، جس کے چار دروازے تھے۔ ہر دروازے سے ایک ایک نہر نکل رہی تھی۔ قبہ کا دروازہ کھول کر آگے بڑھے، بیس برس کی مسافت پر صدر قبہ میں نور کا ایک تختہ نظر آیا، جس پر تحریر تھا بِسۡمِ اللّٰہ

الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۔ ایک نہر بسم کی م سے، دوسری نہر اللہ کی ہ سے، تیسری نہر رحمٰن کی میم سے اور چوتھی نہر رحیم کی میم سے نکل رہی تھی۔ اس وقت آنجناب کو حکم الٰہی موصول ہوا کہ آپ کی اُمت میں سے جو شخص بسم اللہ شریف پڑھا کرے گا، میں اُسے ان نہروں سے سیراب کروں گا۔

حضرت ابوبکر صدیق راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص ایک مرتبہ بسم اللہ شریف پڑھتا ہے، خداوند عظیم اس کے نامۂ اعمال میں دس ہزار نیکیاں لکھتا ہے۔ اس کی دس ہزار برائیاں مٹاتا ہے اور دس ہزار درجے بلند کرتا ہے۔

نبی کریم ﷺ پر جب سورۂ خلق اور سورۂ ناس نازل ہوئیں تو حضور ﷺ نے فرما کہ ان میں مفصل کیسے معلوم ہوگا۔ جبرئیل بحکم خداوند بسم اللہ کو نور کے کاغذ پر لکھ کر بمعہ بے شمار ملائکہ کے حاضر ہوئے اور عرض کی: یا رسول اللہ! یہ ایسی شے ہے جو میں کسی پیغمبر پر لے کر نہیں اُترا۔ یہ ایسی متبرک شے ہے کہ اگر حضرت موسیٰ پر نازل کی جاتی تو اُن کی اُمت یہود نہ ہوتی۔ اگر حضرت عیسیٰ پر نازل ہوتی تو ان کی اُمت مسیح نہ ہوتی، جس نے ایک مرتبہ بسم اللہ پڑھ لی، اس کے دل کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔

حضراتِ گرامی! بسم اللہ کے فوائد بے شمار ہیں۔ اتنے کہ جن کو احاطۂ تحریر میں لانے کے لیے ایک طویل ترین عرصہ درکار ہوگا۔ اس کے ایک دو فوائد مزید لکھ کر وعظ ختم کرتا ہوں:

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ بسم اللہ شریف پڑھنے سے شیطان یوں بھاگتا ہے جیسے آگ میں زنگ پگھل جاتا ہے۔ رسالت مآب نے ایک اور موقع پر فرمایا کہ اگر اللہ کو میری اُمت پر عذاب کرنا مقصود ہوتا، تو بسم اللہ شریف نازل نہ کرتا، کیونکہ بسم اللہ کے حروف اُنیس ہیں اور اسی قدر دوزخ کے طبقات ہیں۔ اس لیے دوزخ سے رہائی پانے کے لیے بسم اللہ شریف ایک لاجواب نسخہ ہے۔ اللہ ہم سب کو بسم اللہ شریف پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے: آمین

□□□

تیسرا وعظ

شرک کیا ہے؟

برادرانِ اسلام! یہ دور نفسا نفسی کا دور ہے، خود غرضی اور مفاد پرستی کا دور ہے۔ یہ دور اُن بدعقیدہ لوگوں کی اکثریت کا دور ہے جو توحید کے نام پر، توحید کی آڑ میں، توحید کا ذکر کر کے، سادہ لوح اور بے علم لوگوں کو مشرک کہہ دینے میں فخر محسوس کرتے ہیں، کیونکہ وہ اپنے خیال میں اسلام کی خدمت کر رہے ہیں۔ ان کا یہ دعویٰ سراسر جھوٹ اور فراڈ پر مبنی ہے۔ یہ لوگ اسلام کی خدمت کرنے کی بجائے اسلام کی جڑیں کھوکھلی کرنے کی ناکام کوشش میں مصروف ہیں۔ ایسے بدعقیدہ لوگوں کے شر سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ شرک کی تعریف، اس کے معانی و مطالب اور تشریح کے بارے میں علم ہو۔ اس لیے اس باب میں اسی بارے میں کچھ عرض کیا جاتا ہے۔

تعریف شرک: ظہورِ اسلام سے قبل یہ دنیا معمورۂ جہالت تھی۔ تصورِ توحید کی کھیتی بے آب و گیاہ پڑی تھی۔ وحدت پر دوئی کے ہزاروں رنگ غالب تھے، کہیں شجر کو مقام مسجودیت دیا گیا تھا تو کہیں آگ کی پرستش کی جاتی تھی اور کہیں سنگِ گراں کے آگے دستِ تمنا دراز کیا جاتا تھا۔ لوگ اللہ سے بالکل نا آشنا تھے۔ ظہورِ اسلام سے قبل عربوں کی فطرت اور عادت کے بارے میں علامہ اقبال بانگِ درا میں رقم طراز ہیں:

ہم سے پہلے تھا عجب تیرے جہاں کا منظر
کہیں مسجود تھے پتھر، کہیں معبود شجر
خوگرِ پیکرِ محسوس تھی انساں کی نظر
مانتا پھر کوئی ان دیکھے خدا کو کیونکر؟

اس دور میں کفر و عصیاں کی برق افقِ انسانیت پر رقص کناں تھی اور اشرف المخلوقات اس کو دیکھنے میں اس قدر محو ہو چکا تھا کہ اپنی ہستی بھی بھلا بیٹھا تھا۔ درسِ خود آگہی محو کر چکا تھا اور

قدم قدم پر جہالت کے اندھیاروں میں ٹھوکریں کھا رہا تھا۔ بالآخر اللہ تعالیٰ کی رحمت کو جوش آیا۔ سینہ چاکانِ چمن سے سینہ چاکانِ چمن کا ملاپ ہوا اور اللہ کی جانب سے اس پیکرِ نور کا ظہور ہوا، جس نے راہزنوں کو رہبانی، گداؤں کو سلطانی اور سلطانوں کو جہاں بانی کے زریں اُصول سکھلائے۔ جس نے فرش پر لڑھکتی ہوئی انسانیت کو اُٹھا کر ہمدوشِ ثریا کیا اور جس نے اخلاق کے تمام تر تقاضوں کی تکمیل کر دی اور جس نے دوئی کے تمام تر رنگوں کو وحدت کے رنگ میں ضم کر دیا۔

کفر و شرک کی منزل مسمار کر دی اور وضاحت سے فرمایا: لا الٰہ الا اللہ محمّدٌ رّسُوْلُ اللہ۔ کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔ اسی کی نفی شرک کہلاتی ہے، یعنی اللہ کی وحدانیت کا انکار، اس کی ذات و صفات میں کسی دوسرے کو شریک کرنا شرک ہے۔ اللہ کو ایک ماننا، زبان سے اقرار کرنا اور دل سے تصدیق کرنا توحید ہے۔

شرک و توحید کے متعلق علامہ خازن اپنی تفسیر خازن، جلد اوّل کے صفحہ: 24 پر لکھتے ہیں:

مَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ یَعْنِیْ یَجْعَلُ مَعَهٗ شَرِیْكَهٗ غَیْرَهٗ۔

ترجمہ: اللہ کے ساتھ شرک کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے ساتھ غیر کو شریک ٹھہرائے۔

علامہ تفتازانی شرح عقائد، صفحہ: 16 میں شرک کی تعریف یوں قلم بند کرتے ہیں:

اَلْاِشْرَاكُ هُوَ اِثْبَاتُ الشَّرِیْكِ فِی الْاُلُوْهِیَّةِ بِمَعْنٰی وُجُوْبِ الْوُجُوْدِ كَمَا لِلْمَجُوْسِ اَوْ كَمَعْنٰی اِسْتِحْقَاقِ الْعِبَادَةِ كَمَا لِعَبَدَةِ الْاَصْنَامِ۔

شرک ثابت کرنا ہے شریک کا الوہیت بمعنی واجب الوجود میں مجوسیوں کی طرح، یا بت پرستوں کی طرح استحقاقِ عبادت میں۔

محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مشکوٰۃ کی شرح میں رقم طراز ہیں کہ شرک کی تین اقسام ہیں۔ پہلی تو یہ کہ اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کو واجب الوجود ٹھہرائے، یہ شرک ہے۔ اس کے سوا کسی اور کو خالق سمجھنا یا کہنا بھی شرک ہے۔ تیسری قسم یہ ہے کہ اللہ کی عبادت میں کسی دوسرے کو شریک کرے، یا اُس کو مستحق عبادت سمجھے۔ ان عبادتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ واجب الوجود یعنی اپنی ذات و کمالات میں دوسرے سے بے نیاز اور غنی بالذات فقط اللہ کی ذات

ہے۔ اللہ کے سوا کسی دوسرے میں یہ بات نہیں۔ اس طرح ہر طرح کی عبادت کا مستحق بھی
وہی ہے۔ یہاں پر اگر کوئی شخص اللہ کی ذات وصفات کی تمثیل پیش کرے اور کسی دوسرے کی
عبادت کی توجیہہ پیش کرے، تو وہ مشرک ہوگا۔ جو کوئی یہ کہے کہ اللہ کے علاوہ بھی کوئی دوسرا
ایسا ہے جس کو کسی دوسرے سے کوئی حاجت نہیں اور وہ بہت قدیم ہے، تو وہ مشرک ہوگا۔ جس
طرح کہ ہندوستان کے آریہ لوگ روانِ انسان اور مادہ کو بھی واجب الوجود مانتے ہیں اور یہ
خیال کرتے ہیں کہ ان کو کسی کی ضرورت نہیں، ان کو کسی سے کوئی غرض نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص
کسی کے کمالات سے متعلق یہ کہے کہ یہ کمالات اس کے اپنے ہیں اور گمان کرے کہ ان
کمالات کو سیکھنے میں اس نے کسی دوسرے سے مدد حاصل نہیں کی اور نہ اسے کسی دوسرے کی
مدد کی ضرورت ہے، وہ مشرک ہے۔ کیونکہ ہر شخص کو اپنے فن میں طاق ہونے کے لیے کسی نہ
کسی کا محتاج ہونا پڑتا ہے اور سب سے بڑھ کر اللہ کا فضل شاملِ حال ہوتا ہے، اس لیے یہ
کہنا کہ فلاں شخص اپنے کمالات میں دوسروں کی مدد سے بے نیاز ہے، اسے دوسرے کی مدد کی
ضرورت نہیں، بالکل غلط اور شرک ہے۔ بت پرست درختوں کی پوجا کرتے تھے اور ان سے
اپنی مرادیں مانگتے تھے، وہ بھی مشرک تھے، کیونکہ عبادت کے لیے انہوں نے سورج، اشجار،
پتھر وغیرہ کو معبود بنا رکھا تھا۔ ان سب باتوں کی روشنی میں جو شخص اللہ تعالیٰ کے عطا کیے
ہوئے کمالات اس کی مخلوق کی فلاح و بہبود کے لیے استعمال کرتا ہے اور جانتا ہے کہ یہ کمالات
اللہ کے دیے ہیں، جن کو وہ کسی وقت بھی چھین سکتا ہے، وہ مشرک نہیں۔ مثلاً اگر کوئی شخص کسی کو
صاحب سماع و بصر کہے اور یہ یقین رکھتا ہو کہ یہ صفات اسے اللہ تعالیٰ نے عطا کی ہے، تو
مشرک نہیں بلکہ مومن ہے۔ مشرک اُس وقت ہوگا جب یہ کہے کہ یہ بصارت اور سماعت اس
کی ذاتی ہے اور اس کے لیے وہ کسی دوسرے کا دست نگر نہیں۔ خداوند عظیم اپنی پاک کتاب
قرآن مجید میں فرماتا ہے: فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ۝ (پارہ:29، سورۂ دہر) اس آیت
کا مطلب ہے کہ ہم نے انسان کو صاحب سمع و بصر پیدا کیا ہے۔

اب اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ صفات اللہ تعالیٰ کی ہیں۔ قرآن پاک
پارہ:15 میں مرقوم ہے: اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۔ بے شک اللہ صاحب سمع و بصر ہے۔

یہاں پر اللہ بھی صاحب سمع و بصر ہے اور بندہ بھی صاحب سمع و بصر ہے۔ لہٰذا یہ شرک
ہوا اور اللہ بھی اس پر خوش ہے، اس میں اللہ کی رضا بھی شامل ہے، جب کہ اللہ امکانِ شرک کو
نہ پسند کرتا ہے، نہ اس کی تعلیم دیتا ہے اور نہ ہی توثیق فرماتا ہے بلکہ شرک کی تردید فرماتا ہے۔
اللہ تعالیٰ ہر گناہ کو معاف کر دے گا، مگر شرک کو نہیں۔ اسی طرح ہر شخص صاحب سمع و بصر
مشرک ہوا اور اُن کو صاحب سمع و بصر کہنے والا بھی مشرک ٹھہرا۔ نجات کسی کی بھی نہ ہوگی، اس
لیے یہ شرک نہیں، کیونکہ اللہ نے بندے کو جو سمع و بصر عطا فرمائی وہ اس کی عنایت ہے، وہ اس
کی مہربانی ہے۔ اور جو اس نے اپنے لیے سمع و بصر فرمایا، وہ اس کی ذاتی صفت ہے۔ اللہ
تعالیٰ صاحب سمع و بصر ہی نہیں بلکہ رحمٰن و رحیم بھی ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۔ بے شک اللہ مہربان رحم کرنے والا ہے۔

یہاں پر اللہ کی مہربانی کا کمال دیکھیے کہ اس نے اپنی مہربانی سے اپنی ذاتی صفت کا
کچھ حصہ اپنے نائب یعنی بندۂ خاکی کو عطا فرمایا۔ اس بات کو شرک کہہ دینا قطعاً غلط ہے۔

مومن و کافر میں فرق

اُمتِ محمدیہ مختلف عقائد کے باعث کئی فرقوں میں بٹ چکی ہے۔ بعض لوگ یہ گمان
کرتے ہیں کہ سب کچھ اللہ ہے، باقی کچھ نہیں۔ بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ اسباب ہی سب
کچھ ہیں، جیسا کہ ایک بت پرست یہ یقین رکھتا ہے کہ اجرامِ سماویہ یعنی سورج، چاند، ستارے
وغیرہ تاثیر میں مستقل بالذات ہیں اور حقیقی شے کے حامل ہیں، مگر مسلمان اسباب کو محض
اسباب اور وسائل ہی سمجھتا ہے اور ان اسباب و وسائل کے پردہائے حجابات میں قادرِ مطلق
کے دستِ قدرت کو نہاں دیکھتا ہے، یعنی قدرت و الوہیت اپنے اللہ کی سمجھتا ہے۔ اگر یہ فضل
نہ ہو تو انسان ہر فعل و قول میں مشرک ہو جائے۔ مثلاً جب کہے کہ میں سنتا ہوں تو مشرک، میں
دیکھتا ہوں تو مشرک، میں کھاتا ہوں، پیتا ہوں، ان سب باتوں میں انسان مشرک ہو جائے۔
اس طرح دیگر اُمور میں یہ باتیں زمرۂ شرک میں شمار ہوں۔ مثلاً غذا سے توانائی حاصل ہوتی
ہے۔ بلب سے روشنی حاصل ہوتی ہے، دوا نے درد رفع کیا، سردی نے نقصان دیا، یہ باتیں

شرک نہیں۔ شرک اُس وقت ہوں گی، جب کسی کو کسی کمال میں مستقل بالذات جانے اور اگر مستقل بالذات نہیں جانتا بلکہ یہ خیال کرتا ہے کہ اللہ کا محتاج ہے تو مشرک نہیں بلکہ موحد و مومن ہے۔ مثلاً جب یہ کہتا ہے کہ میں دیکھتا ہوں، تو یہ عقیدہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قوتِ بصارت سے اور اس کے فضل و کرم سے دیکھ رہا ہوں۔ اگر وہ دیکھنے کی قوت عطا نہ فرماتا تو میں ہرگز اس کائناتِ رنگین کا نظارہ نہ کرسکتا۔ ایسے شخص کو مشرک کہنے والا کم عقل اور گمراہ ہے۔ کیونکہ ایسے فرد کو مشرک کہنے کے معنی یہ ہوں گے کہ کمالِ بینائی جو کہ اللہ کا عطا کردہ ہے، شرک ہے۔ معاذ اللہ! یہ کمال صرف اللہ سے ثابت ہے۔ دوسرے کو اس میں شریک کردینا کفر ہوا۔ یہ سراسر باطل پن اور گمراہی کی کھلی دلیل ہے، کیونکہ اللہ کا کوئی کمال عطائی اور محتاجِ غیر نہیں، بلکہ اس کا اپنا اور ذاتی ہے۔

اس سے یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ عطائی کمال کسی کے لیے ثابت کرنا ہرگز شرک نہیں۔ مگر بعض لوگ بڑے کم علم ہیں۔ ہم کو ان کے علم پر حیرت و افسوس ہے کہ ان کو یہ بھی پتہ نہیں کہ اللہ سبحانہ کے تمام اوصاف ذاتی ہیں، مستقل بالذات ہیں اور وہ کسی کا محتاج نہیں۔

کمالِ عطائی ماننا شرک نہیں!

قرآن مجید ایک ایسی کتاب ہے، جس میں کسی شک وشبہ کی رتّی برابر بھی گنجائش نہیں۔

قرآن مجید کے آغاز میں ہے: ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ۔ (سورۂ بقرہ)

بے شک یہ کتاب ہر قسم کے شک وشبہ سے پاک ہے۔

لہٰذا قرآن مجید کی کسی بات سے انکار ممکن نہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

اَنِّیْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ اَنِّیْ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِیْ بُيُوْتِكُمْ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔ (سورۂ آل عمران)

ترجمہ: تمہارے رب کی طرف سے بلاشبہ میں ایک آیت (نشانی) لے کر آیا ہوں کہ

مٹی کی مورت بناتا ہوں اور اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ فوراً پرندہ ہو جاتی ہے اور اللہ کے حکم سے میں شفا دیتا ہوں مادرزاد اندھے اور سفید داغ والے کو اور اللہ کے حکم سے مردے کو زندہ کرتا ہوں اور تمھیں بتلاتا ہوں جو کچھ تم کھاتے ہو اور جو اپنے گھروں میں جمع رکھتے ہو۔ بے شک ان باتوں میں تمہارے لیے بڑی نشانی ہے، اگر تم ایمان والے ہو۔

اللہ کی پاک کتاب نورِ مبین، قرآنِ مجید کے ان الفاظ و معانی میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مخلوق پیدا کرنے، اندھے اور برص والے کو شفا دینے، مُردوں کو زندگی بخشنے کی صفت کو خود سے منسوب کیا ہے اور ارشاد فرمایا کہ جو کچھ تم کھاتے ہو اور جو کچھ گھروں میں جمع کرتے ہو، اس کی میں خبر رکھتا ہوں۔ مزید ارشاد فرمایا کہ اگر تم ایمان والے اور مومن ہو، اللہ کی وحدانیت پر یقین رکھتے ہو، تو اس میں تمہارے لیے نشانی ہے۔ توحید کے علمبردار اللہ کے پیارے رسول حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس کلام کو قرآن مجید نے نقل فرمایا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اپنے طور پر خلق اور احیا و ابرا یعنی تخلیق کرنے، جلا بخشنے اور شفا عطا کرنے کی نسبت غیر اللہ سے ہو سکتی ہے، مگر یہ عقیدہ لازمی ہے۔ یہ صفت اور یہ خوبی اللہ کی عطا سے حاصل ہے۔ اگر یہ عقیدہ نہیں بلکہ یہ ہوگا کہ یہ وصف اللہ کی مہربانی اور عطا نہیں، اس کا اپنا ذاتی ہے، تو یہ شرک ہے ورنہ نہیں۔

حاصلِ کلام یہ کہ شرک اس صورت میں ہوگا جب کہ ایک معبود کے علاوہ کسی دوسرے کو معبودیت کا حامل قرار دے۔ خالقِ دو جہاں خداوند عظیم خود چودھویں پارے، سورۂ نحل میں ارشاد فرماتا ہے کہ: لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ۔

دو (کو) معبود نہ بناؤ۔ اس کے سوا عبادت کے لائق کوئی دوسرا نہیں۔

اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی صفاتِ ذاتی و اضافی میں کسی دوسرے کی تمثیل، مماثل یا مثل پیش کرے گا تو وہ مشرک ہوگا۔

شرکِ اکبر کیا ھے: جو شخص یہ عقیدہ رکھے اور یہ گمان کرے کہ ایک اللہ کے سوا کسی دوسرے کی عبادت کی جاسکتی ہے یا اس کی صفات میں، اس کے افعال میں کسی دوسرے کو ہم پلہ قرار دے اور کہے کہ اللہ کے علاوہ بھی کوئی مارنے، جلانے، روزی دینے، سورج

غروب کرنے، سورج طلوع کرنے، لیل ونہار کا اظہار کرنے میں مستقل بالذات اور اللہ کی عطا سے بے نیاز ہے تو ایسا عقیدہ رکھنے والا شخص مشرک ہے، خارج از ایمان، مخلود فی النار اور جہنمی ہے اور اسی کو شرکِ اکبر کہتے ہیں۔ یہی توحید کا حریف ہے، یہی توحید کی تردید کرتا ہے اور یہی بندوں کو اللہ سے دور، بہت دور لے جاتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ

ترجمہ: بے شک اللہ مغفرت نہ کرے گا کہ اس کا شریک ٹھہرایا جائے۔ ماسوائے اس کے، اللہ جن کی مغفرت چاہے قبول کرے گا۔

یہ شرکِ اکبر ہے، جو کسی طور پر بھی بخشا نہ جائے گا اور اس کا مرتکب ہونے والا ذی روح ابد تک جہنم میں جلتا رہے گا، اس کے باقی تمام گناہ معاف کر دیے جائیں گے، اگرچہ وہ دریاؤں کے قطروں کے برابر ہی کیوں نہ ہوں، مگر شرک نہیں بخشا جائے گا، جس کی پاداش میں مشرک کا ٹھکانہ ہمیشہ کے لیے جہنم ہوگا۔

شرک سے بچنے کی بڑی تاکید فرمائی گئی ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ ۚ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۚ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ۚ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا أَحَدٌ ۚ

ترجمہ: آپ فرمادیں! اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ وہ کسی سے جنا گیا اور اس کا کوئی ہمسر نہیں۔

شرک کی تعریف قرآن کی روشنی میں بیان کی گئی، مگر بعض کم عقل لوگ جو شرع پر اختراع کے عادی ہیں، توحید کو شرک قرار دیتے ہیں اور ایسے ظالم وجاہل ہیں کہ کفار کی آیات پیغمبروں پر اور پیغمبروں کی آیات کفار پر بلا خوف وخطر بیان کرتے ہیں۔ ہمیں ان لوگوں کی عقل پر رونا آتا ہے۔

بخاری، جلد دوم کے صفحہ: 421 پر امام بخاری نے خارجیوں اور بے دینوں کے بارے میں ایک باب رقم کیا ہے، جس کا نام قتال الخوارج والملحدین ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

كَانَ ابْنُ عُمَرَ يَرَاهُمْ شِرَارَ خَلْقِ اللّٰهِ وَقَالَ إِنَّهُمْ انْطَلَقُوْا إِلٰى اٰيَاتٍ نَزَلَتْ فِي الْكُفَّارِ فَجَعَلُوْهَا عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ خارجیوں اور ملحدوں کو اللہ کی مخلوق میں ذلیل خیال کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ ایسے بے دین ہیں جو کفار کے بارے میں نازل کی گئی آیات مسلمانوں پر پڑھتے ہیں اور مسلمانوں کے بارے میں نازل ہونے والی آیات کفار سے منسوب کرتے ہیں۔

مندرجہ بالا تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ ایسے لوگ دائرۂ خوارج میں شامل ہیں، وعظ کے آخر میں خلوص سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں شرک سے بھی محفوظ رکھے اور ایسے کم عقل اور نادان لوگوں سے بھی جو توحید کو بھی شرک کہہ دیتے ہیں۔

□□□

چوتھا وعظ

تعریف ایمان اور تفصیل ایمان

ایمان کی تعریف

دائرۂ اسلام میں داخل ہونے کے لیے لازمی ہے کہ اسلامی عقائد و اعمال پر ایمان لایا جائے۔ ایمان، امن سے بنا ہے۔ لغوی معنی اس کے امن دینے کے ہیں۔ یعنی ایماندار آدمی دوسروں کے لیے پُرامن ہو جاتا ہے۔ اس کی ذات سے کسی دوسرے کو ذرہ بھر بھی نقصان پہنچنے کا اندیشہ نہیں رہتا۔ اصطلاحِ شریعت میں لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کو زبان سے دُرست ادا کرنا اور اس کے معنی و مطالب پر صدقِ دل سے یقین کرنا ایمان کہلاتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید، سورۂ محمد میں خود اللہ فرماتا ہے: فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ یعنی دل سے یہ بات جان لو کہ اللہ کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ اس کے سوا کوئی قابلِ عبادت نہیں۔

آج سے تقریباً 1400 سال قبل جب عرب کی سرزمین سے خورشید توحید محمد ﷺ کی بعثت کے روپ میں طلوع ہوا، جس نے اس جہاں کو اسلام کی نئی روشنیوں سے روشناس کرایا اور اسلام کی روشنی حاصل کرنے کے لیے پانچ چیزوں کو لازمی قرار دیا کہ ان کے بغیر اسلام کی تکمیل نہیں ہوتی۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا:

بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ شَهَادَةِ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ۔

بنیادِ اسلام پانچ اشیا پر ہے۔ گواہی دینا کہ اللہ ایک ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک محمد اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔

جب عبدالقیس کا وفد دربارِ نبوت ﷺ میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا:

اَتَدْرُوْنَ مَا الْاِیْمَانُ بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ قَالُوا اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ شَهَادَةُ

اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ (الحدیث متفق علیہ مشکوٰۃ، صفحہ:13)

ترجمہ: کیا تمھیں علم ہے کہ اللہ واحد کے ساتھ ایمان کیا ہے۔ انھوں نے عرض کی: اللہ اور اس کے رسول بہتر جاننے والے ہیں۔ فرمایا: گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں اور بے شک محمد اللہ کے رسول ہیں۔

اس سے یہ بات اظہر من الشمس ہوگئی کہ توحید باری تعالیٰ اور اس کے ساتھ رسول پاک کو ماننے کا نام ایمان ہے۔ اس طرح کا مطلب ایمان کی تعریف کرنے والے علمائے کرام کا ہے۔

اِعْلَمْ اَنَّ الْاِیْمَانَ فِی الشَّرْعِ هُوَ التَّصْدِیْقُ بِمَا جَآءَ بِهِ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ۔

تو جان کہ ایمان شرعی یہ ہے کہ تصدیق کرنا ہر اُس بات کی جو رسولِ اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے۔

اللہ پر ایمان لانے کا مطلب

اللہ پر ایمان لانے کے لیے درج ذیل اُمور کا دلی تصدیق کے ساتھ ماننا لازم ہے۔ اللہ واحد ہے۔ اس کی ذات و صفات میں، افعال و احکام میں اور اسما میں اس کا کوئی ہمسر نہیں۔ کائنات کی بقا کے لیے اس کے وجود کا ماننا ضروری ہے۔ اگر وہ نہ ہوتا تو یہ کائنات ہی نہ ہوتی۔ وہ اس وقت سے ہے جب دنیا میں ہر طرف پانی ہی پانی تھا۔ سورج، چاند، ستارے، ارض و سما کے ظہور سے بھی قبل وہ موجود تھا اور ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔ معبودیت اسی کو زیب دیتی ہے۔ اس کو کسی سے کوئی حاجت نہیں بلکہ وہ کُل کائنات کا حاجت روا ہے۔ سارا جہاں اُس کا گدا ہے۔ اس سے اپنی حاجتیں برآنے کے لیے امید رکھتا ہے۔ اس کی ذات بڑی اسرار و رموز کی خزانہ ہے۔ اس کی ذات بے شمار اوصاف کی حامل ہے۔ اس کے کمالات ایسے ہیں کہ عقلِ جن کا احاطہ نہیں کر سکتی۔ البتہ! وہ اپنی کمالِ مہربانی سے اپنی صفات کے متعلق پتہ دیتا ہے۔ جو اِن صفات کو اپنا لے تو اللہ کا مقرب ہو جاتا ہے۔ عام لوگوں کی طرح اس کا کوئی خاندان نہیں۔ اس کا بھائی، باپ، بیٹا، بیٹی، بیوی اور بہن نہیں۔ اور نہ ہی وہ کسی کا بھائی،

باپ، بیٹا، بیوی اور بہن ہے۔ وہ حی وقیوم ہے اور کارخانۂ عالم کو زندہ اور قائم رکھنے والا ہے۔ وہ جب چاہے اور جس کی چاہے، جس طرح چاہے جان قبض کرسکتا ہے۔ دنیا کے تمام افعال سر انجام دینا اس کے اشارے میں پنہاں ہے۔ یہ خوبی، یہ وصف اور یہ کمال، اس کی ذات میں موجود ہیں۔ اس میں کوئی عیب نہیں، وہ پاک ہے۔ قدرت، سننا، دیکھنا، کلام، علم اس کی ذاتی صفات ہیں۔ ان میں کسی دوسرے کا کوئی دخل نہیں۔ وہ عالم الغیب ہے۔ دنیا جہان کے ہر قسم کے علوم سے واقف ہے۔ ہر شے کی مالیت اس پر عیاں ہے۔ وہ خالق ہے، رزاق ہے، ستار ہے، غفار ہے، رحیم ہے، غفور ہے، قہر وغضب فرمانے والا ہے۔ نہ اس کو نیند آتی ہے اور نہ اونگھ کی حاجت محسوس ہوتی ہے۔ زمین وآسمان کی ہر شے کا مالک صرف اور صرف وہی ہے۔ جس کو چاہے وہ ذلت دے اور جس کو چاہے عزت بخش دے، وہ ہر شے پر قادرِ مطلق ہے۔

عقائد متعلقہ نبوت

اللہ تبارک وتعالیٰ نے دنیا کی فلاح وبہبود کے لیے، دنیا کو سنوارنے کے لیے، انسان کو آدابِ خدا آگاہی سکھانے کے لیے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر مبعوث فرمائے۔ دنیا میں اللہ کے پیغام کو لے کر جو لوگ مبعوث ہوئے، وہ پیغمبر اور نبی کہلائے۔ نبی اس بشر کو کہتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ بندوں کی ہدایت کے لیے بھیجے۔ آج سے 1400 برس قبل ہدایت دنیا کی تکمیل کامل ہوگئی۔ اس لیے اب قیامت تک کوئی نبی نہیں آئے گا۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیائے کرام دنیا کی ہدایت کے لیے تشریف لاتے رہے اور آخر میں جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث فرمائے گئے۔ اللہ کے تمام پیغمبر سچے اور برحق ہیں۔ ان میں سے سب دوسرے لوگوں سے اپنی بزرگی کی بدولت افضل واعلیٰ ہیں۔ تاہم ان میں سے کوئی اللہ کا بیٹا اور بھائی نہ تھا۔ سب پیغمبر قابلِ تکریم ہیں، لیکن ان سب پیغمبر میں جو فضیلت حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوئی وہ کسی دوسرے کے حصے میں نہ آئی۔ تمام انبیا ایک خاص طبقے کی رشد وہدایت کے لیے مبعوث ہوئے، مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی ساری مخلوق، انسان وجن، ملائکہ، حیوانات، جمادات، نباتات، غرض کہ کائنات کی ہر شے کی طرف مبعوث فرمائے گئے تاکہ کوئی بھی خلق

رحمتِ عالم کی مہربانی سے محروم نہ رہ جائے۔ ساری دنیا کے انسانوں پر لازم ہے کہ وہ اطاعت میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کریں۔ نبی کریم تمام عالم کے لیے رحمت بن کر تشریف لائے۔

حکایت: زمانۂ نبوی میں صحابۂ کرام کو آپ سے بے حد عقیدت تھی، ہونا ہی تھی، مگر حیوانات وجمادات بھی آپ کے دیدار کے مشتاق رہتے تھے۔ آپ کی تبلیغ سے تنگ آکر جب کفارِ مکہ نے آپ کو نعوذ باللہ قتل کرنے کا پروگرام بنایا تو آپ خداوند کریم کے حکم سے مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ کے لیے روانہ ہوگئے۔ حضرت ابوبکر صدیق آپ کے ہمراہ تھے۔ راستے میں غارِ ثور میں ٹھہرے۔ غار میں بے پناہ سوراخ تھے۔ ابوبکر صدیق نے وہ سب پُر کرڈالے۔ آخر میں ایک سوراخ بچا۔ اُس پر ایڑی مبارک رکھی اور اپنے زانو پر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا سرِ اقدس رکھ لیا تاکہ وہ آرام کریں۔ تھوڑی دیر گزری کہ آپ کی ایڑی پر ایک سانپ نے ڈنک مارا، مگر حفاظتِ یار کے خیال سے ابوبکر صدیق نے سوراخ سے پاؤں نہ ہٹایا۔ شدتِ تکلیف سے صدیق اکبر کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ جب آنسو حضور پرنور کے رخسارِ درخشندہ پر گرے تو آپ نے آنکھیں کھول دیں اور فرمایا صدیق کیوں روتا ہے؟ عرض کی: یارسول اللہ! سانپ ایڑی پر ڈنک مار رہا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایڑی ہٹانے کا حکم دیا۔ ابوبکر صدیق نے ایڑی ہٹائی۔ سوراخ سے سانپ نکلا اور حضور کا طواف کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈنک مارنے کے متعلق سوال کیا۔ سانپ عرض پرداز ہوا: یارسول اللہ! میری کیا مجال کہ جناب کے یار کو ڈنک ماروں۔ یارسول اللہ! عرصے سے میں نے دعا مانگی تھی کہ مجھے اس وقت تک موت نہ آئے جب تک میں آپ کی زیارت نہ کرلوں۔ آج آپ غریب خانے پر تشریف لائے تو آپ کے دست نے تمام سوراخ بند کردیے تھے اور ایک بچا۔ اس پر اپنی ایڑی رکھ کر بیٹھ گئے، اس لیے یارسول اللہ! مجبوراً مجھے ایسا کرنا پڑا۔ اگر ایسا نہ کرتا تو آپ کا دیدار کیوں کر حاصل کرپاتا۔ اب میری موت کا وقت قریب ہے، کیونکہ میں نے آپ کی زیارت کرلی ہے۔ یہ کہا اور اپنی جان، جانِ آفریں کے سپرد کردی۔

سبحان اللہ! وہ سانپ فقط آپ کی زیارت کے لیے زندہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب

پر نبوت کا اختتام کر دیا۔ ان کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ اگر کوئی زمانۂ حضور میں یا بعد میں کسی کو نبوت کا مستحق جانے تو وہ کافر ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: اَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ وَلَا نَبِيَّ بَعْدِيْ۔ میں آخری نبی ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

اللہ تعالیٰ کے علاوہ اس ساری کائنات میں حضور ﷺ کا کوئی تمثیل و مماثل نہیں۔ کسی کی مثل ان کے برابر نہیں دی جاسکتی۔

حضور ﷺ کو اللہ جل شانہ نے مرتبۂ محبوبیت سے نوازا۔ ساری کائنات اللہ کی رضا چاہتی ہے، مگر اللہ تعالیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کی رضا چاہتا ہے، بقول شاعر: ؎

خدا کی رضا چاہتے ہیں دوعالم
خدا چاہتا ہے رضائے محمد

حضور ﷺ صاحب معراج ہیں۔ رات کے قلیل عرصے میں آپ مسجدِ حرام سے مسجد اقصیٰ تک گئے اور وہاں سے رفعت ہفت افلاک اور بالائے عرش و کرسی تشریف لے گئے۔ آپ نے خداوند کریم کو بچشم سر دیکھا اور بلا واسطہ کلام کیا۔

حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی دیدارِ الٰہی کیا تھا، مگر ایک تو درمیان میں کوہِ طور تھا اور دوسرے آپ تاب نہ لاکر بے ہوش ہوگئے۔ حضرت موسیٰ بھی اللہ سے ہم کلام ہوا کرتے تھے، مگر درمیان میں حجاب کوہِ طور ہوتا تھا، مگر جب حضور ﷺ کی باری آئی تو تمام حجابات اُٹھ گئے۔ راہ میں کوئی چیز حائل نہ رہی۔ بالمشافہ دیدار و کلام ہوا۔

یہ دنیا فانی ہے، اس کی ہر شے فانی ہے۔ انسان اپنی چند روزہ زندگی گزار کر قبر میں چلا جاتا ہے۔ ایک دن ایسا آئے گا جب تمام مردے دوبارہ زندہ کیے جائیں گے اور ان سے ان کی زندگی کے معمولات، افکار و اعمال کا حساب لیا جائے گا۔ اس روز کو قیامت کہتے ہیں۔

قیامت کے دن سہرۂ شفاعت حضور ﷺ کے سر باندھا جائے گا۔ آپ جب تک کسی کی شفاعت نہ کریں گے وہ بخشا نہیں جائے گا۔ اللہ کی ساری مخلوق میں شفیع ہونے کا اعزاز صرف اور صرف حضرت محمد رسول ﷺ کو حاصل ہے۔ ان کی شفاعت کافر، مومن، بچے، بوڑھے، نیک اور عاصی سب کے لیے ہے۔ قیامت کے دن سبھی آپ کے چہرۂ اقدس کی تجلیاں دیکھ کر

گھبرا رہے ہوں گے اور آپ کی حمد بیان کر رہے ہوں گے۔ اسی اعزاز اور مرتبہ کو مقام محمود کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ نبی کریم شفاعت کرنے کے لیے کسی امتیاز کا کوئی لحاظ نہیں کریں گے۔ ہزارہا لوگ ایسے ہوں گے، جن پر دوزخ لازم ہوچکی ہوگی، وہ بھی آپ کی شفاعت سے جنت میں داخل ہوجائیں گے۔ ہزارہا کو بلا حساب نوید جنت سنائی جائے گی۔

ایمان کی اصل محبت رسول ہی ہے۔ اس وقت تک کوئی شخص سچا مسلمان نہیں بن سکتا، جب تک کہ اس کو حضور کی ذات، ماں، باپ اور کائنات کی ساری اشیا سے محبوب نہ ہوجائے۔ اللہ کی توحید پر یقین کرنے کے بعد نبی کریم کی تعظیم ہر چیز سے زیادہ مقدم ہے۔ آدمی اگر نماز میں کھڑا ہے اور نماز ہی میں حضور سے شرفِ ملاقات حاصل کرے اور خواہ کتنی ہی دیر خدمت میں حاضر رہے، اس سے نماز میں کوئی فرق نہ آنے پائے گا۔ نبی کریم کی تعظیم کائنات کی ہر شے سے مقدم ہے۔

حدیث شریف میں ہے: ایک مرتبہ حضور ﷺ اپنے رفقا کے ساتھ غزوۂ خیبر سے واپس تشریف لا رہے تھے۔ نبی کریم ﷺ اگلے قافلے میں تھے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ پچھلے قافلے میں۔ انھوں نے اس خیال سے نماز ادا نہ کی کہ اگلے قافلے میں جاکر حضور ﷺ کے ساتھ نماز ادا کریں گے۔ اس قافلے میں آئے تو حضور نماز ادا کرچکے تھے اور آرام فرمانا چاہتے تھے۔ حضرت علی نے اپنے محبوب کے آرام کے لیے اپنا زانوئے مبارک بطور تکیہ پیش کر دیا۔ زانوئے علی پر سرِ رسول اللہ تھا اور رسول اللہ آرام فرما رہے تھے۔ وقت گزرتا گیا یہاں تک کہ سورج مغرب میں روپوش ہونے کی تیاری کرنے لگا۔ ڈوبتے سورج کو دیکھ کر حضرت علی کو اپنی نماز قضا ہونے کا خیال آیا اور آنکھوں میں آنسو بہنے لگے۔ گرم گرم آنسو جب حضور کے رخسارِ تابدار پر گرے تو آپ نے نگاہیں کھول دیں اور حضرت علی سے رونے کا سبب پوچھا: حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! فداک اُمّی و ابی، نمازِ عصر قضا ہو رہی تھی، اس لیے میری آنکھوں میں آنسو آگئے۔ نبی کریم نے یہ سن کر اللہ سے عرض کی: یا اللہ! تیرا یہ اُصول ہے کہ ایک مرتبہ سورج غرب کرنے کے بعد رات ڈھلنے کے بعد طلوع کرتا ہے، مگر یا اللہ! آج اپنے اس اُصول میں لچک پیدا فرما اور سورج کو لوٹا دے۔

یہ کہہ کر آپ نے سورج کو اشارہ کیا۔ سورج دوبارہ پلٹ آیا۔ مقام عصر پر آ گیا۔ حضرت علی نے نمازِ عصر ادا کی اور پھر سورج غروب ہو گیا۔

سبحان اللہ! سبحان اللہ! حضرت علی چاہتے تو پہلے ہی حضور کو بیدار کر سکتے تھے، مگر انھوں نے اپنی نماز بھی حضور ﷺ کی نیند پر قربان کر دی۔

نبی کریم ﷺ کی عظمت، توقیر، وقار اُس وقت کی طرح جب کہ وہ ظاہری نگاہوں کے سامنے جلوہ فرماتے تھے، اب بھی لازمی ہے کہ حضور کا نام محمد یا احمد آئے تو ہم کو صلی اللہ علیہ وسلم کہنا چاہیے، کیونکہ اس کے بغیر ہماری نجات ممکن نہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم وعظ کے لیے مسجد میں تشریف لے گئے۔ منبر کی سیڑھیوں پر قدم رکھتے ہوئے آپ نے تین مرتبہ آمین کہا۔ وعظ ختم ہونے کے بعد صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! آج آپ نے خلافِ توقع تین مرتبہ آمین کیوں فرمایا؟ آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ جب مَیں نے پہلی سیڑھی پر قدم رکھا تو جبرائیل میرے پاس تشریف لائے اور کہا کہ وہ ہلاک ہو جائے جو والدین کا حکم نہ مانے۔ میں نے کہا: آمین، دوسری سیڑھی پر قدم رکھا تو جبریل نے عرض کی کہ ہلاک ہو جائے وہ شخص جو رمضان شریف آئے اور روزے نہ رکھے۔ میں نے کہا: آمین، تیسری سیڑھی پر قدم رکھا تو جبرئیل نے عرض کی کہ وہ شخص ہلاک ہو جائے جو آپ ﷺ کا نام نامی سنے اور درود شریف نہ پڑھے۔

اس لیے ہم سب کو چاہیے کہ آپ ﷺ کا نام آتے ہی درود شریف پڑھا کریں تا کہ ہماری نجات کا سامان ہو جائے۔

□□□

پانچواں وعظ

کلمہ کی فضیلت (پہلا وعظ)

اسلام کی بنیاد پانچ ستونوں پر رکھی گئی:

(1) کلمہ (2) نماز (3) روزہ (4) زکوٰۃ (5) حج۔

اسلام لانے کے لیے ان میں سب سے پہلی ضروری اور اہم چیز کلمۂ طیبہ ہے۔ زبان سے پڑھنے اور دل سے یقین کرنے پر ہی کوئی شخص دائرۂ اسلام میں داخل ہو سکتا ہے۔ کلمۂ طیبہ کے بے شمار فائدے ہیں۔

مشکوٰۃ، صفحہ: 14 پر مرقوم ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ رسالت مآب اور معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہاڑ پر تشریف فرما تھے۔ نبی کریم نے تین مرتبہ معاذ رضی اللہ عنہ کو آزاد دی۔ انھوں نے تین مرتبہ یوں جواب دیا: **لبیک و سعدیک یا رسول اللہ۔** رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص دل سے یہ شہادت دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، تو اللہ اس شخص پر آگ کو حرام قرار دے دیتا ہے۔ معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! کیا میں لوگوں کو خبر نہ دے دوں۔ فرمایا: اس وقت وہ سست ہو جائیں گے اور عمل نہ کریں گے۔ پس معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے گناہ سے بچنے کے لیے بوقتِ مرگ یہ خبر دی، کیونکہ علم کا چھپانا بھی گناہ ہے۔

المجالس السنیہ، صفحہ: 20 اور نزہۃ المجالس، جلد اوّل، صفحہ: 21 پر ایک حکایت درج ہے کہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص میدانِ عرفات میں کھڑا تھا۔ اس نے ہاتھ میں سات پتھر لے کر کہا: اے پتھرو! گواہ ہو جاؤ کہ **اِنِّیْ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔**

یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد، اللہ کے رسول ہیں۔ اس

رات جب وہ سوگیا تو کیا دیکھتا ہے کہ قیامت قائم ہوگئی ہے۔ حساب کتاب لیا جا رہا ہے۔ کچھ دیر کے بعد اس کی باری بھی آئی۔ اس کا حساب لیا گیا۔ فیل ہونے کی بنا پر وہ نارِ جہنم کا مستحق قرار پایا۔ فرشتے اس کو گرفتار کر کے جہنم کی طرف روانہ ہو گئے اور جہنم کے ایک دروازے پر آگئے تو ان سات پتھروں میں سے ایک پتھر اس دروازے پر گر پڑتا ہے اور راستہ مسدود ہو جاتا ہے۔ عذاب کے فرشتے اس پتھر کو اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں، مگر پتھر ذرا بھی نہیں ہٹا۔ دوسرے اور تیسرے حتیٰ کہ ساتوں دروازوں پر یہی واقعہ پیش آیا۔ فرشتے اس کو عرش پر لے آتے ہیں۔ تو خداوند کریم ارشاد فرماتا ہے کہ: اے بندے! تو نے پتھروں کو گواہ بنایا تھا۔ پتھروں نے تیرا حق ضائع نہیں کیا۔ اے میرے بندے! مَیں خود ہی تیری شہادتِ توحید اور شہادتِ رسالت کی گواہی دیتا ہوں۔ اور صلے میں تجھے جنت کا حقدار قرار دیتا ہوں۔ جب وہ شخص جنت کے دروازوں پر پہنچا تو جنت کے دروازے بند تھے۔ اتنے میں لا الہ الا اللہ کی صدا آئی اور جنت کے در کھل گئے اور وہ شخص جنت میں داخل ہو گیا۔

نزہۃ المجالس، صفحہ:12 پر ایک اور حدیث مرقوم ہے: قَالَ بَعْضُ الصَّحَابَةِ مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ مَدَّهَا لِلتَّعْظِيْمِ كَفَّرَ اللّٰهُ بِهَا عَنْهُ اَرْبَعَةَ اٰلَافِ ذَنْبٍ مِنَ الْكَبَائِرِ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ عَلَيْهِ اَرْبَعَةُ اٰلَافِ ذَنْبٍ مِّنَ الْكَبَائِرِ كَفَّرَ اللّٰهُ عَنْ اَهْلِهٖ وَ جِيْرَانِهٖ۔

ترجمہ: بعض صحابہ کرام نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص دل سے لا الہ الا اللہ پڑھے اور اس کے ادب کی خاطر اسے عبا کر کے یعنی ترنم سے پڑھے تو اس کی برکت سے اس کے چار ہزار گناہِ کبیرہ معاف ہو جاتے ہیں اور اگر چار ہزار سے کم ہوں تو اللہ تعالیٰ اس کے ہمسائے کے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔

کشف الغمہ، جلد اوّل: صفحہ:365 پر ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ مَدَّهَا هُدِّمَتْ لَهٗ اَرْبَعَةُ اٰلَافِ ذَنْبٍ مِّنَ الْكَبَائِرِ

یعنی جس نے لا الہ اللہ ترنم سے پڑھا، اس کے چار ہزار کبیرہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

حکایت: نزہۃ المجالس، جلد اوّل، صفحہ:12 پر ایک حکایت درج ہے کہ حضرت موسیٰ علیٰ نبینا

وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانۂ اقدس میں ایک شخص نے اپنے زندگی کے 480 سال اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور عصیاں میں گزار دیے۔ اللہ کی رحمت کو اس کے حال پر ترس آیا۔ وہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ لا الہ الا اللہ موسیٰ رسول اللہ پڑھا۔ یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ایک ہے اور موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ کے رسول ہیں۔ اُس وقت جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام حاضرِ خدمت ہوئے اور عرض کی: یا موسیٰ نبی اللہ! اس کلمے کی برکت سے اللہ نے اس کے 480 سال کے گناہ بخش دیے، اس لیے کہ لا الہ الا اللہ موسیٰ رسول اللہ کے چوبیس حروف ہیں اور ہر حرف کے بدلے بیس سال کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور حضرت محمد ﷺ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے افضل ہیں۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنے سے ہر حرف کے بدلے 70 سال کے گناہ معاف ہو جائیں۔ اگر کوئی کافر دل سے اس کلمے کو پڑھے تو اس کے سابقہ گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔

(رواہ ترمذی و ابن ماجہ)

مشکوٰۃ شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بے شک قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایک ایسے اُمتی کو نکالے گا، جس کی برائیوں کے ننانوے دفاتر ہوں گے۔ ہر دفتر کی لمبائی حدِ نظر تک ہوگی۔ اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا کہ تجھے اپنی کسی برائی سے انکار ہے، وہ عرض کرے گا نہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ اس سے کوئی عذر طلب کرے گا، مگر وہ عذر پیش کرنے سے معذور ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا ہم تم پر ظلم نہیں کریں گے۔ تمہاری ایک نیکی ہمارے پاس ہے۔ اُس نیکی سے تمہارے گناہوں کا موازنہ کیا جائے گا۔ یہ کہہ کر خداوند کریم ایک کاغذ کا پرزہ نکالے گا، جس پر تحریر ہوگا: اشھد ان لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ ترازو کے ایک پلڑے میں گناہوں کے دفتر اور دوسرے میں وہ کاغذ کا پرزہ رکھ دیا جائے گا اور اس آدمی کو بلایا جائے گا کہ اپنے اعمال کے اوزان پر حاضر ہو۔ یہ دیکھ کر وہ حیران ہوگا کہ اس کی برائیوں کا پلڑا نیکیوں کے پلڑے کے مقابلے میں کم وزن ہے۔ عرض کرے گا: یا باری تعالیٰ! اتنے گناہوں کے سامنے ایک کاغذ کے پرزے کی کیا حیثیت ہے؟ ارشاد ہوگا: اس کاغذ کے پرزے پر کلمۂ طیبہ لکھا ہے اور کلمۂ طیبہ سے بھاری کوئی چیز نہیں۔ (کشف الغمہ، جلد اوّل، صفحہ:265)

حکایت: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ نے اللہ سے عرض کی کہ یا باری تعالیٰ! مجھے کوئی ایسا وظیفہ بتادے کہ اس سے میں تجھے یاد کیا کروں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لاالٰہ الا اللہ پڑھا کرو۔ عرض کی: باری تعالیٰ! تیرے سارے بندے لا الٰہ الا اللہ پڑھتے ہیں۔ ارشاد ہوا: لاالٰہ الا اللہ پڑھا کرو۔ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عرض کی: مجھے کوئی ایسا وظیفہ بتایئے جو صرف میرے لیے خاص طور پر مخصوص ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

يَامُوْسٰى لَوْ اَنَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعَ وَالْاَرَضِيْنَ السَّبْعَ فِيْ كَفَّةٍ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فِيْ كَفَّةٍ مَالَتْ بِسْمِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۞

ترجمہ: اے موسیٰ! اگر ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں ایک پلڑے میں اور لا الٰہ الا اللہ دوسرے پلڑے میں رکھا جائے تو لا الٰہ الا اللہ والا پلڑا جھک جائے گا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ کا اسم جلالت کائنات کی ساری شے سے بھاری ہے۔

کشف الغمہ، جلد اوّل، صفحہ: 21 پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ایک ارشاد نقل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ جس نے لا الٰہ الا اللہ کہا وہ جنت میں داخل ہوگا۔

حکایت: نزہۃ المجالس، جلد اوّل، صفحہ: 17 پر ایک حکایت درج ہے کہ ولایتِ ہند میں ایک ہندو رہتا تھا جو سالہا سال سے بتوں کی پوجا کررہا تھا۔ ایک مرتبہ زمانے کی ستم ظریفیوں نے اسے ایک مشکل میں اُلجھادیا۔ اس نے مشکل حل کرنے کی بہتیری کوشش کی، مگر کامیاب نہ ہوا۔ اس کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ سالہا سال جس بت کی پرستش کی ہے، اس سے اپنی مراد مانگوں۔ اس نے بت کے سامنے اپنی مشکل بیان کی اور مراد مانگی، مگر بت نے اس کی ایک نہ سنی۔ سن بھی کیسے سکتا تھا؟ جب کہ خود تراشیدہ پتھر تھا۔ وہ شخص بت سے ناامید ہوگیا۔ اس نے سوچا کہ مسلمان ایک اللہ کو مانتے ہیں۔ مَیں بھی اس سے رجوع کرکے دیکھوں۔ چنانچہ اس نے نگاہِ شرمسار آسمان کی جانب اٹھائی اور بلند آواز سے کہا: یاصمد! فضا میں کڑکا ہوا، بجلی چمکی، نور کا ہالہ فلک پر چھایا اور ندا آئی: لبیك یاعبدی! اے میرے بندے میں موجود ہوں۔ مانگ جو مانگنا ہے۔ تیری ہر حاجت پوری کی جائے گی۔ فرشتوں نے خدائے واحد کی اتنی نظرِ شفقت دیکھی تو پوچھا: وہ شخص مدت ہائے مد[ید تک بت] کی پوجا کرتا رہا، مگر اس نے کوئی بات نہ سنی۔

جب کہ تجھے ایک مرتبہ پکارا ہے تو تو نے جواب دے دیا۔ خداوند نے فرمایا: اگر میں بھی اُس بت کی طرح جواب نہ دوں تو پھر جھوٹے اور سچے خدا میں فرق ہی کیا رہ جائے گا۔ اس شخص نے جب یہ ماجرا دیکھا تو فوراً کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوگیا۔

حکایت: خداوند عظیم نے حضرت آدم علیہ السلام کو شجرِ ممنوعہ کا پھل کھانے کی پاداش میں جنت سے نکال دیا اور زمین پر بھیج دیا۔ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام مدتِ دراز تک رو رو کر اللہ سے معافی طلب کرتے رہے، مگر معافی نہ ملی۔ ایک دن روتے ہوئے عرض کی یا اللہ! تجھے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا واسطہ مجھے معاف کردے۔ محمد رسول اللہ کا واسطہ سُن کر اللہ نے حضرت آدم کو مغفرت کی نوید سنائی۔ کلمے کی فضیلت سے اللہ نے حضرت آدم کی توبہ قبول کی۔ کلمہ شریف کے بے شمار فوائد ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ:

اَفْضَلُ الذِّكْرِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَفْضَلُ الدُّعَاءِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ۞

یعنی سب سے افضل ذکر لا الٰہ الا اللہ ہے اور سب سے افضل دعا الحمد للہ ہے۔

انسان کو اللہ کی یاد سے ایک لحظہ کے لیے بھی غافل نہیں ہونا چاہیے اور اس کا ذکر کرنے کا سب سے بہترین ذریعہ لا الٰہ الا اللہ کہنا ہے۔

□□□

چھٹا وعظ

کلمہ شریف کی فضیلت (دوسرا وعظ)

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ؕ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؕ

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا ۙ یُّصْلِحْ لَکُمْ اَعْمَالَکُمْ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ ؕ (سورۃ الاحزاب)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سیدھی بات کہو۔ وہ تمہارے اعمال تمہارے لیے سنوار دے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔

بعض مفسرین کے نزدیک قولاً سدیدًا سے مراد لا الہ الا اللہ کہنا ہے۔ یعنی لا الہ الا اللہ کہنے سے اعمال میں حسن پیدا ہو جاتا ہے اور خداوند عظیم اپنی رحمت سے ہمارے گناہ معاف فرما دیتا ہے۔ گویا لا الہ الا اللہ بہترین اور بے مثل کلمہ ہے، جس سے ہم دنیا و آخرت کی کامیابیاں حاصل کر سکتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَیُّهَا النَّاسُ قُوْلُوْا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوْا ۰ (کشف الغمہ: جلد اوّل صفحہ: 21)

مجالسِ سنیہ، صفحہ: 30 پر اس کا ترجمہ یوں نقل ہے کہ اے لوگو! لا الہ الا اللہ کہو تو کامیاب ہو جاؤ گے۔

مندرجہ بالا آیت و حدیث اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ کلمہ شریف دنیا جہاں کی کامیابیوں اور کامرانیوں کی کلید ہے۔

حکایت: نزہۃ المجالس، جلد اوّل، صفحہ: 16 پر مرقوم ہے کہ شیخ جنید بغدادی فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ فریضۂ حج ادا کرنے کے لیے میں گھر سے نکل کھڑا ہوا اور اپنی سواری کو قبلہ رخ دوڑانا شروع کیا۔ مگر میری سواری ولایت روم کے ایک شہر قسطنطنیہ کی جانب چل پڑی۔ میں نے اسے کعبہ معظّمہ کی جانب لے جانے کی بڑی کوشش کی، مگر وہ قسطنطنیہ کی جانب بڑھتی رہی۔

یہاں تک کہ میں قسطنطنیہ پہنچ گیا۔ وہاں لوگوں کے ایک جم غفیر پر نظر پڑی جو ایک دوسرے سے محوِ کلام تھے۔ میں نے بعض لوگوں سے صورت حال معلوم کی تو انھوں نے جواب دیا کہ ہمارے بادشاہ کی لڑکی پر دیوانگی کا دورہ پڑا ہے اور کسی طبیب کی تلاش کی جا رہی ہے۔ میں نے کہا کہ میں اس لڑکی کا علاج کروں گا۔ وہ لوگ مجھے شاہی محل میں لے گئے۔ جب میں دروازے کے قریب پہنچا تو اندر سے آواز آئی۔ اے جنید! رحمۃ اللہ علیہ، تو اپنی سواری کو کب تک ہماری طرف آنے سے روکتا رہے گا، جب کہ وہ تجھے ہماری طرف بلا رہی ہے۔ جب میں نے اندر قدم رکھا تو ایک حسینہ و جمیلہ خاتون کے سراپا پر نظر پڑی جو کہ پابہ زنجیر تھی۔ اس خاتون نے مجھ سے کہا: حضرت! میرے واسطے کوئی دوا تجویز فرمائیں جس سے میں صحت یاب ہو جاؤں اور میری دیوانگی جاتی رہے۔ میں نے اس سے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنے کو کہا۔ اس نے باآواز بلند کلمہ شریف پڑھا۔ پڑھتے ہی زنجیر ٹوٹ کر گر پڑی۔ بادشاہ بڑا حیران ہوا اور کہنے لگا: واللہ! کتنا پیارا اور کامیاب حکیم ہے کہ ایک پل میں میری لڑکی کی بیماری دور کر کے اسے اچھا کر دیا۔ میں نے بادشاہ سے کہا: تم بھی کلمہ شریف پڑھو (تمہارے دل سے کفر کی بیماری ختم ہو جائے گی) اس نے کلمہ شریف پڑھا اور مسلمان ہو گیا۔ کلمہ شریف کا یہ کمال دیکھ کر بہت سے لوگ کثیر تعداد میں حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

حکایت: نزہۃ المجالس، صفحہ: 15,14 پر ایک حکایت یوں درج ہے کہ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک حواری تبلیغ کے واسطے بادشاہ کے پاس جا رہے تھے۔ راستے میں ان کو ایک جگہ چند لڑکے کھیلتے ہوئے نظر آئے۔ ان لڑکوں میں وزیر کا لڑکا بھی شامل تھا۔ اس نے حواری کو پہچان لیا اور اپنے ساتھ گھر لے گیا۔ لڑکے کے باپ یعنی وزیر نے حواری کی بڑی آؤ بھگت کی اور ان کے سامنے کھانا رکھ دیا کہ تناول فرمائیں۔ کھانا شروع ہوا تو شیطان اپنی عادت سے مجبور ہو کر کھانے میں شریک ہو گیا۔ حواری نے پڑھا: بسم اللہ الرحمن الرحیم تو شیطان وہاں سے بھاگ گیا۔ وزیر نے حواری کے متعلق استفسار کیا تو انھوں نے جواب میں فرمایا: میں عیسیٰ نبینا علیہ والصلوٰۃ والسلام کا حواری ہوں اور آپ کے پاس اسی لیے آیا ہوں کہ تم کو سچے خدا کی طرف بلاؤں اور بت پرستی چھڑا دوں۔ یہ سن کر وزیر

حضرت عیسیٰ کی رسالت اور خدا کی توحید پر ایمان لے آیا۔ کچھ دنوں کے بعد وزیر نے آپ سے عرض کی کہ ہمارے بادشاہ کا اسپ فوت ہوگیا ہے۔ حواری نے کہا کہ اگر بادشاہ حضرت عیسیٰ کی رسالت اور اللہ کی توحید پر ایمان لے آئے تو اس کا گھوڑا زندہ ہوجائے گا۔ وزیر نے یہ قصہ بادشاہ کے گوشِ گزار کردیا۔ بادشاہ راضی ہوگیا اور حضرت عیسیٰ کی رسالت اور اللہ کی توحید پر ایمان لے آیا۔ وزیر، حواری کو لے کر بادشاہ کے محل میں گیا۔ حواری نے بادشاہ سے کہا کہ تم گھوڑے کا ایک عضو پکڑلو۔ اس طرح دوسرا عضو تمہارا باپ پکڑے، تیسرا عضو تمہارا بیٹا اور چوتھا عضو تمہاری بیوی پکڑلے اور پھر سب مل کر کہیں لا الٰہ الا اللہ۔ چنانچہ سب نے ایک ایک عضو پکڑا اور بآوازِ بلند پڑھا لا الٰہ الا اللہ۔ ہر ایک عضو حرکت کرنے لگا یہاں تک کہ گھوڑا اللہ کے حکم سے زندہ ہو کر اُٹھ بیٹھا۔

حکایت: مجالسِ سنیہ، صفحہ:30 پر محدث بیہقی نے بکر بن عبد اللہ مزنی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ ایک قوم پر بڑا ظالم وجابر اور بت پرست بادشاہ حکمراں تھا۔ عوام اس سے سخت نالاں ہوگئے اور اس کے خلاف بغاوت کر کے اس کو زندہ گرفتار کرلیا۔ عوام نے ایک دوسرے سے مشورہ کیا کہ اس ظالم کو کس طریقے سے ہلاک کیا جائے۔ مختلف تجویزیں مقرر ہوئیں، مگر کوئی بھی تجویز معقول نہ تھی۔ آخر کار یہ طے پایا کہ اس ظالم کو ایک تانبے کے برتن میں ڈال دیا جائے۔ برتن کو چولھے پر چڑھا کر نیچے سے آگ جلادی جائے۔ اس طرح تڑپ تڑپ کر یہ موذی ہلاک ہوجائے گا۔ چنانچہ اس کو برتن میں ڈال کر برتن چولھے پر چڑھا دیا گیا اور نیچے آگ جلانا شروع کردی گئی۔ جب آگ کی تپش اس موذی کو محسوس ہوئی تو اس نے تمام معبودانِ باطل کو مشکل کشائی کے لیے چیخ وپکار کی: اے معبودان! میں سخت مشکل میں ہوں، میری مدد کریں۔ میں ساری زندگی آپ کی خدمت کرتا رہا۔ اس وقت میں سخت مشکل میں ہوں، میری مدد فرمائیں، مگر کوئی بھی اس کی مدد کو نہ آیا اور آتا بھی کیسے؟ کیا انسان کے اپنے ہاتھوں سے تراشے ہوئے بت بھی مدد کے لیے آسکتے تھے۔ مایوس ہو کر اس نے آسمان کی جانب نگاہ اٹھائی اور لا الٰہ الا اللہ پڑھنا شروع کیا۔ لا الٰہ الا اللہ پڑھنے کی برکت سے بارش ہونا شروع ہوگئی، جس سے آگ بجھ گئی۔ ساتھ ہی آندھی اور بادوباراں کا طوفان

شروع ہوگیا۔ آندھی اس شدت کی تھی کہ اس برتن کو اڑا کر لے گئی۔ وہ برتن کئی روز تک زمین وآسمان میں چکر لگاتا رہا۔ پھر قدرتِ الٰہی نے اسے ایسے علاقہ میں ڈال دیا جہاں کے لوگ تصورِ توحید سے ناآشنا تھے اور بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ برتن میں موجود ظالم وجابر بادشاہ بدستور لا الٰہ الا اللہ کا ورد کررہا تھا۔ وہاں کے لوگوں نے اس کو برتن سے نکالا اور اس کا حال پوچھا، اس نے تمام ماجرا کہہ سنایا۔ یہ سن کر لوگوں کو عبرت ہوئی اور سب لا الٰہ الا اللہ پڑھ کر توحید پر ایمان لے آئے۔

مشکوٰۃ، صفحہ:15 پر ہے: عَنْ مَعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَفَاتِيْحُ الْجَنَّةِ شَهَادَةُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔

ترجمہ: معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ لا الٰہ الا اللہ کی گواہی دینا جنت کی کلید ہے۔

یہ حدیث ہمیں بتاتی ہے کہ اگر ہم کلمہ شریف پڑھتے ہوں گے تو ہمارے پاس جنت کی کلید ہوگی، جس سے ہم باب الجنت کھول کر اندر داخل ہوں گے اور اگر بدقسمتی سے کلمہ گو نہ ہوں گے تو جنت میں داخل نہ ہوسکیں گے، کیونکہ جنت کی کلید پاس نہ ہوگی۔

حکایت: نزہۃ المجالس، صفحہ:14 پر ایک حکایت درج ہے کہ حضرت امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت اقدس میں ایک نصرانی شخص حاضری دیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ متواتر سہ روز تک وہ خدمت والا میں حاضر نہ ہوا۔ آپ نے لوگوں سے اس سے متعلق استفسار فرمایا۔ پتہ چلا کہ وہ حالتِ نزع میں ہے۔ امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اُس کے غریب خانہ پر رونق افروز ہوئے اور پوچھا: کیف انت! کیا حال ہے؟ عرض کرنے لگا: کیا عرض کروں عجب حال ہے۔ موت سر پر کھڑی ہے اور کوئی پرسانِ حال نہیں۔ آتشِ جہنم کے شعلے بھڑک رہے ہیں اور بچاؤ کی کوئی صورت نہیں، پل صراط سے گزرنے کی کوئی صورت نظر نہیں آرہی ہے۔ آج عدل کا میزان قائم ہے، مگر میرا دامن نیکی سے تہی ہے۔ ربّ کریم غفور ہے، مگر میرے پاس کوئی حجت اور دلیل اور عذر نہیں، نگاہوں کے سامنے جنت نظر آرہی ہے، مگر اس کو کھولنے کی کلید میرے پاس نہیں ہے۔ یہ سارا قصہ غم سن کر حسن بصری نے فرمایا: مت گھبراؤ، یعنی تمہارے پاس جنت کی کنجی آنے والی ہے۔ یہ فرما کر آپ واپس تشریف لانے لگے تو

نصرانی نے عرض کی: حضرت! آپ تشریف لے جارہے ہیں، حالانکہ جنت کی کنجی میرے پاس آگئی ہے۔ یہ کہہ کر اس نے کلمۂ شہادت اشھدان لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھا اور جاں بحق ہوگیا۔ حضرت امام حسن بصری نے خواب میں اس شخص کو دیکھا اور حال دریافت فرمایا، عرض کرنے لگا: کلمہ شریف کی برکت سے اللہ نے مجھے اعلیٰ جنت میں جگہ عطا فرمائی ہے۔ سبحان اللہ! کلمہ شریف کی کیا شان ہے کہ اس کے پڑھنے سے نصرانی شخص بھی اعلیٰ جنت کا حقدار بن گیا۔

اسی کتاب میں ذرا آگے چل کر صفحہ:18 پر ایک اور حکایت مرقوم ہے کہ ایک مرتبہ ایک بزرگ لڑائی میں تشریف لے گئے، مگر چلتے چلتے راستہ بھول گئے اور ایک پہاڑ پر جا نکلے۔ پہاڑ پر نصرانیوں کا جم غفیر دیکھا، جن کے درمیان ایک کرسی خالی پڑی تھی۔ بزرگ نے نصرانیوں سے کرسی خالی ہونے کا مطلب پوچھا۔ نصرانیوں نے جواب دیا: ہمارا پادری ہے جو سارے سال میں صرف ایک مرتبہ اس جگہ تشریف لاتا ہے اور ہمیں وعظ سناتا ہے۔ یہ کرسی اسی کے لیے پڑی ہے۔ بزرگ بھی نصرانیوں کے درمیان تشریف فرما ہوگئے۔ اتنے میں پادری بھی آگیا اور کرسی پر بیٹھ کر لوگوں سے مخاطب ہوا۔ آج میں تم کو وعظ نہیں سناؤں گا۔ کیونکہ تمہارے درمیان اُمتِ محمدیہ کا ایک بزرگ موجود ہے۔ پادری نے کہا: اے بزرگ! تجھے اپنے رب کی قسم! تو کھڑا ہو جا تاکہ ہم تیرا دیدار کرسکیں۔ محمدی بزرگ کھڑے ہوگئے۔ پادری نے کہا: میں آپ سے چند سوالات کرنا چاہتا ہوں۔ براہ کرم جواب عنایت فرمائیں۔ محمدی بزرگ نے جواب دیا، بسروچشم۔ پادری کہنے لگا: اللہ نے جنت کو پھلوں سے مزین کیا ہے، کیا ان پھلوں جیسے پھل دنیا میں پیدا فرمائے ہیں۔ بزرگ نے جواب دیا۔ دنیا میں جنت کے مثل پھل موجود ہیں، مگر صرف نام اور شکل کی حد تک، ذائقہ اور لذت الگ ہیں۔ پادری نے کہا: جنت کے تمام محلات میں درخت طوبیٰ کی شاخ ہے، کیا دنیا میں اس کی مثل ہے؟ فرمایا: ہاں! جب سورج نصف النہار پر ہوتا ہے تو کوئی محل اور مکان ایسا نہیں ہوتا جس پر سورج کی کرن نہ پڑتی ہو۔ پادری نے کہا: جنت میں چار نہریں ہیں جو ذائقے اور لذت میں مختلف ہیں۔ کیا دنیا میں اس کی تمثیل ہے؟ بزرگ نے فرمایا: ہاں! کان سے پانی نکلتا ہے، مگر غلیظ اور کڑوا، آنکھ سے پانی نکلتا ہے، مگر نمکین، ناک سے بھی پانی نکلتا ہے مگر بدبودار اور دہن یعنی منہ سے بھی پانی نکلتا ہے مگر شیریں۔ ان

چاروں کی اصل ایک ہے۔ یعنی سر، پادری نے مزید سوال کیا کہ جنت میں ایک تخت ہے، جس کی مسافت ۵۰۰/سال کی مسافت کے برابر ہے۔ بہشتی جب اس پر چڑھ جائے گا تو وہ تخت بلند ہوجائے گا۔ دنیا میں اس کے مماثل کیا شے ہے؟ بزرگ نے جواب دیا: رب تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ كَیْفَ خُلِقَتْ۔ یعنی اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ عجیب نمونہ سے پیدا کیا گیا ہے کہ جب آدمی اس پر سوار ہونا چاہے تو یہ بیٹھ جاتا ہے اور سوار ہوکر پھر بلند ہو جاتا ہے۔ پادری نے پانچواں سوال کیا کہ اہلِ جنت کھائیں گے، پئیں گے، مگر پیشاب پاخانہ نہیں کریں گے۔ اس کے مماثل دنیا میں کیا ہے؟ بزرگ نے جواب دیا: بچہ ماں کے شکم میں زندہ رہتا ہے، کھاتا ہے، پیتا ہے۔ ماں کا خونِ حیض اس کی غذا بنتا ہے۔ اس کے باوجود نہ تو پیشاب کرتا ہے اور نہ ہی پاخانہ۔ بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے پادری سے سوال کیا کہ میں نے تیرے اتنے سارے سوالوں کے جوابات دیے، اب تُو بھی میرے ایک سوال کا جواب دے کہ جنت کی کنجی کیا ہے؟ پادری نے قوم سے خطاب کرکے کہا: اس محمدی نے مجھ سے جنت کی کنجی کے بارے میں پوچھا ہے تو مجھے بتانا پڑے گا۔ کہنے لگا: میں نے کتابوں میں پڑھا ہے کہ جنت کی کنجی لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے۔ یہ کہہ کر پادری مسلمان ہوگیا۔ قوم کو جب یہ معلوم ہوا کہ جنت کی کنجی لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے تو وہ بھی کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوگئی۔

تذکرۃ الواعظین، صفحہ:90 کے آخر پر ایک مضمون یوں ہے کہ زاذان نے بیان کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص خلوصِ دل سے باوضو لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھے گا، اللہ تعالیٰ اس کو بارہ مقامات عطا فرمائے گا:

1- جب اس کے مرنے کا وقت قریب ہوگا تو کلمہ شریف زبان پر جاری ہوجائے گا، یعنی اسلام کی حالت میں انتقال کرے گا۔
2- جان کنی کی سختی اس پر آسان ہوگی۔
3- اس کی قبر منور ہوگی۔
4- منکر ونکیر خوش شکل بن کر سامنے آئیں گے۔
5- قیامت کے دن شہدا کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔

6- میزانِ عمل میں نیکیوں کا پلڑا بھاری ہوگا۔
7- پل صراط پر برق کی مانند گزر جائے گا۔
8- دوزخ کی آگ اس کے جسم پر حرام ہوگی۔
9- شراب طہور سے نوازا جائے گا۔
10- بہشت میں 70 حوریں اس کی خدمت کے واسطے مامور ہوں گی۔
11- نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شفاعت نصیب ہوگی۔
12- اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا۔

مزید تذکرۃ الواعظین میں ہے کہ سب سے قبل اللہ نے جس چیز کی تخلیق فرمائی، وہ لوحِ محفوظ ہے، اس کے بعد قلم پیدا کیا اور قلم کو حکم دیا کہ لکھ۔ قلم نے عرض کی: کیا لکھوں؟ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اب سے لے کر قیامت تک کے واقعات لکھ۔ دوسری مرتبہ لا الٰہ الا اللہ لکھنے کا حکم دیا۔ قلم نے اس کلمے کو 70 ہزار برس میں لکھا۔ تیسری مرتبہ قلم کو حکم دیا کہ محمد رسول اللہ لکھ۔ قلم نے لکھنے کا قصد کیا، مگر جب محمد پر پہنچا تو اس عظیم نام کی ہیبت سے شق ہوگیا اور سات ہزار سال تک ہوش وحواس سے بیگانہ رہا۔ ہوش میں آیا تو 7 ہزار سال تک تھر تھراتا رہا۔ پھر 7/ ہزار برس سر بسجود رہا اور بعد ازاں عرض کی: الٰہی! تیرے سوا بھی کوئی نام اتنا عظیم اور بزرگ و برتر ہے؟ ارشاد فرمایا: اے قلم! ادب اختیار کر۔ اگر میں محمد کو پیدا نہ کرتا تو اپنی ربوبیت ہی ظاہر نہ کرتا۔ پس قلم نے یہ کلمہ 70 ہزار برس میں مکمل کیا۔ گویا پورا کلمہ ایک لاکھ چالیس ہزار برس میں مکمل کیا اور قلم شق ہونے سے جو شگاف پیدا ہوگیا تھا، اس پر اللہ تعالیٰ نے استبران کی 70/ ہزار پٹیاں باندھی۔ ہر پٹی کے درمیان 70/ ہزار برس کا فاصلہ تھا۔ قلم نے عرض کی: یا الٰہی! تو نے مجھے عظیم الشان مخلوق بنایا ہے اور میں نے دونوں کلمے ایک لاکھ چالیس ہزار برس میں مکمل کیے ہیں، کیا تیری مخلوق میں سے کوئی شخص اتنے برس زندہ رہ سکے گا؟ ارشاد ہوا کہ اپنا ایک محبوب محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پیدا کروں گا، جس کی اُمت دوسری امتوں کے مقابلے میں بزرگ ہے۔ اس اُمت کو یہ فخر حاصل ہوگا کہ وہ ایک دن میں اس کلمہ کو 70/ مرتبہ زبان پر لاسکیں گے۔

یہ کلمہ اتنا عظیم ہے کہ اس کی عظمت کو ذوالقرنین کی بادشاہت بھی نہیں پہنچ سکتی۔

□□□

ساتواں وعظ

اہمیت وفضیلت صلوٰۃ

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَارْکَعُوْا مَعَ الرَّاکِعِیْنَ ۝ (سورۂ بقرہ)

اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور رکوع کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ۔

خالق کائنات نے اس عالمِ آب وگل کی تخلیق کی اور اس کے نظام معاش وسیاس کو چلانے کے لیے انسان کو اپنا نائب اور خلیفہ بنا کر اس دنیا میں بھیجا اور اپنی تسبیح وتحلیل اور حمد وثنا انسان کے لیے لازم قرار دے دی، کیونکہ تسبیح وتحلیل اور حمد وثنا ہی وہ کام ہے جس کو اللہ کی نورانی مخلوق فرشتے ہمہ وقت کرتے رہتے ہیں۔ یعنی تسبیح وتحلیل کرنے سے انسان فرشتوں کی ہمدوشی حاصل کر لیتا ہے۔ خداوند عظیم قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ ۝

ہم نے جنوں اور انسانوں کی تخلیق کی کہ وہ ہماری عبادت کریں۔

دین اسلام میں مسلمان کے لیے کئی اقسام کی عبادات ہیں۔ جب ایک مسلمان سچے دل سے دنیا سے بیگانہ ہوکر اپنے رب کی یاد میں محو ہو جاتا ہے تو پھر اس کا کھانا، اس کا پینا، اس کا سونا، اس کا چلنا پھرنا، اٹھنا بیٹھنا غرض کہ ہر کام عبادت میں شمار ہوتا ہے۔ کیونکہ ایسے وقت میں مردِ مسلمان کا مطمح نظر مادّی اشیا سے کوئی فائدہ حاصل کرنا نہیں ہوتا بلکہ اس کا مطمح نظر اللہ کی رضا ہوتا ہے۔ اسے صرف اپنے پروردگار کی خوشنودی مقصود ہوتی ہے۔ یوں تو اسلام میں ہر عبادت کے عوض بے شمار فائدے ہوتے ہیں اور ہر عبادت اپنی اپنی جگہ افضل ہے اور مسلمہ اہمیت کی حامل ہے، مگر تمام عبادات سے بڑھ کر افضل واعلیٰ عبادت وہ ہے، جس میں زیادہ سے زیادہ ہر لمحہ اللہ کی بزرگی، پاکی اور عظمت کا تذکرہ ہو اور انسان کی کم مائیگی کا بیان ہو۔

سب عبادات سے افضل عبادت وہ ہو سکتی ہے، جس میں مندرجہ بالا بیان کردہ خصوصیات ہوں اور اوپر بیان کی گئی خوبیاں صرف اور صرف نماز میں ہے۔ نماز کا ہر فعل، ہر کلمہ اور ہر ایکشن اپنے انداز سے اللہ کی بزرگی اور عظمت و پاکی کا اظہار کرتا ہے۔ اوّل سے لے کر آخر تک نماز کے ہر عمل سے خداوند کی بزرگی اور عظمت کا پتہ چلتا ہے۔ وضو کرنے کے بعد جب مسلمان نماز کی نیت کرتا ہے تو کانوں تک ہاتھ اٹھا کر کہتا ہے: اللہ اکبر! یعنی اللہ عظیم ہے۔

گویا نماز کا آغاز اللہ کی عظمت سے ہوتا ہے۔ اس کے بعد ثنا پڑھی جاتی ہے اور اللہ کی عظمت کا بیان اور اعتراف ان الفاظ میں کیا جاتا ہے:

سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰی جَدُّكَ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ۝

یا اللہ! تیری ذات پاک ہے اور تیرے نام میں بڑی برکت ہے اور تیری شان بلند ہے اور تیرے سوا کوئی لائقِ عبادت نہیں۔

اس کے بعد سورۂ فاتحہ میں یوں اعتراف ہوتا ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝

سب تعریفوں کے لائق اللہ ہے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے، مہربان ہے، رحم کرنے والا ہے۔ قیامت کے دن کا مالک ہے۔

اس کے بعد انسان اپنی عاجزی اور بے بسی کا اعتراف اور اقرار کرتے ہوئے اللہ کی مدد کا طلب گار ہوتا ہے:

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝

ہم تیری ہی بندگی کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝

ہمیں سیدھے راستے پر چلا۔ ان لوگوں کے راستے پر جن پر تو نے انعام کیا، نہ کہ ان لوگوں کا راستہ جن پر تیرا غضب ہوا اور جو گمراہ ہوئے۔

اس سورہ میں انسان اللہ کی عظمت کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتا ہے کہ وہ گمراہوں پر اپنا

غضب نازل کرتا ہے اور جو سیدھی راہ پر چلتے ہیں ان کے لیے بے پناہ نعمتیں مختص کرتا ہے۔

سورۂ فاتحہ کے بعد عام طور پر انسان سورۂ اخلاص میں اپنی عاجزی اور انکساری کا اظہار کرتا ہے۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝

کہہ دو اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور اس کا کوئی ہمسر نہیں۔

سورۂ اخلاص میں انسان اللہ کی عظمت کا مکمل طور پر اعتراف کرتا ہے کہ وہ اتنا عظیم ہے کہ اس جتنا عظیم کوئی ہو سکتا ہی نہیں، نہ حقیقت میں اور نہ تصور میں۔

مسلمان اللہ کی بزرگی اور اپنی عاجزی و انکساری کا اظہار کرتے ہوئے دونوں ہاتھ باندھ کر نہایت مؤدبانہ انداز میں کھڑا ہوتا ہے کیونکہ پاسِ ادب ہے۔ مزید ادب کا پاس کرنے کے لیے انسان اپنا سر خم کرتے ہوئے گھٹنوں تک جھک جاتا ہے۔ اس حد تک کہ کمر اور سر برابر ہو جاتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں اللہ کے سامنے انسان خود کو مکمل طور پر ایک کر لینا چاہتا ہے۔ یہ ہی نہیں بلکہ وہ اپنے سر اور کمر کو ایک کرتے ہوئے زبان سے یہ الفاظ ادا کرتا ہے:

سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمُ ۝

رب پاک ہے، عظیم ہے۔

یہ الفاظ صرف ایک مرتبہ ہی نہیں بلکہ تین مرتبہ ادا کرتا ہے اور تین مرتبہ ہی اللہ کی بزرگی اور عظمت کا اقرار کرتا ہے اور پھر کھڑے ہوتے ہوئے سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ کہہ کر اپنے ربّ کے سمیع و بصیر ہونے کی تعریف کرتا ہے کہ رب تعریف کرنے والے کی سنتا ہے۔ پھر سجدے میں جا کر یہ تسبیح تین مرتبہ کہتا ہے: سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى ۝ پاک ہے پروردگار، عالی شان ہے۔

سجدے کی حالت میں انسان اللہ کی عظمت کا مکمل طور پر اقرار کر لیتا ہے اور اپنے جسم کے سب سے ارفع و اعلیٰ حصے یعنی سر کو اس کے حضور زمین سے لگا کر اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ یا اللہ! تیرا مرتبہ از حد بلند ہے۔

اس کے بعد تشہد میں یوں اقرار کرتا ہے: اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ

وَالطَّیِّبَاتُ ۔ تمام زبان کی عبادتیں اللہ کے لیے ہیں اور بدن کی عبادتیں اور مال کی عبادتیں۔

انسان اپنی زبان سے اللہ کی تسبیح وتہلیل کر سکتا ہے۔ اپنے بدن سے اللہ کی عبادت کر سکتا ہے اور اپنے مال سے اللہ کی راہ میں خرچ کر کے عبادت کر سکتا ہے۔ یعنی تمام اقسام کی جملہ عبادات اللہ کو ہی زیب دیتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کو اپنی تمام مخلوقات میں سب سے زیادہ محبوب حضرت محمد ﷺ ہیں۔ ان ہی کے لیے سارے عالم کو تخلیق کیا گیا، اس لیے کچھ ان کے متعلق بھی نماز میں تذکرہ ہوتا ہے، کیونکہ یہ تو ممکن ہی نہیں کہ جہاں عاشق کا ذکر ہو، وہاں معشوق کا ذکر نہ ہو۔ جہاں طالب کے تذکرے ہوں، وہاں مطلوب کی باتیں نہ ہوں۔ جہاں گل ہو ہوس بوئے گل نہ ہو۔ جب سورج کا نام آتا ہے تو ساتھ ہی اس کی روشنی کا تصور بھی اُبھرتا ہے، جہاں جسم کے متعلق بیان کیا جاتا ہے، وہاں روح بھی زیرِ کلام ضرور آتی ہے۔ اس لیے یہ کیسے ممکن ہو سکتا تھا کہ نماز میں اللہ کا ذکر اور حمد وثنا تو موجود ہو، لیکن اس کے محبوب کے متعلق کچھ بھی نہ ہو۔

اس لیے ایک مسلمان اللہ کی حمد وثنا کی اتنی مقدار طے کرنے کے بعد اس کے محبوب کی بابت بیان کرنا ضرور پسند کرتا ہے اور یوں کہتا ہے: اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ ۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصّٰلِحِیْنَ ۔

اے نبی! تم پر سلامتی ہو اور اللہ کی رحمت وبرکتیں اور ہم پر اور ان پر جو اللہ کے نیک بندے ہیں۔

یہاں پر موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے نمازی اپنے لیے اور اللہ کے نیک بندوں کے لیے بھی خیریت کا طلب گار ہوجاتا ہے کہ شاید اللہ اپنے پیارے محبوب کے وسیلے سے ہماری نجات کر دے۔ اس کے بعد اللہ کی عظمت اور نبی کریم ﷺ کی رسالت کا اقرار کرتا ہے:

اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ ۔

مَیں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ پاک ہے اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ۔

یا الٰہی! حضرت محمد ﷺ اور ان کی آل پر رحمت بھیج جس طرح تو نے حضرت ابراہیم اور ان کی آل پر رحمت بھیجی۔ بے شک تو تعریف کیا گیا، بزرگ ہے۔

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ۔

یا الٰہی! حضرت محمد ﷺ اور ان کی آل کو برکت دے، جس طرح تو نے حضرت ابرہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کی آل پر برکت کی۔ بے شک تو تعریف کیا گیا ہے، بزرگ ہے۔

اس کے بعد اللہ کی غفاریت کا اقرار درج ذیل کلمے سے کرتا ہے:

رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوۃِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ۔

اے اللہ مجھے اور میری اولاد کو پابندِ نماز بنا اور میری دعا قبول فرما۔

رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ ۔

یا الٰہی! مجھے، میرے والدین اور دوسرے تمام مسلمانوں کو بخش دے اس روز کہ جب عملوں کا حساب ہونے لگے۔

اس میں بھی اللہ کی غفاریت پوشیدہ ہے کہ وہ مغفرت قبول کرنے والا ہے۔ گویا نماز اوّل سے آخر تک اللہ کی عظمتوں کو عیاں کرتی ہے۔ اسی لیے یہ سب سے زیادہ محبوب عبادت ہے۔ نماز اللہ کو سب سے پیاری ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَلَا تَکُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ۔ نماز میں پابندی کرو اور مشرکوں میں سے نہ ہو۔

نماز اللہ تعالیٰ کو از حد پیاری ہے۔ اتنی پیاری کہ ہر جگہ اسی کو پھیلا دینا چاہتا ہے۔ اس لیے یہ بلا امتیاز بلوغ کے بعد ہر کسی پر فرض ہے۔ امیر ہو یا غریب، مرد ہو یا عورت، جوان ہو یا بوڑھا، ساری زندگی اس کی پابندی کرنا لازم وملزوم ہے۔

اسلام کی ساری عبادات اپنی اپنی جگہ پر اہم اور اللہ کو پیاری ہیں، مگر نماز سب سے پیاری ہے، اسی لیے یہ ہر کسی پر فرض اور دن میں پانچ مرتبہ فرض ہے۔ جب کہ اس کے برعکس روزے کہ وہ سال کے بعد آتے ہیں۔ زکوٰۃ ہے کہ سال میں صرف ایک مرتبہ اور وہ بھی سرمایہ داروں پر فرض ہے۔ حج ہے کہ ساری عمر میں ایک بار فرض ہے، وہ بھی صاحبِ حیثیت لوگوں

پر، لیکن نماز ہے کہ ساری زندگی ہر کسی پر فرض ہے۔ امیر ہو یا غریب، شاہ ہو یا گدا، کوئی ڈاکٹر ہو یا حکیم، ایک معمولی آدمی سے لے کر بڑے سے بڑے عہدہ دار تک پر نماز فرض ہے اور کسی حال میں بھی اس کو چھوڑنے کی اجازت نہیں۔ جب کہ روزہ میں یہ رعایت ہے کہ مسافر اس کو چھوڑ سکتا ہے اور حج میں اگر خطرہ ہو تو اس کو چھوڑا جا سکتا ہے، لیکن نماز کسی طور پر بھی نہیں چھوڑی جا سکتی۔ اس کے چھوڑنے کو سردی کا بہانہ نہیں کیا جا سکتا۔ سفر کا عذر نہیں کیا جا سکتا۔ سورج کی سخت تمازت میں بھی نماز نہیں چھوڑی جا سکتی۔ اگر فلک شعلہ بار بھی کیوں نہ ہو، ایسی حالت میں بھی نماز سے کوئی بالغ اور عاقل مستثنیٰ نہیں۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ دربارِ رسالت میں عرض کیا: یا رسول اللہ! اللہ کو کون سا عمل سب سے زیادہ محبوب ہے؟ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے جواب دیا کہ اپنے وقت پر نماز کی ادائیگی کرنا۔ (رواہ البخاری و مسلم و مشکوٰۃ، صفحہ: 58)

امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے کشف الغمہ میں رقم کیا ہے کہ ہمارے پیارے رسول ﷺ کے نائب خلفا میں سب خلفائے دین اسلام کی کسی عبادت کے چھوڑنے پر کفر کی حد لازم نہیں سمجھتے تھے ماسوا نماز کے، کہ اس کے چھوڑنے کو وہ کفر خیال کرتے تھے۔

ہماری عام زندگی کا یہ قاعدہ ہے کہ اگر کسی شخص کو کسی دوسرے شخص کے ساتھ خاص اُنس ہو تو وہ اس کے لیے ایسے تحفے کا انتخاب کرتا ہے جو اس کی نظر میں سب سے پیاری شے ہو۔ اسی طرح حضرت محمد ﷺ کے ساتھ اللہ کو خاص انس ہے اور اس نے آپ کو نماز کا تحفہ دیا۔ کیونکہ نماز ہی اللہ کو سب سے زیادہ محبوب ہے۔ اور محبوب کیوں نہ ہو کہ نماز سراپا حسن ہے اور اللہ تعالیٰ خود صاحبِ حسن ہے۔ اُس نے کائنات میں ہر طرف حسن ہی حسن بکھیرا ہوا ہے۔ نماز کی محبوبیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ دوسری عبادات تو اللہ تعالیٰ نے زمین پر فرض قرار دیں، یعنی ج کے ذریعے ان کی فرضیت کے احکام لایا کرتے تھے، مگر جب نماز کا وقت آیا تو اپنے محبوب کو اپنے پاس بلایا اور تنہائی میں خاص طور پر بذاتِ خود نماز کی فرضیت کا حکم دیا۔

احادیث مبارکہ کی روشنی میں اہمیتِ نماز

ہمارے پیارے رسول حضور پر نور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

لِكُلِّ شَيْءٍ عَلَمٌ وَعَلَمُ الْإِيمَانِ الصَّلٰوةُ (منیۃ المصلی، صفحہ: 2)

ہر چیز کی علامت ہوتی ہے اور ایمان کی نشانی نماز ہے۔

ہر چیز کی پہچان کے لیے کچھ نشانیاں مقرر ہوتی ہیں۔ مثلاً بارش ہونے کی نشانی یہ ہے کہ آسمان پر اَبر چھا جاتے ہیں اور بجلی چمکنے لگتی ہے۔ اسی طرح موسموں کی پہچان کے لیے بھی نشانیاں ہیں۔ مثلاً موسم سرما کی پہچان یہ ہے کہ اس میں سرد ہوائیں چلتی ہیں۔ موسم گرما کی پہچان یہ ہے کہ اس موسم میں درختوں کے پتے جھڑ جاتے ہیں اور موسم بہار کی پہچان یہ ہے کہ اس موسم میں نہ گرمی ہوتی ہے اور نہ سردی، ہوائیں نہ گرم ہوتی ہیں اور نہ سرد۔ بلکہ ایسی نشیلی ہوتی ہیں کہ نشے کا عادی بھی بن پیے ہی بہک جاتا ہے۔ باغوں میں نئے گل کھلنے لگتے ہیں اور سارا گلستان گلوں کی مثالی خوشبو سے مہک اُٹھتا ہے۔ اسی طرح ایمان دار آدمی کی پہچان یہ ہے کہ وہ نمازی ہوگا۔ جو شخص نماز نہیں ادا کرتا، اس کے ایماندار ہونے میں بھی شبہ ہے:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ شَهَادَةِ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَإِقَامِ الصَّلٰوةِ وَإِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ وَالْحَجِّ وَصَوْمِ رَمَضَانَ (مشکوٰۃ، صفحہ: 12)

ابن عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اسلام کی بنیاد پانچ اشیا ہیں۔ (اوّل) گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں (اس کے بعد دوسرے نمبر پر) نماز کی پابندی کرنا۔ زکوٰۃ ادا کرنا اور حج کرنا اور رمضان شریف کے روزے رکھنا۔

فائدہ: اسلام جیسا کامل، اکمل اور مدلّل دین کی بنیاد پانچ اشیا پر رکھی گئی ہے، جس کے بغیر اسلام کا تصور بے معانی ہوجاتا ہے۔ اس بات کو سمجھنے اور اس کی وضاحت کے لیے کہ

پانچ بنیادوں پر اسلام کی عمارت استوار ہے، نبی کریم ﷺ نے ایک عمدہ مثال دی ہے کہ اسلام گویا ایک خیمہ ہے جو کہ پانچ ستونوں پر قائم ہے۔ ویسے بھی خیمہ پانچ ستونوں پر ہی قائم ہوسکتا ہے۔ کلمۂ شہادت کو مرکزی ستون کی حیثیت حاصل ہے اور نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج اس کے اِرد گرد کے ستون ہیں۔ مرکزی ستون کے بغیر خیمہ اپنی جگہ پر کھڑا ہی نہیں ہوسکتا اور چونکہ کلمۂ شہادت اسلام کے خیمہ کا مرکزی ستون ہے، اس لیے اس کے بغیر اسلام کا خیمہ ہی متصور نہ ہوگا۔ اگر اللہ کی وحدانیت اور حضرت محمد ﷺ کی رسالت پر یقین نہ ہوگا تو ایسی حالت میں سرے سے اسلام ہی نہیں ہوگا۔ اگر مرکزی ستون موجود ہوگا اور اِرد گرد کے ستونوں میں سے کوئی ایک ستون زمین بوس ہوگا تو ایسی صورت میں خیمے کا قیام تو ہو جائے گا، مگر جس کونے پر ستون نہ ہوگا، اُس جانب کا حصّہ گر جائے گا۔ اس طرح اللہ کی وحدانیت اور حضرت محمد ﷺ کی رسالت پر ایمان لانے کے بعد کوئی شخص مسلمان تو بن جاتا ہے، لیکن اگر روزہ، زکوٰۃ، حج اور سب سے اہم عبادت نماز نہ ہوگی تو ایسے شخص کی مسلمانی پر شبہ ہے۔

ہمیں اپنا گریبان چاک کر کے اس میں قلبی بصیرت سے دیکھنا چاہیے کہ کیا ہمارے اسلام کا خیمہ ایستادہ ہے۔ اگر ایستادہ ہے تو کیا اس کا کوئی ستون زمین بوس تو نہیں۔ کوئی ستون تو کیا ہمارا یہ حال ہے کہ ہمارے اسلام کے چاروں ستون زمین بوس ہیں اور ہمارا خیمۂ اسلام زمین بوس ہو چکا ہے۔ اب صرف یہ نام ہے کہ جی ہمارے پاس خیمہ ہے، مگر ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ خیمہ قابلِ استعمال ہے۔ آپ کوئی خیمہ لگا کر دیکھ لیں۔ اس کے اطراف کے ستون نکال لیں، تو آپ دیکھیں گے کہ اطراف سے ستون ہٹاتے ہی سارا خیمہ زمین بوس ہو جائے گا۔ اس طرح نہ تو ہم نماز کی پابندی کرتے ہیں، نہ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، روزے کو تکلیف دہ امر خیال کرتے ہیں اور حج کی ویسے بھی ہم لوگوں میں ہمت نہیں۔ تو ایسی صورت میں ہمارے اسلام کا خیمہ قائم رہ سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ ہمارے پاس خیمہ ضرور ہے، لیکن زمین پر گرا ہوا۔ اس کو از سرِ نو ایستادہ کرنے کے لیے ہمیں اس کونے پر ستون لگانے پڑیں گے، ورنہ ہم بارشِ کفر اور جہالت کی آندھی سے خود کو کسی طرح بھی محفوظ نہیں رکھ سکتے۔

اسی حدیث پاک میں نبی کریم ﷺ نے کلمے کے بعد نماز کا ذکر فرمایا ہے۔ جو اس

بات کی دلیل ہے کہ نماز دیگر عبادات سے افضل اور اہم ہے۔ یہ بھی تو ہوسکتا تھا کہ آپ ﷺ کلمہ کے بعد روزے کا تذکرہ فرماتے یا پھر حج کے متعلق ارشاد فرماتے، مگر آپ نے ان کی بجائے نماز کا ذکر کیا۔ اس لیے کہ یہ دوسری عبادات سے افضل اور اہم عبادت ہے۔

قیامت میں پہلا سوال نماز سے متعلق ہوگا

یہ دنیا فانی ہے۔ اس کی ہر شے فانی ہے۔ ہم چند روز اس دنیا میں رہ کر دوبارہ اللہ کے پاس لوٹ جائیں گے۔ یہ دنیا مثل ایک بازار کے ہے، جس میں کسی کو اس کا آقا رقم دے کر شاپنگ کے لیے بھیجتا ہے اور واپسی پر اس سے ساری رقم کا حساب لیتا ہے کہ کس شے پر کتنے پیسے خرچ کیے۔ اس طرح یہ دنیا بازار ہے اور انسان ایک خادم اور غلام ہے۔ جس کے آقا و مولا خداوند کریم نے زندگی دے کر شاپنگ کے لیے بھیجا ہے اور پھر ایک دن وہ ہم سب کو بلائے گا۔ اپنا دربار آراستہ و پیراستہ کرے گا اور ہم سے ہماری زندگی کا حساب کرے گا کہ ہم نے اس کو کہاں صَرف کیا۔ ہماری زندگی کی ایک ایک گھڑی کا حساب لے گا، مگر سب سے پہلے سوال یہ ہوگا کہ آیا بازارِ دنیا سے تُو نے نماز جیسی ارفع و اعلیٰ شے خریدی ہے، اگر نہیں تو کیوں؟

ہمارے پیارے رسول ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

اِنَّ اَوَّلَ مَا يُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ صَلٰوتُهٗ۔ (رواہ نسائی صفحہ:55)

ترجمہ: قیامت کے دن بندے کا حساب سب سے قبل نماز سے لیا جائے گا۔

شیخ سعدی فارسی زبان کے بڑے مشہور و معروف شاعر نے کہا ہے کہ:

روزِ محشر کہ جاں گداز بود   اوّلیں پرسش نماز بود

ترجمہ: قیامت کے روح فرسا دن سب سے پہلے نماز کے بارے میں پرسش ہوگی۔

ترمذی شریف، جلد اوّل، صفحہ:55 پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک قول منقول ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ قیامت کے دن سب سے قبل نماز کا حساب ہوگا:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَوَّلَ مَا يُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنْ عَمَلِهٖ صَلَاتُهٗ فَاِنْ صَلَحَتْ فَقَدْ اَفْلَحَ وَنَجَحَ وَاِنْ فَسَدَتْ

فَقَدْ خَابَ وَخَسِرَ فَاِنْ اِنْتَقَصَ مِنْ فَرِیْضَةٍ شَیْئًا قَالَ الرَّبُّ عَزَّوَجَلَّ اُنْظُرُوا هَلْ بِعَبْدٍ مِّنْ تَطَوُّعٍ فَیُکَمَّلُ بِهَا مَا انْتَقَصَ مِنَ الْفَرِیْضَةِ ثُمَّ تَکُوْنُ سَمَائِرُ اَعْمَالِهٖ عَلٰی هٰذَا۔

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ بے شک قیامت کے دن سب سے قبل بندے کے اعمال میں سے جس چیز کا حساب ہوگا وہ نماز ہے۔ اگر وہ درست ہوئی تو وہ کامیاب اور فلاح پائے گا اور اگر وہ نادرست ہوئی تو وہ نامراد اور ناکام ہوگا اور اس کی فرض نماز میں کمی ہوگی تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا، دیکھو میرے بندے کے نفل میں تاکہ اس سے اس کے فرضوں کی تکمیل کی جائے۔ اس طرح اس کے باقی اعمال کا حساب ہوگا۔

سبحان اللہ! اگر فرائضِ نماز میں کمی ہوئی تو اس کمی کو نوافل نماز سے پورا کرلیا جائے گا۔ مگر نوافل نماز تو ایک طرف رہیں، ہمارے مسلمان تو فرض نماز بھی ادا نہیں کرتے۔ بلکہ نمازِ جمعہ اور عیدین تک کی نمازیں بھی نہیں پڑھتے۔ قیامت کے دن جب دربارِ خداوندی قائم ہوگا تو ایسے میں ہم کیا جواب دیں گے۔ ہم کیا بتلائیں گے کہ ہم کیوں نماز نہیں پڑھا کرتے تھے۔

حضرت ابن عساکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت زواجہ، جلد اوّل، صفحہ: 112 پر مرقوم ہے کہ روزِ محشر سب سے پہلے نماز کا حساب و امتحان ہوگا۔ اگر نماز درست ہوئی تو دیگر اعمال بھی درست نکلیں گے۔ اگر نماز ناقص ہوئی تو دیگر اعمال بھی ناقص ہوں گے، یعنی اگر ہم قیامت میں نماز کے امتحان میں پاس ہو جائیں گے تو دیگر اعمال میں بھی پاس قرار دیے جائیں گے۔ اگر اس میں ناکام ہوئے تو دیگر اُمور میں کامیاب ہونے کے باوجود بھی پاس نہیں ہوسکیں گے۔ جس طرح کہ آج کل انگریزی سبجیکٹ لازمی ہے، دیگر مضامین میں پاس بھی ہو تو جب تک انگریزی میں پاس نہیں ہوتا، پاس نہیں کیا جاتا اور اگر انگریزی سبجیکٹ میں پاس ہے تو دیگر مضامین میں بھی پاس کردیا جاتا ہے، خواہ اس میں دھاندلی ہی کیوں نہ ہو۔ اس طرح اگر قیامت کے دن نماز میں کامیاب ہوگئے تو دیگر مضامین میں بھی پاس کردیے جائیں گے، لیکن اس میں فیل ہوئے تو دیگر مضامین میں پاس ہونا بھی کسی کام نہ آسکے گا۔

نماز کی اہمیت اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ قرآن مجید میں سات سو مرتبہ اس کے قیام

کے متعلق حکم دیا گیا ہے۔ کہیں فرمایا ہے:

اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّکٰوةَ وَارْکَعُوْا مَعَ الرّٰکِعِیْنَ۔

نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور رکوع کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ۔

اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَکُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ۔

نماز قائم کرو اور مشرکوں میں سے نہ بنو۔

اور کہیں اس طرح اس کی تاکید کی گئی ہے:

فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ۔ پس اپنے رب کی نماز پڑھ اور قربانی کر۔

غرض کہ نماز کے بارے میں اتنی تاکید کی گئی ہے جتنی کسی دوسری عبادت کے متعلق نہیں کی گئی، لیکن ہم لوگ نماز پڑھنے کو گراں خیال کرتے ہیں کہ: جی! کون سردیوں میں سویرے کی نماز کے لیے اُٹھے اور سرد پانی سے وضو کرکے سردی میں نماز پڑھے اور اپنی پیاری شے قربان کرے اور کون رات کو عشاء کی نماز کے لیے جاگے۔

مسجدوں میں پانچ وقت کی اذان لاؤڈ اسپیکر میں کہی جاتی ہے۔ ہمیں سنائی دیتی ہے، مگر ہمارے شغلِ طرب میں کوئی فرق نہیں آتا۔ ہم ویسے ہی ٹانگ پر ٹانگ رکھے بیٹھے رہتے ہیں۔ ہمارے کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔ اس کے بجائے اگر لاؤڈ اسپیکرز میں کہیں کوئی گانا لگے تو تڑپ اُٹھتے ہیں۔ اُف اللہ! کیا پیارا گانا ہے، ایک بار اور ذرا سنیں۔ ہمارے معاشرے نے غلط راہوں کا انتخاب کرلیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے پُرخلوص دعا ہے کہ وہ ہمیں نماز پڑھنے کی توفیق دے۔

پہلی اُمتوں پر بھی نماز فرض تھی

نماز از حد اہم ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ یہ کم و بیش تمام انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام پر فرض تھی۔ حضرت سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نماز فرض تھی۔ وہ دُعا مانگا کرتے تھے: رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ۔

اے پروردگار! مجھے اور میری اولاد کو پابندِ نماز بنا۔

اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام جنھوں نے اللہ کی راہ میں قربان ہونے کے لیے خود کو پیش کر دیا تھا، ان کے متعلق ارشاد ہے کہ:

وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهُ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ

آپ اپنے اہل وعیال کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتے تھے۔

حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ:

وَأَوْصٰنِي بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا

اور اللہ نے مجھے زندہ رہنے تک نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا۔

جن نمازوں کی فرضیتِ سابقہ اُمتوں پر تھی اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے محبوب ﷺ کی اُمت پر وہ تمام فرض قرار دیں تا کہ سب کا ثواب مجموعی طور پر فرزندانِ اسلام حاصل کرسکیں۔

نمازوں کی فرضیت کے بارے میں امام رافعی رحمۃ اللہ علیہ نے خوبصورت انداز میں ایک بات کہی ہے کہ فجر کی نماز خداوند عظیم نے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر فرض قرار دی تھی۔ حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرنے کے لیے نمازِ ظہر کے پابند تھے۔

ساری دنیا میں اب تک چار بادشاہ ایسے گزرے ہیں جنھوں نے طویل مدت تک دنیا میں حکومت کی۔ جن میں سے دو تو ساری دنیا میں بہت ہی مشہور ہیں: ایک نمرود۔ جس کی جھوٹی خدائی کو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا۔ اور دوسرا فرعون جو نمرود کی طرح خود کو خدا کہلاتا تھا اور لوگوں سے اپنی عبادت کرواتا تھا اور جس کی خدائی کا چراغ گل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرمایا تھا۔

اور دوسرے دو اللہ تعالیٰ کے دو پیغمبر تھے، جن میں سے ایک پیغمبر حضرت سلیمان علیہ السلام تھے، جنھوں نے انسانوں سے لے کر جنات تک پر حکومت کی۔ ہوا بھی جن کے تابع تھی۔ ان میں سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نمازِ عصر فرض تھی۔

امام رافعی نے لکھا ہے کہ مغرب کی نماز حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام پر فرض تھی

اور عشاء کی نماز حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام ادا فرمایا کرتے تھے۔

یہاں پر ایک سوال بڑی شدت سے ابھرتا ہے کہ دیگر پیغمبروں پر ایک وقت کی نماز فرض تھی، مگر ہم مسلمانوں پر پانچ وقت کی نماز فرض قرار دی گئی، کیوں؟

دراصل نماز رحمتِ الٰہی کا موجب ہے، اس کی پابندی سے اللہ کی رحمت کا نزول ہوتا ہے۔ پہلی اُمتوں پر ایک نماز فرض تھی اور ان کو ایک نماز کے بدلے میں رحمتیں ملا کرتی تھیں۔ ہم پر پانچ نمازیں اس لیے فرض ہوئیں کہ ہم پانچ نمازوں کا ثواب حاصل کریں جو کہ دیگر اُمتیں حاصل کرتی تھیں۔ اس طرح ہم دوسروں سے افضل ہیں اور ہم پر اللہ کی خاص رحمت ہے، لیکن ہم مسلمان نماز کو یکسر فراموش کر چکے ہیں۔ مسجدوں میں نماز کے وقت سوائے چند نمازیوں کے کوئی نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس سنیما ہاؤس فل ہوتے ہیں۔ ہمارے نوجوان جانے کیوں اتنے گمراہ ہو چکے ہیں۔ بھلا انھیں فلموں میں کیا ملتا ہے؟ اپنے پیسوں کے ساتھ ساتھ اپنے وقت کا بھی ضیاع کرتے ہیں۔ وقت جو کہ ازحد اہم ہے۔ نپولین نے کہا تھا کہ اگر ہماری فوجیں صرف ایک منٹ قبل پہنچ جاتیں تو ہم جنگ جیت جاتے، لیکن ہم ایک منٹ نہیں پورے چار سو منٹ سنیما ہاؤس میں ضائع کرتے ہیں۔ نہیں، شاید ہم غلط کہہ رہے ہیں۔ چار سو منٹ نہیں، ہم پوری زندگی بیکار گزار کر فنا ہو جاتے ہیں اور چوبیس گھنٹوں میں صرف ساٹھ منٹ اللہ کی راہ میں صرف نہیں کر سکتے۔ وہ بھی لوگ تھے جو ساٹھ منٹ نہیں بلکہ اپنی پوری زندگی اللہ کی راہ میں لٹانے کو باعثِ نجات خیال کرتے تھے۔ مگر ہم دن کے چوبیس گھنٹوں میں سے صرف ساٹھ منٹ اللہ کی عبادت کے لیے نہیں دے سکتے۔ کتنے افسوس کا مقام ہے۔ ہم شطرنج کھیلنے بیٹھ جائیں تو ہمیں بھوک پیاس کی بھی پرواہ نہیں ہوتی اور نماز کے لیے ہم سو طرح کے بہانے کرتے ہیں اور خصوصاً فجر اور عشاء کی نماز تو ہمیں ازحد گراں گزرتی ہیں۔ یہ مسلمانوں کا وطیرہ نہیں، بلکہ منافقین ایسا کرتے ہیں۔ تذکرۃ الواعظین میں ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضرت محمد ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ نمازِ عشاء اور نمازِ فجر منافقین کو نہایت گراں گزرتی ہیں۔ اگر انھیں معلوم ہوتا کہ اللہ کے یہاں ان دونوں نمازوں کا کتنا اجر ہے تو ان کے ادا کرنے کے لیے شوق سے آتے، اگرچہ انھیں گھٹنوں کے بل آنا پڑتا۔

حضرت سعید رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت قتادہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت دانیال علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی امت سے ذکر کیا کہ آخری پیغمبر ﷺ کی امت ہوگی، جس کا وصف یہ ہوگا کہ وہ لوگ پانچ وقت کی نماز پڑھا کریں گے۔ اگر وہ نمازیں حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اُمت پڑھتی تو کبھی غرق نہ ہوتی۔ اگر قومِ عاد ان کی پابندی کرتی تو اُن پر آندھی کا عذاب نہ ہوتا۔ اگر قومِ ثمود ادا کرتی تو سخت کڑاکے کی آواز ان کے خرمنِ حواس کو جلا کر خاکستر نہ کرتی۔

(تذکرۃ الواعظین، صفحہ:8)

نماز کی اہمیت کا ثبوت اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے آخری وقت بھی نماز کی پابندی کا حکم فرمایا۔ تذکرۃ الواعظین، صفحہ:11 پر حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آپ کی روح مبارکہ آپ کے سینۂ اقدس میں اٹکی ہوئی تھی، یعنی آپ قریب بہ مرگ تھے۔ آپ کے اس دنیا سے پردہ پوش ہوجانے کا وقت آچکا تھا۔ ایسی حالت میں آپ بار بار ارشاد فرمارہے تھے کہ میں تمہیں نماز کی وصیت کرتا ہوں۔ میں تمھیں نماز کی وصیت کرتا ہوں۔ میں تمھیں نماز کی وصیت کرتا ہوں۔

نماز اتنی اہم شے ہے کہ سرورِ دوعالم ﷺ لبِ دم بھی اس کی ادائیگی پر زور دے رہے ہیں، مگر ہم نماز پڑھتے ہی نہیں۔ کیا ہم خود کو ان کی امت نہیں خیال کرتے۔ اگر ہم خود کو ان کی امت خیال کرتے ہیں تو پھر ہم خود کو نماز کا پابند نہیں کرتے، کیوں؟ ہمارے پیارے رسول ﷺ کے نواسے امام عالی مقام سید الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز کی پابندی کرنے کی ایک لاجواب مثال قائم کی ہے۔ دریائے فرات کے کنارے جب آپ کے جانثار، یزیدی لشکر سے مقابلہ کرتے ہوئے آپ پر پروانہ وار قربان ہوگئے، تو آپ خود میدانِ کارزار میں آتے ہیں۔ دشمن کے چلائے ہوئے تیروں سے آپ کا جسم اقدس فگار فگار ہوجاتا ہے، لیکن آپ مردانہ وار دشمنوں سے برسرِ پیکار ہیں اور کسی دشمن کو اتنی جرأت نہیں کہ وہ آپ کے سامنے ٹھہر سکے۔ اسی حالت میں نماز کا وقت آگیا۔ آپ نے ہر چیز سے بیگانہ ہوکر خود کو اللہ کے حضور سربسجود کر دیا۔ دشمنوں کو موقع مل گیا۔ شمر لعین نے آگے بڑھ کر سجدے میں پڑے ہوئے سر پر خنجر چلا دیا اور سر تن سے جدا کر دیا۔ اس کیفیت کو شاعر نے

یوں بیان کیا ہے:

نہ مسجد میں نہ بیت اللہ کی دیواروں کے سائے میں
نمازِ عشق ادا ہوتی ہے تلواروں کے سائے میں

ہم بھی تو انھیں کے پیروکار ہیں۔ ہمیں بھی ان کے اسوۂ حسنہ پر چلنا چاہیے کہ ہمارے آبا واجداد بھی ان ہی کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرتے تھے۔ محمود غزنوی کا واقعہ ہمارے سامنے ہے کہ عین جنگ میں نماز کا وقت آیا تو محمود اپنی فوج کے ساتھ اللہ کے حضور سربسجود ہوگیا۔

علامہ اقبال نے اس واقعہ کو یوں لکھا ہے:

آگیا عین لڑائی میں اگر وقتِ نماز — قبلہ رو ہو کے زمیں بوس ہوئی قومِ حجاز
ایک ہی صف میں کھڑے ہوگئے محمود و ایاز — نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

زیادہ دور کی بات نہیں پچھلی صدی کی بات ہے۔ جب شہزادہ مراد رضیہ سلطانہ سے جنگ کے لیے گیا تو عین لڑائی میں نماز کا وقت ہوگیا، فوراً نماز کی ادائیگی کے لیے قیام کرلیا۔

تو پھر کیا وجہ ہے کہ ہم نماز سے الرجک ہونے کی حد تک گریزاں ہیں اور نماز نہ پڑھنے کے ہزار ہا بہانے بناتے ہیں۔ ارے میاں! نماز تو اس نابینا کو بھی معاف نہیں ہوئی تھی جو حضرت محمد ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض پرداز ہوتا ہے کہ: اے آقا! میں نابینا ہوں، مسجد کو جاتے ہوئے مجھے راستے میں ٹھوکریں لگتی ہیں اور مجھے کوئی دوسرا مسجد میں لے کر جانے والا نہیں۔ تو کیا مجھے نماز کی رخصت ہے کہ میں گھر نماز پڑھ لیا کروں۔ آپ نے فرمایا: تمہیں اذان سنائی دیتی ہے؟ عرض کیا: جی یارسول اللہ! مجھے اذان کی آواز سنائی دیتی ہے، تو آپ نے فرمایا کہ نماز کے لیے مسجد میں حاضر ہوا کر۔

یہاں پر تو ایک نابینا کو مسجد میں جا کر نماز پڑھنے سے رخصت نہیں ہے، لیکن ہم سرے سے نماز پڑھتے ہی نہیں۔ اذان کی آواز ہمارے لیے ایک بے معنی شے ہوکر رہ گئی ہے کہ مولویوں کا تو کام ہی یہ ہے۔ ہم کیوں ناحق اپنا وقت ضائع کریں؟

نماز کی ہر حرکت پر بے شمار ثواب

اب بھی وقت ہے کہ ہم گناہوں کی زندگی سے باز آجائیں اور نماز کی پابندی کریں۔ کیونکہ

ہمارے آباؤ اجداد نماز میں پابندی کیا کرتے تھے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ہمارے پیارے رسول اللہ ﷺ بھی نماز کی از حد پابندی کیا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے خود ارشاد فرمایا ہے:

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ

آفتاب غروب ہونے اور طلوع ہونے سے قبل خدا کی تسبیح کیا کرو۔

یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ ابھی نورِ اسلام کا ظہور بھی نہیں تھا۔ اسلام کے نور کے ظہور کے بعد نبی کریم ﷺ پر پانچ وقت کی نماز فرض ہوئی۔

تذکرۃ الواعظین، صفحہ:2 میں حضرت کعب بن خبار سے مروی ہے کہ میں نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل کسی صحیفے میں پڑھا ہے کہ: اے موسیٰ! دو رکعت نماز ہوگی، جس کو میرا رسول محمد ﷺ اور اس کی اُمت پڑھا کریں گے، یہ فجر کی نماز ہے۔ جو شخص اسے پڑھتا رہے گا، میں اس کے دن اور رات کے گناہ بخش دوں گا۔ اے موسیٰ! چار رکعت نماز ہوگی، جس کو میرے محبوب کی اُمت پڑھا کرے گی، یہ نمازِ ظہر ہے جس کی پابندی کرنے والے کے لیے پہلی رکعت کے بدلے اس کی مغفرت کروں گا۔ دوسری رکعت میں نیکیوں کا پلہ بھاری کروں گا۔ تیسری رکعت میں ان پر فرشتے مقرر کروں گا، جو میری تسبیح اور ان کی مغفرت کی دعا کریں گے۔ چوتھی رکعت کے بدلے آسمان کے دروازے کھول دوں گا اور جنتی حوریں ان میں سے جھانکیں گی، میں ان سب کو ان کی زوجیت میں دے دوں گا۔ چار رکعت نمازِ عصر ہوگی، جس کو محمد ﷺ اور ان کے اہلِ اُمت ادا کریں گے۔ اس کے ثواب میں آسمان و زمین کا کوئی فرشتہ ایسا نہ ہوگا جو ان کے لیے دعائے مغفرت نہ کرے۔ جس کے لیے فرشتے دعائے مغفرت کریں گے، اسے کبھی عذاب نہ ہوگا۔ تین رکعت نمازِ مغرب ہوگی، جس کو محمد ﷺ اور ان کے اُمتی ادا کریں گے، میں ان کے لیے آسمان کے دروازے کھول دوں گا اور وہ اپنی جس حاجت کا اظہار کریں گی، میں اسے پورا کروں گا۔ چار رکعت نماز ہوگی جو شفق غائب ہونے پر حضرت محمد ﷺ اور ان کی امت ادا کریں گی۔ یہ نمازِ عشاء ہے جو اُن کے لیے دنیا جہاں سے بہتر ہے اور وہ ایسے ہو جائیں گے جیسے ابھی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے ہوں۔

تذکرۃ الواعظین، صفحہ:10 پر مرقوم ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب بندۂ مومن نماز کی ادائیگی کے لیے اللہ کے حضور آتا ہے اور اللہ اکبر کہتا ہے تو اپنے گناہوں سے یوں پاک ہو جاتا ہے گویا آج اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے اور جب سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے نامۂ اعمال میں اس کے جسم کے بالوں کی تعداد کے برابر ایک ماہ کی عبادت لکھنے کا حکم دیتا ہے اور اس کی قبر فراخ ہوتی ہے۔ پھر جب اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ کہتا ہے تو جانکنی کی سختی اس پر آسان ہوتی ہے اور جب بسم اللہ کہتا ہے تو اس کے نامۂ اعمال میں اللہ تعالیٰ چار ہزار نیکیاں لکھتا ہے اور چار ہزار برائیاں مٹا دیتا ہے، چار ہزار درجے بلند کرتا ہے۔ پھر سورۂ فاتحہ پڑھ کر حج یا عمرہ ادا کرنے کا ثواب پاتا ہے اور جب کہتا ہے سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ تو گویا کوہِ اُحد کے برابر سونا راہِ خدا میں خیرات کرتا ہے اور جب کہتا ہے سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ تو گویا اس نے آسمان سے نازل شدہ تمام کتابوں کا مطالعہ کر لیا اور جب سر اُٹھا کر سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ نگاہِ رحمت سے اس کو دیکھتا ہے اور جب سجدہ کرتا ہے تو قرآن مجید کی سورتوں اور تمام حرفوں کی تعداد کے برابر غلام آزاد کرنے کا ثواب ملتا ہے اور جب سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى کہتا ہے تو اللہ اس کے نامۂ اعمال میں جن و شیاطین اور انسان کی تعداد کے برابر نیکیاں درج کرتا ہے اور جب التحیات پڑھنے بیٹھتا ہے تو اللہ اس کو غازی جتنا ثواب دیتا ہے اور جب سلام پھیرتا ہے اور نماز سے فراغت پاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر دوزخ کے تمام دروازے بند کر دیتا ہے اور بہشت کے آٹھوں دروازے اس کے لیے کھول دیے جاتے ہیں، جس دروازے سے چاہے بلا روک ٹوک جنت میں داخل ہو جائے۔

اس طرح کی ایک روایت مجالسِ سنیہ، صفحہ:62 پر حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی مروی ہے، جس کا متن اوپر بیان کردہ باتوں کے ہی متعلق ہے۔

□□□

آٹھواں وعظ

نماز کی فضیلت

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ ۝

ترجمہ: بے شک نماز بے حیائی اور بُرے کاموں سے روکتی ہے۔

اس مادّی دنیا میں انسان کھانا کھاتے ہیں، کھانا کھانے سے ان کا مقصد فائدہ حاصل کرنا ہوتا ہے کہ پیٹ بھر جائے۔ انسان مکان تعمیر کرتے ہیں کہ آندھی اور بارش سے محفوظ رہا جائے۔ لباس زیب تن کرتے ہیں کہ لباس انسان کی زینت ہے، لباس انسان کی شخصیت کو سنوارتا اور نکھارتا ہے اور دوسروں کے سامنے انسان کی شخصیت کو اجاگر کرتا ہے۔ گرمی کی شدت سے بچنے کے لیے ایئر کنڈیشن (اے سی) لگواتا ہے۔ سردی سے بچاؤ کے واسطے گرم سوٹ تیار کرواتا ہے۔ بیماری سے شفا حاصل کرنے کے لیے دوا کا استعمال کرتا ہے۔ غرض کہ مادّی دنیا میں ہر وہ کام کیا جاتا ہے جس سے فائدہ ہو۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے نماز فرض فرمائی تاکہ انسان بے حیائی اور برے کاموں سے محفوظ رہے اور اس کی نجات کے سامان ہو جائیں۔ قرآن مجید میں خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ ۝

بے شک نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے۔

یہاں پر ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ بات غلط ہے، کیونکہ ایسے ہزاروں لوگ ہیں جو نمازی ہوتے ہوئے بھی بے حیائی اور برے کاموں کا ارتکاب کرتے ہیں۔ دراصل یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی نمازوں سے غافل ہوتے ہیں۔ کبھی نماز پڑھی کبھی نہ پڑھی۔ اگر پڑھی بھی تو جماعت اور وقت کی پابندی نہ کی۔ ایسے لوگ ایمانِ کامل کے حامل نہیں ہوتے۔ کیونکہ بے شک نماز

برائی اور بے حیائی کے کاموں سے روکتی ہے، یہ الفاظ حرف بہ حرف سچ ہیں۔ ان کی عظمت اور سچائی کی اور کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ یہ الفاظ کسی انسان کی ذہنی اختراع نہیں۔ کسی شاعر کی حسین غزل کا کوئی مصرعہ نہیں۔ کسی ادیب کا کوئی خوبصورت کوٹیشن نہیں، بلکہ یہ الفاظ بے مثل ہستی، اوّل سے آخر تک رہنے والی ہستی کے ہیں اور دنیا کے سب سے عظیم کلام قرآن مجید میں ہیں، اس لیے ہمیں ان الفاظ کی صداقت کو جھٹلانے کے لیے کوئی دلیل نہیں دینا چاہیے۔ علاوہ ازیں قرآن مجید کے آغاز میں ہی کہا گیا ہے: ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝

اس کتاب میں کوئی شک نہیں، پرہیزگاروں کے لیے ہدایت ہے۔

لہٰذا نماز بے حیائی اور برے کاموں سے منع کرتی ہے۔

نبی کریم ﷺ کی نبوت کا زریں دور تھا۔ توحید کا غلغلہ بلند ہو رہا تھا، نیکیاں بدیوں پر چھا رہی تھیں۔ جہالت کی تاریکیاں دور ہو رہی تھیں، نورِ الٰہی ہر سو فروزاں ہو رہا تھا۔ ایسے میں ایک شخص جو کہ نمازی تھا اور ساتھ ہی بدکردار بھی تھا۔ نماز کی بدولت تائب ہو جاتا ہے۔

اس واقعہ کو حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

كَانَ رَجُلٌ يُصَلِّي الْخَمْسَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ لَا يَدَعُ شَيْئاً مِنَ الْفَوَاحِشِ اِلَّا ارْتَكَبَهٗ فَاُخْبِرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِذٰلِكَ فَقَالَ اِنَّ صَلَاتَهٗ تَنْهَاهُ يَوْماً فَلَمْ يَلْبَثْ اَنْ تَابَ وَ حَسَّنَ فَقَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اَنَّ صَلٰوتَهٗ تَنْهَا يَوْماً ۝

ترجمہ: ایک شخص نمازِ پنج وقتہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ پڑھتا تھا، پھر ہر برا کام چھوڑنے کی بجائے اس کا مرتکب ہوتا تھا۔ لوگوں نے نبی کریم ﷺ کو مطلع کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا بے شک اس کی نماز اس کو (ان کاموں سے) روک دے گی۔ چند دن بعد وہ تائب ہو گیا اور اپنے حال کو سنوار لیا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ کیا تم کو نہیں کہتا تھا کہ اس کی نماز ایک دن اسے روک دے گی۔

اس حدیث شریف سے جو کہ نزہۃ المجالس کی پہلی جلد کے صفحہ 87 پر ہے، پتہ چلتا ہے

کہ نماز کی کتنی فضیلت ہے کہ اس کا قائم کرنے والا برے کاموں سے تائب ہو جاتا ہے۔ یہ حدیث مجالسِ سنیہ، صفحہ:67 پر بھی مرقوم ہے۔

حکایت: نزہۃ المجالس، جلد اوّل، صفحہ:87 پر اس حدیث کے بعد آگے چل کر ایک حکایت بیان کی گئی ہے، جس سے یہ پروف ملتا ہے کہ نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے۔

حکایت یوں ہے:

ایک شخص ایک خاتون کے عشق میں مبتلا ہو گیا۔ جب کوئی شخص کسی کے عشق میں مبتلا ہو جائے تو پھر اس کی سب سے بڑی خواہش اور تمنا یہی ہوتی ہے کہ اسے مطلوب و معشوق کا وصل حاصل رہے۔ اسی طرح وہ شخص بھی کچھ عرصہ بعد اپنی معشوقہ کے پاس وصال کی عرضی لے کر پہنچا۔ خاتون متقی اور پرہیزگار تھی۔ آج کل کی خواتین کی طرح آوارہ اور بے ہودہ نہیں تھی۔ آج کل کی خواتین کی طرح آزادیٔ نسواں کے نام پر عورت کی نسوانیت پامال نہیں کرتی تھی، بلکہ اللہ کے حضور سربسجود رہا کرتی، نیک تھی۔ اپنی زندگی اور اپنا جسم اپنے خاوند کے لیے وقف کرنا چاہتی تھی۔ لہٰذا اس نے عرضی وصال کو اپنے شوہر نامدار کے حضور باادب اور نہایت خوب صورت طریقے سے پیش کر دیا۔ وہ خاوند بھی نیک تھا۔ آج کل کے مَردوں کی طرح نہیں کہ اسے خاتون کی چال سمجھتا اور اس کو شکوک و شبہات کی صلیب پر لٹکا دیتا بلکہ وہ اللہ کا برگزیدہ بندہ تھا۔ پانچ وقت خدا کے حضور اپنی جبیں جھکاتا تھا۔ اس نے عرضِ وصال پر فیصلہ سنایا کہ عارض سے کہا جائے کہ وہ روزانہ اس خاتون کے خاوند کے پیچھے چالیس روز تک نماز بلاناغہ ادا کرے تو میں تمہاری ہر خواہش پر سرِ نیاز خم کر دوں گی۔ وہ عاشق بھی سچا عاشق تھا۔ آج کل کے نام نہاد عاشقوں کی طرح نہیں تھا جو چلتے ہوئے لڑکیوں پر آوازیں کستے ہیں۔ بلکہ وہ خلوصِ دل سے اس کا وصال چاہتا تھا۔ لہٰذا اس نے اپنی معشوقہ کے قول پر لبیک کہا اور اس کے خاوند کے پیچھے نماز پڑھنا شروع کر دی۔ روزانہ چالیس روز تک نماز پڑھتا رہا۔ چالیس روز بعد پھر جب بحکم خاوند خاتون نے اس شخص کو اپنے نفس کی طرف بلایا، مگر وہ شخص چالیس روز تک بلاناغہ پانچ مرتبہ ایک دن میں ہی وصال حاصل کرتا رہا تھا۔ اس خاتون کا نہیں بلکہ محبوبِ حقیقی کا وصال۔ اس کو اصل محبوب کا وصال ہو چکا تھا۔ لہٰذا اس نے جواب

دیا۔ مجھے اب تیری ضرورت نہیں رہی، کیونکہ میں ان جھوٹے وصالوں سے تائب ہو چکا ہوں۔ اس خاتون نے یہ بات اپنے خاوند کے گوش گزار کی، تو اس نے بے اختیار کہا:

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ فِيْ قَوْلِهٖ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ

ربِ کریم نے سچ فرمایا کہ نماز بے حیائی اور بُرے کاموں سے منع فرماتی ہے۔

نماز سے گناہگاروں کی بخشش ہوتی ہے

نماز کی بے شمار برکتیں ہیں۔ ایک عظیم برکت یہ بھی ہے کہ اس کی ادائیگی کرنے سے گناہوں کی بخشش ہو جاتی ہے۔ حضرت اعمش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے کہ ایک نماز دوسری نماز تک کے گناہوں کا کفارہ ہے۔ یعنی جب انسان صبح کی نماز ادا کرتا ہے تو عشاء کی نماز کے بعد سے لے کر اس وقت تک کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد انسان اپنے اپنے کاروبار کے لیے روانہ ہو جاتے ہیں اور کاروبار میں ہزارہا طریق سے ایڑا گیڑی کرتے ہیں۔ نمازِ ظہر کا وقت ہونے پر نمازِ ظہر ادا کرے تو صبح سے لے کر ظہر تک کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ عصر کی نماز ادا کرنے سے ظہر سے بعد کے گناہ بخش دیے جاتے ہیں اور نمازِ مغرب عصر کے بعد کے گناہ معاف کروانے کا سبب بن جاتی ہے اور مغرب سے عشاء تک سرزد ہونے والے گناہ نماز عشاء ادا کرنے سے معاف ہو جاتے ہیں۔

اس بات کی سچائی کے لیے چند احادیث مبارکہ پیش کی جاتی ہیں:

سب سے پہلی حدیث مشکوٰۃ، صفحہ:58 پر مرقوم ہے، جس کو حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسالت مآب کے زمانے میں ایک شخص شدتِ جذبات سے مغلوب ہو گیا اور بے قراری کی حالت میں ایک اجنبی خاتون کا بوسہ لے بیٹھا۔ بعد ازاں اسے احساسِ گناہ ہوا، وہ بہت نادم ہوا۔ دربارِ رسالت میں حاضر ہو کر اقبالِ جرم کیا اور بخشش کا طلب گار ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے فوراً اپنے محبوب پر وحی نازل کی: اَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ؕ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ۚ

نماز قائم کرو دن کے کناروں میں اور رات کی زلفیں بکھیرنے پر۔ بے شک نیکیاں

بدیوں کو رَد کرتی ہیں۔ یہ نصیحت ہے نصیحت (ماننے) والوں کے لیے۔

یعنی گناہ معاف ہو جاتے ہیں بشرطیکہ دن میں اور رات کے کچھ حصے میں عبادت بصورت نماز ادا کی جائے۔

جب اس شخص نے اپنا گناہ دامن سے اُترتا دیکھا تو خوشی سے سرشار لہجے میں عرض کیا: یارسول اللہ! اِلِیْ ھٰذَا ؟ اے اللہ کے رسول! کیا یہ مغفرت میرے لیے خاص ہے۔ ہمارے پیارے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: لِجَمِیْعِ اُمَّتِیْ کُلِّهِمْ ۔ نہیں بلکہ ساری اُمت کے لیے ہے۔

حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ حضور انور ﷺ کے حضور سلام پیش کرتے ہوئے ان کے جود و کرم کی مہربانیاں بیان کرتے ہیں:

ایک میرا ہی رحمت میں دعویٰ نہیں
شاہ کی ساری امت پر لاکھوں سلام

وہ کہتے ہیں کہ صرف اور صرف میں اکیلا ہی ان کے جود و کرم کا حقدار نہیں بلکہ میری تمنا ہے ان کی ساری اُمت پر ہی سلامتی ہو۔

مشکوٰۃ کے اسی صفحہ پر ایک دوسری حدیث موجود ہے جو یہ ثابت کرتی ہے کہ گناہوں کو جلانے کے لیے نماز سب سے بہترین بھٹی ہے۔ یہ حدیث حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں۔

اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ زَمَنَ الشِّتَاءِ وَالْوَرَقُ یَتَهَافَتُ فَاَخَذَ بِغُصْنَیْنِ مِنْ شَجَرَةٍ قَالَ فَجَعَلَ ذٰلِكَ الْوَرَقُ یَتَهَافَتُ قَالَ فَقَالَ یَا اَبَا ذَرٍّ قُلْتُ لَبَّیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اِنَّ الْعَبْدَ الْمُسْلِمَ یُصَلِّی الصَّلٰوةَ یُرِیْدُ بِهَا وَجْهَ اللّٰهِ فَتَهَافَتُ عَنْهُ ذُنُوْبُهٗ كَمَا تَهَافَتُ هٰذَا الْوَرَقُ عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ ۔

رسولِ اکرم ﷺ ایک مرتبہ سردیوں کے موسم میں نکلے۔ پتّے (درختوں سے) جھڑ رہے تھے۔ راوی کہتا ہے کہ آپ ﷺ نے درخت کی دو ٹہنیاں پکڑ کر فرمایا: ابوذر! میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! حاضر ہوں۔ فرمایا: بندہ مسلمان اللہ کی رضا کے لیے نماز پڑھتا ہے

تو اس کے گناہ جھڑ جاتے ہیں جیسا کہ اس درخت سے یہ پتے جھڑتے ہیں۔

نماز کی فضیلت کتنی ہے، اس کے بارے میں یہ ثبوت کافی ہے کہ نماز پڑھنے سے انسان کے تمام گناہ مٹ جاتے ہیں۔ یوں جیسے پانی جسم سے میل صاف کر دیتا ہے۔ اسی طرح نماز سے انسان کے گناہ دُھل جاتے ہیں۔

احادیث کی مشہور کتاب مشکوٰۃ، صفحہ:57 پر حضرت ابوہریرہ کا یہ قول منقول ہے:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اَرَاَیْتُمْ لَوْ اَنَّ نَهَر بِبَابِ اَحَدِكُمْ یَغْتَسِلُ مِنْهُ كُلَّ یَوْمٍ خَمْسَ مَرَّاتٍ هَلْ یَبْقٰی مِنْ دَرَنِهٖ شَیْءٌ قَالُوْا لَا یَبْقٰی مِنْ دَرَنِهٖ شَیْءٌ قَالَ فَذٰلِكَ مِثْلُ الصَّلَوٰتِ الْخَمْسِ یَمْحُو اللّٰهُ بِهِنَّ الْخَطَایَا ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ بتاؤ اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر نہر جاری ہو اور وہ ہر روز پانچ مرتبہ اس میں غسل کرتا ہو تو کیا اس کے میل سے کچھ باقی رہ جائے گا؟ انھوں نے عرض کیا: اس کے میل سے کچھ باقی نہ بچے گا۔ فرمایا: یہی مثال نماز کی ہے اور اللہ اس کی برکت سے گناہ مٹاتا ہے۔

انسان دن میں محنت مزدوری کرتا ہے، جس سے اس کے ہاتھ اور جسم پر گرد جم جاتی ہے جو کہ نہانے سے دور ہو جاتی ہے اور دوبارہ محنت مزدوری کرنے سے جسم پر گرد وغبار جم جاتا ہے، اس کو دور کرنے کے لیے انسان کو پھر نہانے کی ضرورت ہو گی۔ اسی طرح نماز پڑھنے سے انسان کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور پھر پانچ مرتبہ نماز پڑھنے سے انسان کے سارے دن کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور رات کو انسان اپنے تمام گناہوں سے یوں پاک اور صاف ہو جاتا ہے جیسے اس نے کبھی گناہ کیے ہی نہ ہوں۔

حکایت: مندرجہ بالا بات کو مزید واضح کرنے کے لیے ایک حکایت پیش خدمت ہے۔ یہ حکایت نزہۃ المجالس، جلد اوّل، صفحہ:90 پر مرقوم ہونے کے علاوہ مجالسِ سنیہ، صفحہ:68 پر بھی ہے۔ اس حکایت سے مندرجہ بالا تحریر کی مکمل وضاحت ہو جاتی ہے۔ حکایت کا مفہوم

یوں ہے:

ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر روح اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام یعنی حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سیر کے لیے نکلے۔ سیر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی قدرت کے نظارے ملاحظہ فرماتے ہوئے ایک سمندر کے کنارے جانکلے۔ وہاں پر آپ نے ایک خوبصورت اور حسین طائر کا مشاہدہ فرمایا کہ وہ خود کو کیچڑ کی گندگی سے آلودہ کر لیتا ہے اور پھر آبِ بحر میں نہا کر صاف ستھرا کر لیتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ حیران کن منظر ملاحظہ فرماتے رہے۔ جس سے آپ کو معلوم ہوا کہ اس خوبصورت طائر نے خود کو پانچ مرتبہ کیچڑ میں آلودہ کیا اور پانچ مرتبہ سمندر کے پانی سے غسل کیا اور پہلے کی طرح اس کے بدن کی چمک لوٹ آتی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ کی اس قدرت سے کوئی نتیجہ اخذ کرنے لگے، مگر کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ اللہ تعالیٰ بھی برسرِ عرشِ بریں حضرت عیسیٰ کی محویت اور حیرت کا مشاہدہ فرمارہا تھا۔ جب حضرت عیسیٰ کی سمجھ اللہ تعالیٰ کی اس رمز سے آگاہ نہ ہوسکی تو حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خداوند قدوس نے نازل فرمایا۔ انھوں نے عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں سلام عرض کیا اور کہا: یا نبی اللہ! اس پرندے کے اس عمل کو کرنے میں یہ بات پوشیدہ ہے کہ آخر الزماں نبی ﷺ کی امت کا بھی یہی حال ہوگا کہ وہ سرتاپا گناہوں میں لتھڑے ہوئے ہوں گے اور اس پرندہ کی طرح بحرِ صلوٰۃ میں پانچ مرتبہ غسل کرلیا کریں گے اور اس پرندے کی طرح چمکیلے ہوجائیں گے اور ان کے ابدان سے گناہوں کی سیاہی اسی طرح اُتر جائے گی، جیسے اس طائر کے جسم سے کیچڑ کی گندگی اترتی ہے۔

کشف الغمہ، جلد اوّل، صفحہ: 69 میں منقول ہے کہ ابن حبان حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ نماز ادا کرنے کے لیے بندہ جب آتا ہے تو اس کے سر پر گناہوں کا پلندہ ہوتا ہے جو کہ رکوع وسجود کرتے وقت گرجاتا ہے۔ روایت میں ہے:

رَوٰی اِبْنُ حِبَّانَ فِیْ صَحِیْحِہٖ مِنْ حَدِیْثِ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عُمَرَ مَرْفُوْعاً اَنَّ الْعَبْدَ اِذَا قَامَ یُصَلِّیْ اُتِیَ بِذُنُوْبِہٖ فَوُضِعَتْ عَلٰی رَأْسِہٖ اَوْ عَلٰی عَاتِقِہٖ فَکُلَّمَا رَکَعَ اَوْ سَجَدَ تَسَاقَتْ حَتّٰی لَا یَبْقٰی مِنْھَا شَیْئٌ ۝

ترجمہ: حضرت ابن حبان اپنی صحیح میں حضرت عبداللہ بن عمر سے راوی ہیں کہ بے شک جس وقت بندہ کھڑا ہوکر نماز شروع کرتا ہے تو گناہوں کو ساتھ لاتا ہے، جو اس کے سر اور کندھوں پر رکھے جاتے ہیں جب کہ رکوع وسجود کرتے وقت گرجاتے ہیں۔ یہاں تک کہ ایک گناہ بھی باقی نہیں رہتا۔

نماز مصائب دور کرنے کا وسیلہ ہے

انسانی زندگی میں دُکھ اور سکھ لازمی ہیں اور ان کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ انسان کے چاروں طرف خوشیاں ہی خوشیاں ہوتی ہیں۔ اسے کوئی غم نہیں ہوتا۔ اس کو کسی قسم کی کوئی فکر دامن گیر نہیں ہوتی۔ راوی ان کے لیے عیش ہی عیش لکھتا ہے، مگر یہ زمانہ اضداد کی جمع ہے۔ سائے کے ساتھ دھوپ ضرور ہے، اس لیے کہ سائے کا احساس قائم رہے۔ دن کے ساتھ رات ضرور ہے۔ بہار کے بعد خزاں کا دور ضرور ہوتا ہے۔ اسی طرح خوشیوں کے ساتھ انسان کو دکھوں کا سامنا ضرور کرنا پڑتا ہے۔ بالکل اسی طرح دکھوں کے بعد انسان خوشیوں سے ہمکنار ضرور ہوتا ہے۔ اس سے بعض اوقات انسان پر ہر طرف سے مصائب کی یلغار ہوجاتی ہے۔ اپنے، پرائے سب بیگانے بن جاتے ہیں اور یوں آنکھیں بدل لیتے ہیں جیسے کبھی شناسائی ہی نہ تھی۔ ایسی حالت میں جب انسان پر غم ورنج کے کوہِ گراں آگریں تو انسان کو ذرا بھی نہیں گھبرانا چاہیے بلکہ نماز کی طرف رجوع کرنا چاہیے کیونکہ نماز انسان کی سب سے بڑی مونس وغمگسار ہوتی ہے اور مصائب اس سے دور ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ۝

اے ایمان والو! مدد حاصل کرو صبر اور نماز سے، بے شک اللہ تعالیٰ صابروں کے ساتھ ہے۔

فائدہ: مندرجہ بالا آیاتِ مقدسہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو مصائب میں صبر کی تلقین کرتا ہے اور نماز ادا کرنے کی تاکید فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نماز کی برکت سے اس کے مصائب دور فرمادیتا ہے۔

بڑے بڑے مفکروں کو جب کسی مسئلے کی سمجھ نہ آئی تو وہ اللہ کے حضور سر جھکا کر دعا کرتے تھے اور نماز میں خدا سے مدد مانگا کرتے تھے۔ نماز کی برکت سے ان کا وہ مسئلہ حل ہو جایا کرتا تھا۔ اسی طرح ہمارے پیارے رسول ﷺ کا عمل اس بات پر شاہد ہے کہ نماز مصائب میں کمی واقع کرتی ہے: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا حَزَنَهٗ اَمْرٌ فَرَجَعَ اِلَى الصَّلٰوةِ۔ (مشکوٰۃ، صفحہ:117)

ترجمہ: نبی کریم ﷺ کو جب مشکل امر پیش آتا ہے تو آپ ﷺ نماز کی طرف توجہ فرماتے۔

نماز چونکہ سراپا جود وکرم ہے اور اللہ کو محبوب وپسندیدہ عمل ہے، اس لیے نماز کی طرف توجہ کرنا دراصل اللہ کی طرف توجہ کرنا ہے اور جب بندہ اللہ کی طرف توجہ کرتا ہے تو پھر اللہ بھی بندے کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور جب اللہ بندے کی طرف متوجہ ہو جائے تو پھر مصیبت اور پریشانی کا کیا کام۔ حضرت ابوداؤد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب آندھی چلتی تو حضور ﷺ مسجد میں تشریف لے جاتے اور جب تک آندھی تھم نہ جاتی، آپ مسجد سے باہر نہ نکلتے۔ اسی طرح چاند گرہن اور سورج گرہن کے آثار ہوتے تو حضور ﷺ فوراً نماز کی طرف متوجہ ہو جاتے۔ حضرت آدم سے لے کر بعد کے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا بھی یہی معمول تھا کہ جب بھی پریشانی آئی، اللہ کے حضور متوجہ ہو جاتے۔ مثلاً جب حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مچھلی نے نگل لیا تو آپ فوراً خدا کی نماز میں مشغول ہو گئے اور نماز کی برکت سے مچھلی کے پیٹ میں محفوظ رہے۔ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم پر طوفان آیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو حکم دیا کہ جو اللہ کے برگزیدہ بندے ہیں، ان کو اپنے ساتھ لے لو اور کشتی میں سوار ہو جاؤ۔ آپ نے ایسا ہی کیا اور ایک بڑھیا سے وعدہ کر لیا کہ جب طوفان آئے گا تو مَیں تم کو ساتھ کشتی میں لے جاؤں گا۔ بڑھیا کہنے لگی ٹھیک ہے بیٹا۔ بڑھیا سے وعدہ ہو گیا مگر جب طوفان آیا تو حضرت نوح کو اس بڑھیا کے متعلق مطلق خیال نہ آیا۔ طوفان آکر اپنی تباہیاں پھیلاتا رہا اور بڑھیا اپنی کٹیا میں اللہ کی ثنا میں مشغول رہی۔ طوفان گزر جانے کے بعد حضرت نوح کو بڑھیا کا خیال آیا اور افسوس ہوا کہ بڑھیا بے چاری طوفان کی دشنام طرازیوں

کی نذر ہو گئی ہو گی، مگر جب آپ اس کی کٹیا کے پاس سے گزرے تو دیکھا کہ بڑھیا اپنی کٹیا میں موجود ہے اور رب کی ثنا میں مشغول ہے۔ آپ نے اس کو سلام کیا۔ بڑھیا بولی: بیٹے! کیا طوفان آ گیا؟ آپ نے جواب دیا: اماں جان! طوفان تو آکر گزر بھی گیا۔ کیا آپ کو خبر نہیں ہوئی؟ بڑھیا بولی: بیٹا! میں ثنا میں مشغول ہوں، مجھے مطلق علم نہیں۔

اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور تسبیح وتہلیل کی کتنی برکت ہے کہ اس کے باعث بڑھیا کو طوفان کے متعلق کوئی پتہ نہ چلا۔ اور نماز سب عبادات سے افضل ہے، اس کی فضیلت کی دلیل اور کیا ہو گی۔

حکایت: نزہۃ المجالس، جلد اوّل، صفحہ:9 پر ایک حکایت مرقوم ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک خاتون نیک بخت اور صالحہ تھی۔ صوم وصلوٰۃ کی ازحد پابند تھی، مگر شومئ قسمت! اس کا خاوند بڑا ظالم اور کافر شخص تھا۔ اللہ کی وحدانیت کا منکر تھا اور اپنی بیوی کو بھی نماز سے روکتا تھا اور زدوکوب کرتا تھا، مگر وہ خاتون نماز نہ چھوڑتی تھی۔ خاوند تنگ آ گیا۔ برافروختہ ہوا اور تجویز سوچی کہ فلاں ترکیب سے اس عورت کو نماز سے روکا جا سکتا ہے۔ اس نے تجویز پر عمل کیا۔ اس نے کچھ مال اپنی بیوی کو دے کر کہا کہ اس کو گھر میں کسی محفوظ جگہ پر رکھو۔ بوقتِ ضرورت میں تم سے لے لوں گا۔ خاتون نے مال کو لے کر ایک محفوظ جگہ پر رکھ دیا۔ کچھ دن بعد شوہر نے مال اُٹھایا اور جا کر دریا میں پھینک دیا۔ اب اللہ تعالیٰ بھی اس کی نیت بد سے واقف ہے اور دیکھئے کہ کس طرح اپنے بندوں کی مدد کرتا ہے۔ وہ مال ایک مچھلی نے نگل لیا۔ ایک ماہی گیر نے جال پھینکا۔ مچھلی جال میں آ پھنسی اور بیچنے کے لیے بازار میں لے آیا۔ اتفاقاً وہی مچھلی اس خاوند نے خریدی اور پکانے کے لیے گھر لے آیا۔ خاتون نے مچھلی پکانے کے لیے اس کا پیٹ چاک کیا تو وہی مال پیٹ سے برآمد ہوا۔ خاتون حیران ہوئی، کچھ سمجھی کچھ نہ سمجھی۔ بہر حال وہ مال محفوظ جگہ پر رکھ دیا۔ اب خاوند نے اپنی تجویز کے مطابق خاتون سے مال طلب کیا کہ فلاں دن میں نے تمھیں جو مال دیا تھا وہ لاؤ۔ خاتون نے وہ مال نکال کر خاوند کے سپرد کر دیا۔ مال پا کر خاوند بہت حیران ہوا کہ یہ مال تو میں نے دریا میں پھینک دیا تھا، یہاں کیسے آیا۔ ظالم خاوند نے سوچا کہ اس میں ضرور خاتون کی کچھ چال ہے۔ اس نے واقعہ سے عبرت حاصل کرنے کی بجائے اپنی بیوی کو تنور میں ڈال دیا تا کہ اس میں جل کر راکھ ہو

جائے۔ تنور میں گرتے ہی خاتون نے بارگاہِ الٰہی میں التجا کی یا اللہ! میں ہمیشہ نماز پڑھتی رہی ہوں۔ نماز کے صدقے آج میری عزت رکھ لے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا قبول فرمائی اور تنور کی گرمی کو ٹھنڈک میں بدل دیا۔ اس طرح اس نیک خاتون کی جان بچ گئی۔

اسی طرح نماز کی فضیلت کے سلسلے میں ایک حکایت ہے، جس کو بزرگ حضرات بیان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ڈاکوؤں کے ایک گروہ نے ایک امیر آدمی کے مکان میں ڈاکہ ڈالنے کی غرض سے نقب زنی کی۔ اتفاقاً صاحبِ خانہ کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے شور مچایا۔ اہلِ محلہ جاگ پڑے۔ ڈاکوؤں نے راہِ فرار اختیا کی۔ اہلِ محلہ نے ان کا پیچھا کیا۔ ڈاکو بھاگ رہے تھے اور لوگ پیچھے آرہے تھے۔ راستے میں ڈاکوؤں کو ایک مسجد نظر آئی۔ انھیں کچھ اور تو نہ سوجھا۔ فوراً مسجد میں داخل ہو گئے اور نمازیوں کی سی صورت بنا کر بیٹھ گئے۔ لوگ بھی ان کو تلاش کرتے ہوئے مسجد تک آئے۔ دیکھا کہ چند آدمی نماز میں مصروف ہیں۔ ان کے علاوہ مسجد میں کوئی نہیں۔ کہنے لگے کہ چور کہیں نکل گئے۔ چنانچہ وہ لوگ ناکام واپس لوٹ گئے۔ چوروں کا سرغنہ بولا: اے میرے ہم نشینو! اگر آج ہم نماز کی صورت بنا کر نہ بیٹھتے تو ضرور دھر لیے جاتے اور ذلت و رسوائی ہمارا مقدر ہوتی۔ صرف نماز کی صورت اختیار کرنے کی یہ برکت ہے کہ ہم ذلت و رسوائی سے بچ گئے ہیں۔ اگر ہم فی الواقع نماز کو درست طور پر اپنا لیں تو دوزخ کی مصیبت سے بھی اللہ ہم کو بچا لے گا۔ اس لیے میرے ہم نشینو! میں آج سے تائب ہوتا ہوں۔ گناہوں کی زندگی پر لعنت بھیجتا ہوں اور اللہ کا نیک بندہ بنتا ہوں۔ اس کے ساتھی کہنے لگے: سردار! جب آپ نے توبہ کر لی تو پھر ہم بھی آپ کے قول پر لبیک کہتے ہیں۔ چنانچہ انھوں نے بھی دل سے توبہ کی اور ان کا شمار متقی و پرہیز گاروں میں ہونے لگا۔

حکایت: نماز کی برکت بڑے بڑے بگڑے کام سنوار دیتا ہے۔ نزہۃ المجالس، صفحہ: 89 اور مجالس سنیہ 6 پر یہ حکایت درج ہے کہ حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا زمانہ تھا۔ ایک خاتون نیک، صالح تھی۔ اس نے ایک مرتبہ تنور میں روٹیاں لگائیں۔ ابھی روٹیاں تنور میں ہی تھی کہ نماز کا وقت ہو گیا۔ خاتون نے وضو کیا اور نماز شروع کر

دی۔ شیطان نماز کی یہ پابندی دیکھ کر جل بھن کر کباب ہو گیا۔ خاتون کے ایمان میں خلل ڈالنے کے لیے اس نے ایک خاتون کا بہروپ بھرا اور اس خاتون کے پاس آکر بولا۔ بی بی! تیری روٹیاں تنور میں جلی جا رہی ہیں۔ مگر جن لوگوں کو آتشِ دوزخ میں جلنے کا ڈر ہوتا ہے، جن کے دلوں میں ایمانِ کامل ہو روٹیوں کے جلنے کا عمل انھیں عبادت سے ہٹا نہیں سکتا۔ ان کے پایۂ استقامت میں بڑے بڑے خطرات بھی لغزش نہیں لا سکتے۔ اس طرح اللہ کی اس بندی نے شیطانِ لعین کی بات پر بالکل توجہ نہ کی، بلکہ اللہ کی نماز میں مشغول رہی۔ شیطان نے جب دیکھا کہ خاتون پر اس کے فریب کا کچھ اثر نہیں ہوا۔ اس نے خاتون کے معصوم بچے کو کھیلتے ہوئے اُٹھایا اور تنور کے گرم انگاروں کے سپرد کر دیا۔ اسی اثنا میں اس خاتون کا خاوند گھر آیا۔ اس نے دیکھا کہ اس کا بچہ تنور میں گرم انگاروں سے کھیل رہا ہے، جن کو اللہ تعالیٰ نے عقیق احمر کی صورت بنا دیا تھا۔ یہ ماجرا، یہ قصہ جب اللہ کے پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سنایا گیا تو انھوں نے اس خاتون کو بلایا اور پوچھا:

اے بی بی! تو کون سا عمل کرتی ہے۔ اس نے عرض کیا: یا روح اللہ! صرف اتنی سی بات ہے کہ جب بے وضو ہوتی ہوں، تو وضو کر لیتی ہوں۔ جب وضو کر لیتی ہوں تو نماز پڑھتی ہوں اور جو کوئی اپنی حاجت پیش کرتا ہے، اس کی حاجت روائی کرتی ہوں اور لوگوں کی تکالیف پر صبر کرتی ہوں۔

حکایت: ہمارے بزرگ اس حکایت کو بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک درباری سے کوئی سخت جرم سرزد ہو گیا۔ اس جرم کی پاداش میں بادشاہ نے حکم دیا کہ چوبیس گھنٹے کے اندر اندر اس کا ملک چھوڑ دے۔ درباری گھر لوٹ آیا اور پریشان ہو کر بیٹھ گیا کہ چوبیس گھنٹے کے اندر ملک کیسے چھوڑ دوں۔ اس کی ایک لڑکی تھی، کمال کی عقلمند تھی۔ کہنے لگی: ابو جان! آپ یوں حیران و پریشان کیوں بیٹھے ہیں؟ اس سے قبل تو کبھی میں نے آپ کو ایسی حالت میں نہیں دیکھا۔ بتایئے نا ابو جان! شاید میں آپ کی کچھ مدد کر سکوں۔ اس نے اپنی بیٹی سے کہا: میری لختِ جگر! میری پیاری بیٹی! آج تو جی بھر کر میرا دیدار کر لے۔ آج جی بھر کر مجھ سے باتیں کر لے، کیونکہ اب ہمارا وصال دائمی فراق میں تبدیل ہونے والا ہے۔ آج کے بعد تو میری صورت کو ترسے گی۔ بیٹی تڑپ کر بولی: ابو جان! حاکم بدعقل آپ کو مجھ سے کیوں دور کر رہے ہیں؟ ایسی کیا بات ہوئی؟ آپ کیوں مایوسی کی

باتیں کررہے ہیں؟

باپ بولا: بیٹی! یہ باتیں کرتے ہوئے میرے دل پر بھی چھریاں چل رہی ہیں، مگر حقیقت بہر کیف حقیقت ہوتی ہے۔ اس سے چشم پوشی کسی طور پر بھی ممکن نہیں ہے۔ ہونی کو کوئی نہیں روک سکتا۔ انسان خواہ لاکھ سعی کرے، مگر ہونی ہو کر رہتی ہے۔ یہاں پر انسان کے تمام مادی وسائل دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔ یہاں پر انسان خود کو بالکل بے بس محسوس کرتا ہے۔ بیٹی بولی، ابوجان! پ بتائیں تو سہی۔ باپ بولا: ہاں بیٹی! تجھے بتانا ہی ہوگا، کیونکہ آج کے بعد میں تجھ سے ہمیشہ کے لیے بچھڑ جاؤں گا۔ سنو! بیٹی، مجھ سے فلاں جرم سرزد ہو گیا ہے۔ بادشاہ سخت طیش میں ہے۔ اس نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں چوبیس گھنٹے کے اندر اندر اس ملک سے نکل جاؤں۔ چوبیس گھنٹے کے اندر ملک چھوڑنا ناممکن ہے۔ جب بادشاہ کے پیادے مجھے یہاں موجود پائیں گے، پکڑ کر لے جائیں گے اور بادشاہ مجھے ہلاک کرادے گا۔ یہ باتیں سن کر بیٹی مسکرائی۔ باپ بولا: بیٹی! کل کو میری موت آنے والی ہے اور تو مسکرا رہی ہے۔ بیٹی بولی: ابوجان! آپ فکر نہ کریں۔ ان شاء اللہ بادشاہ آپ کا بال بھی بیکا نہ کرسکے گا۔ بس آپ بے فکر ہو جائیں اور اطمینان سے سو جائیں۔ باپ حیران ہوا مگر وہ بیٹی کی ذہانت کا بھی معترف تھا۔ مطمئن ہو گیا کہ چلو دیکھیں کیا ہوتا ہے۔ جب وقت گزرنے کے قریب آیا تو بیٹی بولی: ابوجان! آپ مسجد میں چلے جائیں اور نماز کی حالت بنالیں۔ وقت مقررہ پر بادشاہ کے درباری اس کی تلاش میں نکلے۔ پتہ چلا کہ وہ اپنے گھر کے قریب مسجد میں مصروفِ نماز ہے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کو پکڑ کر قتل کر دیا جائے۔ پیادے شش و پنج میں پڑ گئے کہ وہ نماز میں مصروف ہے، ہم اس کو کیسے پکڑیں۔ بادشاہ نے علما سے مشورہ طلب کیا۔ علما نے جواب دیا: بادشاہ سلامت! آپ نے اس کو اپنے ملک سے نکل جانے کا حکم دیا تھا۔ آپ کے حکم کے مطابق وہ آپ کے ملک سے نکل گیا ہے۔ اب وہ بادشاہِ حقیقی کے ملک میں محوِ عبادت ہے۔ یہاں پر آپ کی حکومت نہیں ہے۔ لہٰذا اس کو قتل کرنے کے احکام واپس لیے جائیں۔ بادشاہ بے بس ہو گیا اور اس کو حکمِ قتل واپس لینا پڑا اور یوں نماز کی بدولت اس شخص کی جان بچ گئی۔

تذکرۃ الواعظین، صفحہ: 7 پر مرقوم ہے کہ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت

ہے کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ نمازی پر اللہ تعالیٰ تین اعزاز فرماتا ہے:

1- فلک سے لے کر اس کے سر تک خیر و برکت کی بارش ہوتی رہتی ہے۔
2- اس کے پاؤں سے لے کر آسمان کی بلندی تک ملائکہ اس کی حفاظت کرتے ہیں۔
3- ایک فرشتہ ندا کرتا ہے کہ یہ نمازی بندہ خیال کرتا ہے کہ کس ذات پاک سے یہ راز و نیاز کر رہا ہے تو ہرگز نماز میں کسی اور شے کی طرف متوجہ نہ ہو۔ ہر قسم کے کرامات و اعزازات نمازی کے لیے ہیں۔

تنبیہ الرجال میں ہے کہ جو شخص پانچوں نمازیں وقت پر ادا کرے اور کبھی کوئی نماز نہ چھوڑے تو ایسے شخص کے لیے اللہ جل شانہ 13 اعزازات عطا فرماتا ہے جو مندرجہ ذیل ہیں:

1- اس کو اللہ سے محبت ہو جائے گی۔
2- اس کا بدن بیماریوں سے پاک و محفوظ رہے گا۔
3- وہ فرشتوں کے حصار میں رہے گا، جو اس کی حفاظت کے لیے مامور ہوں گے۔
4- اس کے اہلِ خانہ پر برکت نازل ہوگی۔
5- اس کے بستر پر پاک لوگوں کے آثار ہوں گے۔
6- اللہ اس کو عذابِ قبر سے بچائے گا۔
7- پل صراط سے آندھی کی طرح گزر جائے گا۔
8- اللہ اس کو دوزخ کے عذاب سے رہائی دے گا۔
9- حساب کتاب کی سختی نہ ہوگی۔
10- قیامت کے روز حضرت محمد ﷺ اس کے شفیع بن جائیں گے۔
11- حق تعالیٰ اس کو مالدار لوگوں کے روبرو خلعتِ اطاعت فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:
لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ اولیاء اللہ کو کوئی غم اور خوف نہیں ہوتا۔
12- سب سے بڑھ کر آخر میں اللہ کا دیدار ہوگا۔

سبحان اللہ! نماز ادا کرنے سے اللہ تعالیٰ سے محبت ہو جاتی ہے اور جس شخص کو اللہ سے محبت ہو جائے، اسے گویا دونوں عالم کی محبت حاصل ہوتی ہے اور پھر سب سے بڑا انعام یہ

ہے کہ اللہ تعالیٰ کے جمالِ پرنور کا دیدار کرنے کی سعادت ہوجاتی ہے۔

تذکرۃ الواعظین، صفحہ:8 میں ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ نماز دین کا ستون ہے اور اس کے ادا کرنے میں دس عمدہ باتیں حاصل ہوتی ہیں:

1- دنیا اور عقبیٰ میں عزت و آبرو حاصل ہوتی ہے۔
2- حصولِ علم و نیکی میں قلبی نور حاصل ہوتا ہے۔
3- بدن تمام بیماریوں سے محفوظ رہتا ہے۔
4- پروردگارِ عالم کی رحمت کا نزول ہوتا ہے۔
5- عبادتِ الٰہی دعا کے قبول ہونے میں کلید فلک ہے۔
6- نماز قبر کی تاریکیوں میں تنہائی کی رفیق ہوتی ہے۔
7- نماز نیکیوں کے پلڑے کو جھکا دیتی ہے۔
8- حور و قصور کے ساتھ ساتھ طرح طرح کے میوہ جات کھانے کو ملیں گے۔
9- روزِ محشر اللہ تعالیٰ راضی ہوگا۔
10- بہشت کی دل پسند نعمتوں کے علاوہ اللہ کا دیدار ہوگا۔

تنبیۃ الفاعلین میں حضرت محمد ابن داؤد رحمۃ اللہ علیہ آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے نماز کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ نماز اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور فرشتوں کی محبت حاصل کرنے کا وسیلہ ہے۔ نماز انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کا طریقہ ہے۔ نماز معرفتِ الٰہی کا خزانہ ہے۔ ایمان کی اصل بنیاد ہے۔ دعا اور اعمال کے قبول ہونے کا ذریعہ ہے۔ رزق کی برکت ہے۔ بدن کے لیے باعثِ سرور و راحت ہے۔ دشمنوں کے لیے آلۂ جنگ ہے۔ شیطان کی نفرت کا سبب ہے۔ اللہ کے سامنے سفارش کرے گی۔ ملک الموت کے لیے شفیق ہے۔ قبر کی قندیل ہے۔ قبر کا بچھونا ہے۔ منکر و نکیر کے سوالوں کا جواب ہے۔ موت و زندگی کی انیس ہے اور قبر میں قیامت کے دن تک ساتھ دے گی۔ جب قیامت برپا ہوگی اور میزانِ عدل قائم ہوگا تو نمازی کے لیے سایہ، اس کے سر کا تاج، اس کے جسم کا لباس اور ایسا نور ہوگی جو اس کے سامنے نظر آئے گا۔ نماز جہنم کے درمیان پردہ بن کر حائل ہوجائے

گی اور اللہ کے حضور نمازیوں کے لیے مغفرت کرے گا۔ میزانِ عمل میں نیکیوں کا پلہ جھکا دے گی۔ پل صراط پر سواری کے کام آئے گی۔ جنت کی کلید بن جائے گی، کیونکہ نماز میں اللہ کی تسبیح ہوتی ہے۔ اس کی حمد، پاکی اور عظمت کا اقرار کیا جاتا ہے۔ الغرض نماز بے شمار دنیاوی و اُخروی فوائد کی حامل ہے۔ اس کے ادا کرنے سے ایمان ٹھیک ہے۔ بصورتِ دیگر ایمان میں شبہ ہے۔

نماز اللہ اور بندے کے درمیان ہر قسم کے ریا، فریب اور دھوکے سے پاک سودا ہے۔ سب سے لطف کی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سودے میں انسان کو بے پناہ فوائد دیتا ہے۔ نہ اس سے کوئی قیمت وصول کرتا ہے اور نہ کوئی چیز اس سے لیتا ہے، بلکہ نماز کو بطور امانت اپنے پاس رکھ لیتا ہے کہ قیامت کے دن واپس کی جائے گی اور ہمارے فائدے کی ضامن ہوگی اور پھر اس سودے میں انسان کو فائدہ ہی فائدہ ہے۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ لہٰذا ہمیں یہ سودا منظور کرنا چاہیے۔ اللہ ہمیں اس کی توفیق دے۔

□□□

نواں وعظ

نمازِ باجماعت کی فضیلت

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ۝

ترجمہ: اور رکوع کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ

آج سے ہزاروں لاکھوں سال قبل انسان تنہا زندگی بسر کرنے کا عادی تھا۔ اسے اپنی ضروریاتِ زندگی پوری کرنے کے لیے تنہا ہی جدوجہد کرنا پڑی تھی، جس کی وجہ سے اس کو ازحد مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ زندگی کی ہر لمحہ بڑھتی ہوئی ضروریات باہم مل کر زندگی گزارنے کا تقاضا کر رہی تھی۔ مجبور ہو کر انسان نے وقت اور زندگی کی بڑھتی ہوئی ضروریات کے تقاضے کو اپنایا اور مل جل کر ایک معاشرہ تشکیل دیا، جس سے ضروریاتِ زندگی بآسانی حاصل ہونے لگیں۔ مل جل کر رہنے سے میل ملاپ بڑھا اور آپس میں محبت پیدا ہوئی اور اسی محبت کے باعث انسان خود کو پیش آنے والے مصائب کا مقابلہ مل جل کر کرنے لگے اور آہستہ آہستہ یہ میل ملاپ اور اتحاد اتنا بڑھا کہ انسانی زندگی کا جزوِ لاینفک بن گیا۔ مفکروں نے اتحاد کے متعلق بہت کچھ کہا۔ مثلاً ایک نے کہا 'اتفاق میں برکت ہے'۔ اسی کو انگلش میں یوں کہتے ہیں "Strenght is mighty"۔

دنیا میں اتحاد اور اتفاق کی سب سے زیادہ تعلیم دینے والا اسلام ہے۔ اسلام مسلمانوں کو خاص طور پر اور دیگر لوگوں کو عام طور پر اتفاق کی تعلیم دیتا ہے۔ قرآن مجید کی سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ۝ رکوع کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ۔

یعنی اکٹھے مل کر جماعت کی صورت میں نماز ادا کرو، کیونکہ نماز باجماعت پڑھنے سے

آپس میں محبت واخوت پیدا ہوتی ہے اور مساوات قائم ہوتی ہے۔ اسی لیے اللہ اور اس کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نماز باجماعت پڑھنے کی تاکید فرمائی اور بار بار تاکید فرمائی۔

نماز باجماعت پڑھنے سے 27 درجہ زیادہ ثواب ہوتا ہے

مشکوٰۃ، صفحہ: 59 پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد گرامی منقول ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ تنہا نماز پڑھنے کی بجائے باجماعت نماز پڑھنے سے 27 درجہ زیادہ ثواب ملتا ہے:

عَنْ اِبْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةُ الْجَمَاعَةِ تَفْضَلُ صَلٰوةَ الْمُنْفَرِدِ بِسَبْعٍ وَّعِشْرِيْنَ دَرَجَةً ۝

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: باجماعت نماز پڑھنا تنہا نماز پڑھنے سے ستائیس درجہ بڑھ کر ہے۔

یہی نہیں بلکہ نماز باجماعت کے ہزار ہا فائدے ہیں۔

تنبیہ ابو اللیث میں ہے: جو شخص ہمیشہ پنج وقتہ نماز باجماعت ادا کرتا رہا۔ اللہ تعالیٰ اس کے لیے پانچ باتیں مخصوص کرتا ہے:

1- تنگ دستی دور کرتا ہے۔
2- عذابِ قبر سے نجات دے دیتا ہے۔
3- قیامت کے دن اس کا نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔
4- پل صراط سے تیز اُڑنے والے پرندے کی طرح گزر جائے گا۔
5- بلا حساب و کتاب جنت میں داخل ہوگا۔

اور جو شخص پنج وقتہ نماز کی جماعت میں سستی کرے، اللہ تعالیٰ اس کو بارہ عذابوں میں مبتلا کرتا ہے۔ تین عذاب دنیا میں۔ تین عذاب بوقت مرگ۔ تین عذاب قبر میں اور تین عذاب روزِ قیامت۔

دنیاوی عذاب یہ ہے

1- کمائی میں برکت نہ رہے گی۔

2- اس کے چہرے سے نیکی اور فلاح کی علامت مٹ جائے گی۔
3- لوگوں کے دلوں میں اس کے خلاف نفرت اور عداوت پیدا ہوگی۔

بوقتِ مرگ تین عذاب یہ ہیں

1- جانکنی بھوک کی حالت میں ہوگی۔
2- پیاس کی حالت میں ہوگی۔
3- جانکنی میں اذیت ہوگی۔

قبر کے تین عذاب یہ ہیں

1- منکر اور نکیر کے سوالات سختی سے ہوں گے۔
2- قبر اندھیری ہوگی۔
3- قبر تنگ ہوگی۔

قیامت کے دن کے تین عذاب یہ ہیں

1- حساب و کتاب میں سختی سے کام لیا جائے گا۔
2- اللہ تعالیٰ اس پر غضبناک ہوگا۔
3- جہنم اس پر سخت ہوگی۔

گویا نماز کی جماعت ترک کرنے سے دنیا اور آخرت دونوں عالم میں خسارہ ہی خسارہ ہے اور نماز کی جماعت قائم کرنے والا دنیا میں بھی سرخرو ہوگا اور آخرت میں بھی کامیابی اس کے قدم چومے گی۔

تنبیہ الرجال میں ہے کہ جو شخص نماز پنج وقتہ جماعت سے ادا کرتا ہے، کرتا رہے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کو پانچ نعمتیں عطا فرماتا ہے:

1- عذابِ قبر سے محفوظ رہے گا۔
2- قبر میں جنت کی خوشبوئیں اور وہاں کی ہوائیں اس کے دماغ کو تروتازہ کریں گی۔

3- قیامت کے دن حساب و کتاب میں آسانی ہوگی۔
4- پل صراط سے چمکتی ہوئی بجلی کی طرح گزر جائے گا۔
5- اس کو جنت کی شراب طہور پلائی جائے گی۔

تذکرۃ الواعظین، صفحہ: 21 پر حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت محمد ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ جو شخص نماز فجر باجماعت ادا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو ہزار شہدا اور ہزار مجاہدین کا ثواب عطا فرماتا ہے۔ جنھوں نے راہِ خدا میں جہاد کیا، گویا اس نے ہزار گھوڑے نمازیوں کو اللہ کی خوشنودی کے لیے دیے۔ اور جس نے نمازِ ظہر جماعت کے ساتھ ادا کی، اللہ تعالیٰ ظہر کی ہر رکعت کے بدلے جنت میں ستر محل تیار کرے گا۔ ہر محل میں 70 لونڈیاں معمور ہوں گی اور جو شخص نمازِ عصر جماعت سے ادا کرے، اللہ تعالیٰ روزِ محشر کی پیاس میں اس کو بہشت کی وہ پاکیزہ اور سربمہر شراب پلائے گا، جس کی مہک مشک کی ہوگی اور وہ آدمی روزِ قیامت ستر آدمیوں کے لیے شفیع بنے گا جو کہ دوزخ کے حق دار بن چکے ہوں گے اور اس کو ہر رکعت کے بدلے بیت اللہ کے 70 حجوں کا ثواب ملے گا۔ اور جو شخص مغرب کی نماز باجماعت ادا کرے، اللہ تعالیٰ اس کو اپنے ان بندوں کا مقرر کردہ ثواب دے گا، جن کے متعلق یہ کہا گیا ہے:

لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ۔ اولیاء اللہ کو کسی قسم کا ڈر اور خوف نہیں ہوتا۔

اور ایسے شخص قیامت کے دن غمناک نہیں ہوں گے اور ان کا حشر بڑے رتبہ کے شہدا سے ہوگا اور بہشت میں انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ہمسائیگی کا شرف پائے گا۔

جو شخص عشا کی نماز جماعت سے ادا کرے، اللہ تعالیٰ اس سے ہر قسم کی بلا اور آفتیں اور امراض دور فرمادے گا۔ ایسے امراض جن میں سے کم تر درجہ کے امراض جنون، جزام اور برص ہیں اور اس کا چہرہ دونوں جہانوں میں چودھویں کے چاند کی طرح تاباں ہوگا۔

سبحان اللہ! کیا ہم ایسی باتوں کا دنیا میں تصور کر سکتے ہیں؟ جو باجماعت نماز ادا کرنے والے نمازی کو اللہ تعالیٰ روزِ محشر عطا کرے گا۔

تذکرۃ الواعظین، صفحہ: 17,16 پر حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت منقول ہے

کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ نمازِ ظہر کے بعد جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام 70 ہزار فرشتوں کے جلو میں میرے پاس آئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! (ﷺ) میں آپ کے لیے دو تحفے لایا ہوں۔ جن میں سے ایک کا تذکرہ کیا جاتا ہے، کیونکہ وہ ہی ہمارا موضوعِ سخن ہے۔

وہ یہ ہے کہ نماز پنج گانہ اپنے وقت پر ادا کرنا۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کہ میری امت کے لیے کیا ثواب ہے؟ جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عرض کیا جب دو آدمی نماز جماعت کے ساتھ ادا کریں اور تکبیر اولیٰ پا جائیں تو اللہ تعالیٰ ہر رکعت کے بدلے سو نمازوں کا ثواب عطا فرمائے گا۔ اگر چار ہوں تو پھر ہر رکعت کے بدلے چھ سو نمازوں کا ثواب اور اگر پانچ ہوں تو ہر ایک کے لیے ہر رکعت کے بدلے دو ہزار دو سو نمازوں کا ثواب اور اگر چھ ہوں تو ہر ایک کے لیے ہر رکعت کے بدلے چار لاکھ آٹھ سو نمازوں کا ثواب، اگر سات ہوں تو ہر ایک کو ہر ایک رکعت کے بدلے 70 لاکھ نمازوں کا ثواب۔ اگر تعداد آٹھ ہو تو ہر ایک کو ہر رکعت کے بدلہ انتیس لاکھ نمازوں کا ثواب اور اگر نو ہوں تو ہر ایک کو ہر رکعت کے بدلے تیس کروڑ آٹھ لاکھ نمازوں کا ثواب بلکہ اس سے بھی دو چند اور سہ چند ثواب، اگر دس سے زیادہ ہوں تو ہر ایک کو اس قدر ثواب ملے گا کہ اگر آسمان و زمین کے تمام دریاؤں کی روشنائی بنائی جائے اور دنیا کے تمام درخت قلم بنیں تو ایک رکعت کا ثواب بھی نہیں لکھ سکتے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ایک مرتبہ بازار سے گزر رہے تھے کہ جماعت کا وقت ہو گیا۔ مشاہدہ فرمایا کہ تمام مسلمانوں نے کاروبارِ حیات بند کر دیے اور نماز کی ادائیگی کے لیے مسجد میں داخل ہو گئے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ان ہی بزرگوں کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی: رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ

ترجمہ: یہ ایسے مردانِ خدا ہیں کہ ان کو تجارت اور بیع ذکر خدا سے نہیں روکتی۔

سبحان اللہ! قربان جانے کو جی چاہتا ہے۔ اپنے اسلاف پر جو نماز کی جماعت کی از حد پابندی کرتے تھے۔

مشکوٰۃ، صفحہ: 102 پر رسول اللہ ﷺ کے متعلق منقول ہے کہ ہمارے پیارے رسول ﷺ مرض الموت میں مبتلا تھے۔ کمزوری کی حالت یہ تھی کہ بار بار غشی کے دورے

پڑتے تھے۔ لمحات وصال قریب آرہے تھے۔ آپ بار بار پانی منگواتے مگر وضو نہ کر پاتے۔ آخر ایک مرتبہ وضو فرمایا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور ایک دوسرے صحابی کے سہارے سے مسجد تشریف لے گئے۔ آپ کی یہ حالت تھی کہ پاؤں مبارک زمین پر نہ جمتے تھے۔

مگر آپ جماعت کے لیے مسجد میں جا رہے تھے، کیونکہ آپ کو علم تھا کہ آپ کی امت جماعت کی پابندی نہیں کرے گی، اس لیے آپ نے اپنی امت کو اپنے عمل سے یہ تاکید فرمائی کہ اے مسلمانو! دیکھو، ترکِ جماعت نہ کرنا، مگر ہم مسلمان بڑی عجیب قوم ہیں۔ ہم ہر اس بات سے انحراف کرتے ہیں جس کی بار بار تاکید کی گئی ہے۔ جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے میں ہم ہزار بہانے کرتے ہیں۔ کوئی یہ بیان کرتا ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے میں اس کی دکانداری میں فرق آتا ہے۔ کوئی اپنے بچے کی بیماری کو بہانہ بناتا ہے اور کوئی اپنی بیوی کی طبیعت کی ناسازگاری کا بہانہ کرتا ہے، مگر یہ سارے بہانے بوگس اور نامعقول ہیں۔ ہمیں دنیا کے نفع کا خیال ہے اور آخرت کا ذرہ بھر خیال نہیں۔ یاد رہے کہ تارک جماعت پر اللہ تعالیٰ کے زمین و آسمان لعنت کرتے ہیں۔

درۃ الناصحین، صفحہ: 300 پر یہ حدیث مرقوم ہے:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَارِكُ الْجَمَاعَةِ مَلْعُوْنٌ فِي التَّوْرَاةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالزَّبُوْرِ وَالْفُرْقَانِ وَتَارِكُ الْجَمَاعَةِ يَمْشِيْ عَلَى الْاَرْضِ فَلَعَنَتْهُ وَتَارِكُ الْجَمَاعَةِ يَبْغُضُهُ اللّٰهُ وَيَبْغُضُهُ الْمَلَائِكَةُ وَكُلُّ شَيْءٍ جَعَلَ اللّٰهُ فِي الرُّوْحِ وَيَلْعَنُهُ كُلُّ مَلَكٍ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ وَالْحِيْتَانِ فِي الْبَحْرِ ۝

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جماعت کے ترک کرنے والے پر توریت، انجیل، زبور اور فرقان میں لعنت کی گئی ہے۔ تارک جماعت جب زمین پر چلتا ہے تو زمین اس پر لعنت کرتی ہے اور تارکِ جماعت سے اللہ تعالیٰ اور فرشتے بُغض رکھتے ہیں اور کُل جاندار اشیا بھی اور زمین و آسمان کے کُل فرشتے اس پر لعنت کرتے ہیں اور دریا کی مچھلیاں بھی۔

نماز کی پابندی کرنے سے دوزخ کی آزادی

اگر کوئی شخص جماعت کے ساتھ بلا ناغہ چالیس دن تک نماز پڑھتا رہے، اس کو دوزخ سے رہائی کا پروانہ مل جاتا ہے۔ یہ بات ذہنی اختراع نہیں بلکہ اس کے راوی انس بن مالک ہیں اور یہ حدیث مشکوٰۃ، صفحہ:102 سے لی گئی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى لِلّٰهِ اَرْبَعِيْنَ يَوْماً فِيْ جَمَاعَةٍ يُدْرِكُ التَّكْبِيْرَةَ الْاُوْلٰى كُتِبَ لَهٗ بَرَائَتَانِ بَرَاءَةٌ مِّنَ النَّارِ وَبَرَاءَةٌ مِّنَ النِّفَاقِ ۝

حضرت انس بن مالک رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے چالیس دن باجماعت نماز پڑھے اور تکبیر اولیٰ پائے اس کے لیے دو آزادیاں تحریر کردی جاتی ہیں: ایک آزادی دوزخ سے اور ایک آزادی نفاق سے۔

فائدے: اس حدیث پاک میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے اور تکبیر اولیٰ پانے کا ثواب بیان کیا گیا ہے کہ جو شخص متواتر چالیس دن تک باجماعت نماز پڑھے اور تکبیر اولیٰ پائے وہ دوزخ اور نفاق سے آزاد ہو جاتا ہے۔ منافق چالیس دن تک متواتر نماز کے ساتھ شریک ہو کر تکبیر اولیٰ نہیں پا سکتا۔ افسوس اس پرفتن زمانے میں نہ تو جماعت کی پابندی کو ضروری خیال کیا جاتا ہے اور نہ تکبیر اولیٰ کا خیال کیا جاتا ہے۔ دراصل ہمارے ایمان نہایت درجہ کمزور ہو چکے ہیں۔ ہم زمانے کی جھوٹی انانیت کی زنجیروں میں اس حد تک جکڑے جا چکے ہیں کہ ہمیں خود کو چھڑانا نہایت دشوار محسوس ہوتا ہے۔

انیس الوعظین، صفحہ: 13 پر مرقوم ہے کہ ایک مرتبہ ابو امامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور غمگین ہو کر بیٹھ گئے۔ آنحضور ﷺ نے غمگین ہونے کی وجہ پوچھی تو عرض کی: میرے دس مال بردار اونٹوں کو چور چرالے گئے ہیں۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا: میں سمجھا تھا کہ تمہاری تکبیر اولیٰ جاتی رہی، اس لیے تم غمگین ہو۔ انھوں نے عرض کیا: کیا تکبیر اولیٰ دس مال بردار اونٹوں سے افضل ہے؟ حضرت محمد ﷺ نے ارشاد فرمایا:

تَكْبِيْرَةُ الْاُوْلٰى خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا ۝

تکبیر اولیٰ دنیا اور اس میں موجود ہر شے سے بہتر ہے۔

سماداتِ کبریٰ میں ہے کہ جب کوئی مسلمان امام کے ساتھ تکبیر اولیٰ میں شریک ہو کر نماز سے فراغت پاتا ہے تو تکبیر اولیٰ آسمان پر جا کر عرشِ الٰہی کے زیریں بہ ہزار عجز وانکسار کھڑی ہو جاتی ہے۔ فرشتے اس سے سوال کرتے ہیں تو کون ہے کہ تیرا چہرہ چودھویں کے روشن چاند کی طرح دمک رہا ہے اور اتنے بلند مقام پر تیرا گزر ہے؟ وہ کہتی ہے کہ میں فلاں مردِ مومن کی تکبیر اولیٰ ہوں۔ جو مسجد میں داخل ہوا اور امام کے ساتھ پوری نماز پڑھی اور میرا ثواب حاصل کیا۔ پس اے اللہ کے مقرب فرشتو! اب مجھے قریب کردو تا کہ میں مقام اجابت کو پا سکوں اور خدائے پاک کے دربار میں اس مردِ مومن کے لیے دعائے مغفرت کردوں اور تم سب مل کر آمین کہو۔ فرشتے کہتے ہیں کہ مرحبا، پھر سب جمع ہو کر اس نمازی کے لیے اللہ سے مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔ جناب باری تعالیٰ سے ندا آتی ہے کہ اے میرے برگزیدہ بندے! میرے اس بندۂ نمازی کی زبان پر جب تکبیر اولیٰ گزری تھی اور وہ پورا لفظ بھی کہنے نہ پایا تھا کہ میں نے اس کو اپنی رحمت سے بخش دیا اور اس کے سب گناہ معاف کردیے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جو شخص قرآن مجید کا ایک حرف پڑھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو اس حرف کے بدلے جنت میں ایک محل دے گا۔ اگر اللہ مجھے توفیق دے کہ میں ہزار قرآن ختم کردوں اور پھر مجھے اس قدر ختم قرآن کا کوئی ثواب نہ ملے۔ تو مجھے اتنا غم نہ ہوگا، جتنا کہ امام کے ساتھ تکبیر اولیٰ فوت ہو جانے کا صدمہ ہوتا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ قول تذکرۃ الوعظین، صفحہ: 21 پر منقول ہے۔ اسی کتاب کے صفحہ: 22 پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ کی راہ میں جہاد کرے اور ایک کافر کو قتل کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے جسم کے بالوں کے برابر بہشت میں اس کے لیے محل تیار کرائے گا۔ اگر اللہ تعالیٰ مجھ کو اس قدر قوت اور قدرت بخشے کہ میں بغیر کسی قسم کی مجبوری کے تمام کفار کو قتل کر ڈالوں اور پھر مجھے اس جہاد کا ثواب نہ ملے تو یہ ثواب نہ ملنے پر مجھے قطعی افسوس نہیں ہوگا، جس قدر نماز کی تکبیر اولیٰ فوت ہو جانے کا صدمہ ہوگا۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص طالب علم کو راہِ خدا میں ایک درہم دے، اس کے بدلے اللہ تعالیٰ اس کو نو لاکھ درہم دے گا۔ اگر دنیا میں نہ ملا تو قیامت کے دن اس کا درجہ بلند فرمائے گا۔ اگر اللہ تعالیٰ مجھے توفیق بخشے کہ میں اپنا سارا مال غربا و مساکین پر خرچ کر دوں اور میرے پاس ایک چنا باقی نہ رہے اور پھر اس خیرات کا ثواب بھی مجھے نہ ملے تو مجھے غم نہ ہوگا، لیکن اگر نماز کی جماعت کے ساتھ تکبیر اولیٰ نہ پاؤں تو اس کے کھو جانے کا مجھے اس سے بڑھ کر رنج ہوگا۔

ایک مرتبہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چار سو اونٹ اور چالیس غلام چوری ہو گئے۔ آپ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے آپ کو افسردہ پایا۔ وجہ پوچھی تو صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا۔ یا رسول اللہ! میرے چار سو اونٹ اور چالیس غلام چوری کر لیے گئے۔ رسول اللہ نے فرمایا: میں سمجھا تھا کہ تمہاری تکبیر اولیٰ جاتی رہی، جس کی وجہ سے تم اداس و غمگین ہو۔ رسول اللہ ﷺ کے یار ابوبکر صدیق نے عرض کیا: کیا تکبیر اولیٰ اتنی اہم ہے؟ جواب ملا، اگر کسی کے پاس اتنے اونٹ ہوں جن سے ساری زمین بھر جائے اور وہ سب مر جائیں تو اتنا افسوس و غم نہیں ہوگا، جتنا افسوس و غم تکبیر اولیٰ کے فوت ہو جانے کا ہوگا۔ (نزہۃ المجالس، جلد اوّل، صفحہ:98)

فتاویٰ مسعودیہ میں ہے کہ امام حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مرتبہ بوقت سحر محوِ خواب تھے۔ ابلیس ان کے پاس آیا، ان کو اٹھایا اور کہا: اے حسن! نماز کو جاؤ، ایسا نہ ہو کہ تکبیر اولیٰ جاتی رہے۔ حضرت امام حسن بصری رضی اللہ عنہ نے پوچھا! اے شیطان! مجھے اس وقت بیدار کرنے سے تیرا اصل مقصد کیا ہے؟ کیونکہ تیری رضا تو اس میں تھی کہ تکبیر اولیٰ اور نماز جاتی رہے اور میں اللہ کے غضب کا شکار بنوں۔ شیطان نے جواب دیا: اے حسن سنو! ایک مرتبہ تم سے تکبیر اولیٰ فوت ہو گئی تھی، جس کا تم کو بے حد صدمہ ہوا اور مسلسل دو ماہ تک تم نے اپنے پیٹ کو سیر ہو کر غذا نہیں دی تھی، جس کی وجہ سے تم کو دس ہزار تکبیر اولیٰ کا ثواب مل گیا۔ پس اس وقت تمہیں بیدار کرنے سے میرا اصل مقصد یہی ہے کہ تمہاری تکبیر اولیٰ فوت نہ ہو جائے اور تمہیں صدمہ نہ ہو اور تمہیں اس قدر ثوابِ عظیم نہ ملے اور تم کو بیدار کرنے سے میرا مقصد یہی ہے کہ تم اس قدر ثواب

عظیم سے محروم رہ جاؤ۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ کی راہ میں کسی ننگے کو کپڑے پہنائے خواہ وہ کپڑے پھٹے پرانے ہی کیوں نہ ہوں اور وہ کپڑے پانے والا اگر نماز ادا کرے اور طلب علم میں مشغول ہو، تو اللہ تعالیٰ اس کپڑا دینے والے کو بارہ ہزار ریشمی حلّے عطا فرمائے گا، جن کی اقسام ستر ہوں گی اور اس کا جسم نورانی ہوگا۔ اگر اللہ تعالیٰ مجھے توفیق دے کہ اپنے نئے پرانے تمام قسم کے کپڑے اللہ کی راہ میں دنیا بھر کے غریبوں اور مسکینوں کو دے دوں اور میرے پاس کچھ نقد و زر نہ رہے، پھر اس تمام خیرات کا مجھے کچھ ثواب نہ ملے، مجھے اس کا اس قدر رنج نہ ہوگا جتنا کہ نماز جماعت میں امام کے ساتھ تکبیر اولیٰ فوت ہو جانے پر ہوگا۔ (نزہۃ المجالس، صفحہ:90)

مندرجہ بالا اقوال سے یہ بات پوری طرح اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ نماز با جماعت تکبیر اولیٰ کتنی اہم ہے۔

عشاو فجر با جماعت ادا کرنا ساری رات کے قیام کے برابر ہے

اگر مسلمان نمازِ عشاء اور نمازِ فجر با جماعت ادا کرے تو اتنا ثواب ہے گویا اس نے ساری رات عبادت میں گزاری:

عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ شَہِدَ الْعِشَاءَ فِیْ جَمَاعَۃٍ کَانَ لَہٗ قِیَامُ نِصْفِ لَیْلَۃٍ وَمَنْ صَلَّی الْعِشَاءَ وَالْفَجْرَ فِیْ جَمَاعَۃٍ کَانَ لَہٗ کَقِیَامِ لَیْلَۃٍ (رواہ ترمذی، جلد اوّل، صفحہ:30)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو عشاء با جماعت پڑھے اس کو نصف شب کا ثواب اور جو عشاء اور فجر کی نماز با جماعت پڑھے اس کو ساری رات کی عبادت کا ثواب ملتا ہے۔

مشکوٰۃ، صفحہ:97 پر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ صبح کے وقت سلیمان ابن حشمہ جماعت میں شامل نہیں تھے۔ ان کی عدم موجودگی کو حضرت عمر

فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی محسوس کیا۔ جب آپ بازار سے گزرے تو راستے میں اس صحابی کا گھر تھا جو نماز کی جماعت میں حاضر نہیں ہوئے تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی والدہ سے ملاقات کی اور عرض کیا: صبح سلیمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نماز کی جماعت میں کیوں حاضر نہیں ہوئے تھے؟ انہوں نے بتایا کہ سلیمان ساری رات مصروفِ عبادت رہے۔ مگر صبح ہوئی تو نیند نے غلبہ پالیا اور سو گئے، جس کی وجہ سے نماز کی جماعت اٹینڈ نہ کر سکے۔ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: صبح کی نماز باجماعت پڑھنا ساری رات عبادت کرنے سے افضل ہے۔

فائدہ: مندرجہ بالا حدیث مبارک اس بات کا پتہ بتاتی ہے کہ نماز باجماعت ادا کرنا بے بہا خزانوں کا دفینہ ہے، مگر افسوس صد افسوس کہ ہم مسلمان نماز کی طرف سرے سے دھیان ہی نہیں کرتے۔ اگر کرتے ہیں تو جماعت کے متعلق احتیاط نہیں برتتے اور دنیا کی جھوٹی اور عارضی منفعتوں میں پڑ کر اخروی اور بہت بڑے ثواب سے محروم رہ جاتے ہیں۔ مزید ستم یہ کہ ہمارے ضمیروں پر دولت کی چربی چڑھ چکی ہے۔ ہم سوچتے ہیں کہ کون سا کام کرنے میں ہمیں دولت حاصل ہوگی۔ کس کام کے انجام دینے میں ہمیں دولت حاصل ہوگی۔ معلوم نہیں دولت آج کے وقت کی اتنی اہم شے کیوں بن گئی ہے کہ اس کے لیے بھاگتے ہوئے ہم اپنی آخرت کو بھی فراموش کر چکے ہیں اور دیوانہ وار دولت کا تعاقب کرتے ہوئے اللہ اور اس کی رحمت سے ہر لحظہ دور ہوتے جارہے ہیں۔

نزہۃ المجالس، صفحہ:97 پر مرقوم ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جماعت قضا ہوگئی، جس کا آپ کو قلق ہوا اور آپ نے ایک لاکھ درہم کی اراضی صدقے کے طور پر بانٹ دی۔ آپ کے لختِ جگر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا دستور تھا کہ جس دن کوئی نماز چھوٹ جاتی، اس دن روزہ رکھتے اور ساری رات محوِ عبادت رہتے تاکہ کسی طرح جماعت چھوٹ جانے کی تلافی ہوجائے۔

نزہۃ المجالس، صفحہ:96 پر مرقوم ہے کہ حضرت عارف باللہ ابوسلیمان درانی نے فرمایا کہ ترکِ جماعت کسی ارتکابِ گناہ کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اگر کوئی گناہ سرزد ہوجاتا ہے تو

جماعت کی نعمت سے انسان محروم ہو جاتا ہے۔ اسی صفحہ پر ایک حکایت درج ہے، جس کا مفہوم کچھ یوں ہے:

حکایت: ایک مرتبہ بصرہ کا ایک عابد بازار سے لکڑیاں خریدنے کے لیے گیا۔ برسرِ بازار اس کو ایک تھیلی نظر پڑی، جس پر سو دینار کے الفاظ لکھے ہوئے تھے، جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ تھیلی میں سو دینار ہیں۔ ہنوز عابد تھیلی کی طرف دیکھ رہا تھا کہ تکبیر کی آواز اس کے کانوں میں پڑی۔ اس نے تھیلی کو چھوڑا اور ادائیگی نماز باجماعت کے واسطے مسجد میں داخل ہوگیا۔ اس نے جماعت سے نماز ادا کی اور بازار چلا گیا۔ وہاں سے لکڑیوں کا گٹھا خریدا اور گھر چلا آیا۔ گھر آکر لکڑیوں کا گٹھا کھولا تو اس میں وہ تھیلی موجود تھی، جس میں سو دینار تھے۔ اس طرح جماعت کی برکت سے اس عابد کو سو دینار کی تھیلی مل گئی۔

حکایت: ادب العلوم، جلد اوّل، صفحہ:154 پر مرقوم ہے۔ ابواسحاق بخاری فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں باجماعت نماز ادا نہ کر سکا۔ اس پر میں نے افسوس کیا۔ پھر آپ بطور تعزیت فرماتے ہیں کہ اگر میرا بچہ مرجاتا تو لوگ ہزاروں کی تعداد میں میری تعزیت کرتے۔ افسوس ہے کہ اہلِ دنیا کے نزدیک دین کے مصائب دنیا کے مصائب سے زیادہ آسان ہیں۔

حکایت: ایک مرتبہ اللہ کے برگزیدہ بندے میمون بن مہران مسجد میں ایسے وقت پر پہنچے جب کہ لوگ نماز پڑھ کر باہر آرہے تھے۔ آپ نے ترکِ جماعت پر اظہار تأسف کرتے ہوئے پڑھا: اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔

اور کہا: جماعت میرے نزدیک عراق کی ولایت سے زیادہ محبوب ہے۔

□□□

دسواں وعظ

نمازِ باجماعت نہ پڑھنے کی برائی

نمازِ باجماعت کے کچھ دنیاوی فوائد

آج سے چودہ سو سال قبل یہ دنیا معمورۂ جہالت تھی۔ گلستانِ اخلاق ہستی کے گلوں کو ظالم اور سفاک ہاتھ بڑی بے دردی سے شاخِ اخلاق سے نوچ کر پاؤں تلے روند رہے تھے اور یہ گلِ اخلاق پاؤں میں پڑے سسک سسک کر انسانوں سے فریاد کر رہے تھے، مگر کسی نے ان کی فریاد نہ سنی اور بے آب و گیاہ دھرتی پر انسان کے قدموں تلے کچلے جاتے رہے اور اپنی بے چارگی و بے بسی پر اشک شوئی کرتے رہے۔ ان کی اشک شوئی سے اللہ تعالیٰ کی رحمت کو جوش آیا۔ انسانوں کی اس بے رخی پر قہر آیا اور گلستانِ ہستی کے گلِ اخلاق پر ترس آیا۔ ان کی فریاد رسی کرنے کو اللہ کی رحمت جوش میں آئی، ظلم کا دور ختم ہوا۔ محمد عربی اپنے ساتھ اسلام کا ضابطہ لیے حرا سے اُتر کر سوئے قوم آئے۔ پھر سے اخلاق کے پھولوں کو انسانیت کے گلدانوں میں سجایا جانے لگا اور ان کی خوشبوؤں کو سونگھنے کے لیے سب ایک ہو گئے۔ خداوند عظیم نے ان کی اس جماعت کو برقرار رکھنے کے لیے مواقع پیدا کر دیے تاکہ یہ لوگ پرچم محمدیہ کے تلے یوں ہی اکٹھے رہیں اور ان میں بھی نفاق پیدا نہ ہو۔ ان کے اکٹھا کرنے، انسانوں کے درمیان محبت و بھائی چارہ قائم کرنے کو کچھ عبادتیں اور کچھ تہوار یعنی خوشی کے مواقع مقرر کر دیے تاکہ یہ مل جل کر خوشی منائیں اور ان میں محبت قائم رہے۔

ان عبادات میں سرفہرست پانچ وقت کی نماز ہے۔ جب ایک محلہ کے لوگ پنج وقتہ نماز باجماعت ایک مسجد میں جا کر ادا کرتے ہیں تو ان میں باہمی محبت اور ہمدردی پیدا ہوتی ہے۔ ہمارے اسلاف گرامی پنج وقتہ نماز باجماعت مسجد میں ادا کیا کرتے تھے۔ اگر کوئی صاحب مسجد میں نہ آتا تو دوسرے حضرات اس کے متعلق فکر میں پڑ جاتے کہ اللہ خیر کرے، آج

فلاں صاحب مسجد میں کیوں نہیں آئے۔ لوگوں کے اس قدرتی ردِ عمل سے یہ فائدہ ہوتا کہ ہر شخص جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کو ترجیح دیتا کہ اس کی غیر حاضری سے لوگوں کو فکر اور تشویش نہ ہو اور اگر فی الواقع ہی تشویش کی بات ہوتی تو لوگ اس کی ہر طرح سے امداد کرنے کو تیار ہوتے۔ غربت و افلاس کا معاملہ ہوتا، اہلِ درد حضرات اس کی مالی امداد کرتے، جس سے غربا کی مدد ہوتی اور امیروں کو ثواب ملتا۔ نیز معاشرے میں توازن پیدا ہوتا۔ اس زمانے میں اگرچہ مسلمانوں کی تعداد کم تھی، مگر وہ آپس میں باہمی محبت کی وجہ سے زمانے میں معزز تھے، مگر آج کے مسلمان نے اُمتِ محمدیہ کے دعوے کو صرف زبانی جمع خرچ تک محدود رکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج مسلمان ایک ارب کی تعداد میں ہونے کے باوجود ذلیل و خوار ہیں۔ ان پر مغربی ممالک کا ہوّا چھایا ہوا ہے۔ کیوں نہ ہو ہم مسلمان نماز کو چھوڑ چکے ہیں۔ مسجد میں جانا ترک کر چکے ہیں۔ اللہ کو بھولے جا رہے ہیں اور اللہ ہمیں بھولتا جا رہا ہے، جس کا منطقی نتیجہ مسلمانوں کی ذلت و رسوائی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ قومی شاعر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے آج کے مسلمان اور اسلاف کے اس فرق کو یوں واضح کیا: ؎

وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہوکر
اور ہم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہوکر

ہم مسلمانوں نے قرآن کے اوصاف اور پاکیزہ تعلیمات کو فراموش کر دیا ہے۔ اس کے احکامات کو نظر انداز کر دیا۔ اپنے اسلاف کے نقشِ قدم کو مٹانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ہمیں اسلام کی باتیں عجیب اور فرسودہ لگتی ہیں۔ اس کی بجائے ہم بڑے شوق سے مغربی ممالک کے فیشن کو طرز جدید کا نام دے کر اپناتے ہیں۔ بیل باٹم اور ٹی شرٹ پہن کر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ہی اسلام کے سچے مجاہد ہیں اور بالوں کو کانوں تک بڑھا کر اور منہ میں پان اور ہاتھ میں گولڈ لیف کا سگریٹ اور پاؤں میں لانگ میل شوز پہن کر بازاروں میں یوں چلتے ہیں جیسے کشمیر فتح کرنے جا رہے ہیں۔ علامہ اقبال نے اسی کیفیت کو بھانپتے ہوئے لکھا تھا ؎

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں یہود
ہم یہ کہتے ہیں کہ تھے بھی کہیں مسلم موجود

ہر کوئی مست مئے ذوقِ تن آسانی ہے
تم ہی بتاؤ یہ اندازِ مسلمانی ہے؟

گھر کی نماز منافقانہ عمل ہے

عَنْ اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ قَالَ صَلّٰی بِنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَوْماً الصُّبْحَ فَلَمَّا سَلَّمَ قَالَ اَشَاهِدٌ فُلَانٌ قَالُوْا لَا قَالَ اَشَاهِدٌ فُلَانٌ قَالُوْا لَا قَالَ اِنَّ هَاتَیْنِ الصَّلٰوتَیْنِ اَثْقَلُ الصَّلٰوۃِ عَلَی الْمُنَافِقِیْنَ وَلَمْ تَعْلَمُوْنَ مَا فِیْهِمَا لَاتَیْتُمُوْهَا وَلَوْ حَبْوًا عَلَی الرُّکَبِ وَاِنَّ الصَّفَّ الْاَوَّلَ عَلٰی مِثْلِ صَفِّ الْمَلَائِکَۃِ وَلَوْ عَلِمْتُمْ مَافِیْ فَضِیْلَتِهٖ لَابْتَدَرْتُمُوْهُ الْحَدِیْثُ۔ (رواہ ابوداؤد ونسائی، مشکوٰۃ، صفحہ:96)

حضرت اُبی بن کعب فرماتے ہیں کہ ایک دن صبح کی نماز کا سلام پھیرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ہم سے پوچھا کہ فلاں حاضر ہے؟ لوگوں نے عرض کیا: نہیں۔ فرمایا' فلاں حاضر ہے؟ عرض کیا: نہیں۔ فرمایا: یہ دونمازیں تمام نمازوں میں سے منافقین پر بھاری ہیں۔ ان دونمازوں کی فضیلت اگر تم کومعلوم ہوتو تم ان کے لیے حاضر ہوتے، اگر چہ گھٹنوں کے بل گھسٹتے ہوئے آتے۔ بے شک پہلی صف فرشتوں کی صف جیسی ہے۔ اگر تم اِس کی فضیلت جانتے توضرور اس کی طرف سبقت کرتے۔

مندرجہ بالا حدیث سے ثابت ہوا کہ گھر کی نماز منافقانہ عمل ہے۔ گھر کی نماز توا پاہجوں، بیماروں اور خواتین کی نماز ہے۔ حضور پرنور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ فَلَمْ یُجِبْهُ فَلَا صَلٰوۃَ اِلَّا مِنْ عُذْرٍ۔ (رواہ الدار قطنی، مشکوٰۃ)

جس نے اذان سنی او[illegible]لا کسی عذر کے مسجد میں جا کر اجابت نہ کی، اس کی نماز نہیں۔

حضرت ابوہر[illegible] رسولِ خدا ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔

سَمِعْتُ رَسُوْلَ [illegible] صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ سَمِعَ الْمُنَادِیْ فَلَمْ یَمْنَعْهُ مِنْ اِتِّبَاعِهٖ عُذْرٌ تُقْبَلُ مِنْهُ الصَّلٰوۃُ الَّتِیْ صَلّٰی قِیْلَ مَا الْعُذْرُ

قَالَ خَوْفٌ اَوْ مَرَضٌ۔ (کشف الغمہ، جلد اوّل، صفحہ:126)

مَیں نے رسول اللہ کا یہ فرمان سنا کہ جو کوئی مؤذن کی اذان سنے، اس کے اتباع میں اس کو کوئی عذر مانع نہیں، جو اس نے نماز پڑھی وہ قبول نہیں کی جائے گی۔ عرض کیا: عذر کیا ہے؟ فرمایا خوف یا بیماری۔

اسی طرح عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:

رَاَیْنَا وَمَا یَتَخَلَّفُ عَنْهَا اِلَّا مُنَافِقٌ مَعْلُوْمُ النِّفَاقِ وَلَقَدْ کَانَ الرَّجُلُ یُؤْتٰی بِهٖ یُهَادٰی بَیْنَ الرَّجُلَیْنِ حَتّٰی یُقَامَ فِی الصَّفِّ۔ (رواہ مسلم، مشکوٰۃ، صفحہ:9)

ہم نے اپنے کو اس حالت میں دیکھا کہ نماز سے پیچھے نہیں رہتا، مگر کھلا منافق اور بے شک مرد (بیمار) کو دو شخصوں کے درمیان چلا کر لایا جاتا یہاں تک کہ اسے صف میں کھڑا کیا جاتا ہے۔

مندرجہ بالا احادیث مبارکہ بتاتی ہے کہ تنہائی کی نماز ہی نہیں اور جماعت کے ساتھ نماز نہ پڑھنا منافقانہ طرزِ عمل ہے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ سب سے بہتر نماز جماعت کی نماز اور سب سے بدتر نماز تنہا نماز ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَکْتُوْمٍ قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّ الْمَدِیْنَۃَ کَثِیْرَۃُ الْهَوَامِ وَالسِّبَاعِ وَاَنَا فَقِیْدُ الْبَصَرِ فَهَلْ تَجِدُ لِیْ مِنْ رُخْصَۃٍ قَالَ هَلْ تَسْمَعُ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ، حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَحَیَّ هَلًّا وَلَمْ یُرَخِّصْ۔ (رواہ ابوداؤد، ونسائی، مشکوٰۃ، صفحہ:97)

عبداللہ بن مکتوم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مدینہ میں زہریلے جانور اور درندے بکثرت ہیں اور میں نابینا ہوں۔ کیا آپ مجھے (نمازِ باجماعت) سے رخصت دیتے ہیں؟ پوچھا: کیا تمھیں حیّ علی الصلوٰۃ، حیّ علی الفلاح کی آواز سنائی دیتی ہے۔ عرض کیا: ہاں۔ فرمایا: جماعت میں حاضر ہوا کر۔ اور رخصت نہ دی۔

جماعت اتنی اہم ہے کہ جتنی روٹی۔ خواہ کوئی نابینا ہو، روٹی اس کو لازمی طور پر چاہیے۔

اس طرح خواہ کوئی نابینا ہو، اس کے لیے بھی جماعت لازمی ہے۔

ترکِ جماعت پر وعید

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ اٰمُرَ بِحَطَبٍ ثُمَّ اٰمُرَ بِالصَّلٰوةِ فَیُؤَذَّنُ لَهَا ثُمَّ اٰمُرَ رَجُلًا فَیَؤُمَّ النَّاسَ ثُمَّ اُخَالِفَ اِلٰی رِجَالٍ لَا یَشْهَدُوْنَ الصَّلٰوةَ فَاُحَرِّقَ عَلَیْهِمْ بُیُوْتَهُمْ ۔ (متفق علیہ، مشکوٰۃ، صفحہ:65)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اُس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ بے شک میں ارادہ کرتا ہوں کہ لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دوں، جب وہ اکٹھی ہو جائیں تو نماز کا حکم دوں۔ پس اس کے لیے اذان دی جائے، پھر ایک شخص کو حکم دوں جو نماز پڑھائے۔ پھر ایسے لوگوں کے گھر جاؤں جو نماز میں حاضر نہیں ہوتے اور اُن کے گھروں کو جلا دوں۔

پھر ایک روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اگر گھروں میں خواتین اور بچے نہ ہوتے تو مَیں گھروں کو جلانے کا حکم دیتا۔ (رواہ احمد و مشکوٰۃ، صفحہ:97)

ہمارے پیارے رسول حضرت محمد ﷺ اپنی اُمت کے حق میں اتنے رحیم و شفیق ہیں کہ اپنے اُمتی کی ذرا سی تکلیف بھی برداشت نہیں کرتے، مگر ترکِ جماعت والوں پر اتنی ناراضگی کا اظہار کرتے ہیں کہ ان کے گھروں کو جلا دینے کا حکم دینے کو تیار ہیں۔

تارکِ جماعت کو بعد از مرگ سانپ کا عذاب ہوگا

مَاتَ فِیْ زَمَنِ اَبِیْ بَکْرٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ رَجُلٌ فَقَامُوْا اِلَی الصَّلٰوةِ فَاِذَا الْكَفَنُ تَتَحَرَّكُ فَنَظَرُوْا فَوَجَدُوْا حَیَّةً مُطَوَّقَةً فِیْ عُنُقِهٖ تَاْكُلُ لَحْمَهٗ وَ تَمُصُّ دَمَهٗ فَاَرَادُوْا قَتْلَهَا فَقَالَتِ الْحَیَّةُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ لِمَ تَقْتُلُوْنَنِیْ بِلَا ذَنْبٍ وَ لَا خَطَاءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی اَمَرَنِیْ اَنْ اُعَذِّبَهٗ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ فَقَالُوْا مَا خَطَاءُهٗ قَالَتْ ثَلَاثُ خَطَایَا اَلْاُوْلٰی كَانَ اِذَا سَمِعَ الْاَذَانَ لَا

یَحْضُرُ الْجَمَاعَةَ وَالثَّانِیَةُ لَا یُخْرِجُ الزَّكٰوةَ مِنْ مَالِهٖ وَالثَّالِثَةُ لَا یَسْمَعُ قَوْلَ الْعُلَمَاءِ وَهٰذَا جَزَاءُهٗ ۔

مندرجہ بالا حکایت درۃ الناصحین، صفحہ:308 پر مرقوم ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے: ایک شخص حضرت ابوبکر کے زمانے میں مر گیا۔ لوگ اس کی نمازِ جنازہ کو گئے۔ معلوم ہوا کہ کفن ہل رہا ہے۔ لوگوں نے غور کیا تو پتہ چلا کہ ایک سانپ گردن میں طوق بن کر لپٹا ہے۔ گوشت کھاتا ہے اور خون پیتا ہے، پس لوگوں نے اسے مارنا چاہا۔ سانپ نے کہا: لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ محمد رسول اللّٰہ مجھے کیوں مارتے ہو؟ میرا کچھ گناہ اور خطا نہیں۔ اللہ نے مجھے حکم دیا کہ میں قیامت کے دن تک اسے عذاب کروں۔ لوگوں نے اس کی خطا پوچھی۔ سانپ بولا: تین خطائیں ہیں: اوّل، جب اذان سنتا تھا تو نماز کے لیے مسجد میں نہیں جاتا، جماعت کے لیے نہیں جاتا تھا۔ دوم، مال کی زکوٰۃ نہیں دیتا تھا۔ سوم یہ کہ عالموں کی بات نہیں سنتا تھا۔ بس اس کی یہ سزا ہے۔

حضرات! اندازہ کیجئے کہ باجماعت نماز نہ پڑھنے والے کو مرنے کے بعد سانپ کے سپرد کر دیا جاتا ہے، جو نافرمان بندے کا خون چوستے ہیں اور گوشت کھاتے ہیں۔

اللہ ہم سب کو نماز باجماعت کی توفیق دے۔

□□□

گیارھواں وعظ

نماز میں خشوع خضوع

اَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝
بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

قرآن مجید اللہ وحدہٗ لاشریک کی آخری اور مکمل کتاب ہے جو انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کا سرچشمہ ہونے کے علاوہ کلام بے مثل بھی ہے۔ قرآن مجید خداوند کریم کے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر نازل ہوا۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کائناتِ عالم میں سب سے عظیم ہستی ہیں۔ انھوں نے تاریخ انسانی کے بہتے ہوئے دھارے کا رخ تبدیل کر دیا۔ انسانوں کی فلاح و بہبود کے لیے قرآنِ مجید کی تعلیمات کی وضاحت فرمائی اور ان تعلیمات کی وضاحت کا نام اسلام رکھا، جس میں سب سے زیادہ اہم شے نماز ہے اور ان لوگوں کو حاملِ فلاح قرار دیا جو نمازوں کا اہتمام کرتے ہیں۔ قرآن مجید کے پارہ 18 سورۂ مومنون میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلٰوتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۝

بے شک وہ مومن فلاح پانے والے ہیں جو نماز میں خشوع کرتے ہیں۔

اب کچھ تذکرہ خشوع وخضوع کا کیا جاتا ہے، کیونکہ خشوع کے بغیر نماز ایسی ہے جیسے وہ شخص جس کے ہاتھ کٹے ہوئے ہوں۔ پاؤں سے اپاہج ہو۔ قوتِ سماعت سے محروم ہو۔ بصارت سے نا آشنا ہو۔ زندگی کی لازمی ضروریات سے محروم یہ شخص بالکل بے کار ہے بلکہ معاشرے کے لیے ایک بوجھ ہے۔ بالکل اسی طرح خشوع کے بغیر نماز بالکل بے کار ہے۔

آیئے ہم دیکھتے ہیں کہ خشوع کیا ہے۔

خشوع کی تعریف

خشوع یہ ہے کہ دورانِ نماز قیام، رکوع وسجود اور دیگر ارکانِ نماز بالکل درست ہوں۔

اگر ارکانِ نماز نامکمل ہوئے تو نماز بھی نامکمل ہوگی۔

انیس الواعظین، صفحہ: 33 پر خشوع کی تین اقسام بیان کی گئی ہیں، جن کا مفہوم درج ذیل ہے:

خشوعِ شریعت: اعضا و جوارح کا حالتِ سکون میں رکھنا، حالتِ قیام میں مقام سجدہ اور رکوع میں پاؤں اور سجدہ میں ناک کی بینی اور تشہد کے وقت پہلو کو ہدفِ نگاہ کرنا خشوعِ شریعت کہلاتا ہے۔ اس سے نماز جائز ہو جاتی ہے۔

خشوعِ حقیقت: یہ قبولیت کا صالح ہے۔ نماز میں اللہ کے سوا کائناتِ دو عالم کی ہر شے سے قطع تعلق کر لینا۔ جو پڑھنا اس پر غور کرنا۔ دوزخ اور جنت کے خیال سے بھی ذہن صاف رکھنا خشوعِ حقیقت کہلاتا ہے۔

خشوع کی تیسری قسم یہ بیان کی گئی ہے کہ عبادت مخفی رکھنا یعنی اس طرح عبادت کرنا کہ کسی چیز کی خبر نہ ہو۔ جسم بساطِ مقرب پر اور قلب و نظر دیدارِ الٰہی میں مشغول ہوں۔

خشوع کی اصل تعریف کے ساتھ اگرچہ مندرجہ بالا جزئیات پوری طرح درست ہیں تو نماز کامل ہے، ورنہ ناقص ہے۔ آیئے اب ہم خشوع کی تینوں اقسام پر باری باری بحث کرتے ہیں۔

پہلی قسم یہ بیان کی گئی ہے کہ اپنے اعضا کو ساکن رکھنا۔ اگر قیام میں ہیں تو ہمیں اپنے ہاتھ ناف سے ذرا نیچے باندھنا چاہیے۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ ہم ہاتھ چھوڑ کر کھڑے ہو جائیں یا رکوع میں جاتے ہوئے ہاتھ باندھ لیں اور رکوع و سجود جلدی جلدی ادا کریں۔ رکوع اس طرح سے کرنا چاہیے کہ کمر اور سر میں برابری آجائے اور ان میں کوئی نشیب و فراز نہ رہے اور سجدہ میں بھی پانچ بار یا کم از کم تین بار سبحان ربی العظیم اطمینان کے ساتھ ادا کرنا چاہیے اور تشہد میں بھی اطمینان رکھنا چاہیے اور سنت طریقے کے مطابق سلام پھیرے۔

تذکرۃ الواعظین، صفحہ: 28 پر ہے کہ حضرت ادریس بن اویس بیان کرتے ہیں کہ مشہور ولی اللہ حضرت حاتم ایک مرتبہ عصام بن یوسف کے پاس آئے۔ عصام نے ان سے کہا: اے حاتم! کیا تم عمدہ طریقے سے نماز پڑھنا جانتے ہو؟ انھوں نے کہا: ہاں، پوچھا: کس طرح نماز ادا کرتے ہو؟ فرمایا: جب نماز کا وقت ہوتا ہے تو میں سب سے قبل کامل طریقے سے وضو کرتا ہوں، پھر نماز پڑھنے کے مقام پر اطمینان کے ساتھ سیدھا کھڑا ہوتا

ہوں۔ یہاں تک کہ میرا ہر عضو حالتِ قرار میں قرار لیتا ہے اور میں کعبہ شریف کو اپنے دونوں ابروؤں کے درمیان اور مقام ابراہیم کو اپنے سینے میں اور اللہ تعالیٰ کو اپنے سر پر دیکھتا ہوں، جو میرا حال جانتا ہے اور میرے دونوں قدم پل صراط پر ہوتے ہیں۔ بہشت میرے داہنی جانب اور دوزخ میرے بائیں جانب اور ملک الموت پیچھے ہوتے ہیں۔ اخیر تک یہی کیفیت رہتی ہے۔ تکبیر کہتے وقت اپنا محاسبہ کرتا ہوں۔ قرآن غور وفکر سے پڑھتا ہوں۔ رکوع تواضع سے کرتا ہوں اور عجز و نیاز کا اظہار کرتے ہوئے سجدہ کرتا ہوں۔ پھر اطمینان کے ساتھ تشہد کے لیے نشست لیتا ہوں اور پھر طریقۂ سنت پر سلام بجالاتا ہوں اور پھر صبر پر معاہدہ کرتا ہوں۔ عصام نے کہا: اے حاتم! واقعی تمہاری نماز ایسی ہے، جس طرح تم نے بیان کیا۔ انھوں نے کہا: ہاں، پھر پوچھا: آپ کتنی مدت سے اس طرح نماز ادا کرتے چلے آرہے ہیں؟ فرمایا: عرصہ تیس سال سے۔ یہ سن کر عصام نے آہ کہا اور گریہ وزاری کی کیفیت طاری ہوئی اور کہا: اللہ کی قسم میں نے اپنی زندگی میں آج تک ایسی کوئی نماز نہیں پڑھی۔ اتنا کہہ کر یکا یک غش کھا کر گر پڑے اور جسم خاکی سے روح آسمانوں کی جانب پرواز کرگئی۔

اس کو کہتے ہیں خشوع وخضوع۔ اس کو کہتے ہیں ارکانِ نماز کی ادائیگی۔ کیا ہم میں سے کوئی ایسا شخص ہے جو اس طرح کی نماز پڑھتا ہو؟ ربِّ واحد کی قسم ہے کہ ہم میں سے کوئی بھی ایسی نماز نہیں پڑھتا اور نہ پڑھ سکتا ہے۔ ہم تو نماز میں خشوع وخضوع کرتے ہی نہیں اور جلدی جلدی رکوع وسجود کرتے ہیں اور نماز سے چھٹکارا حاصل کرتے ہیں۔ احادیث مبارکہ میں رکوع وسجود میں جلدی کرنے والے کو چور کہا گیا ہے اور کوئی معمولی چور نہیں بلکہ سب سے بدتر چور کہا گیا ہے:

تذکرۃ الواعظین، صفحہ:26 پر حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں سے پوچھا: کیا تمھیں بتاؤں کہ لوگوں میں سب سے بدتر چوری کرنے والا کون ہے؟ صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ، فرمائیے! ارشاد ہوا کہ سب سے بدتر چوری کرنے والا وہ ہے جو اپنی نماز کا کچھ حصہ چرالیتا ہے۔ لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! نماز

کس طرح چوری کی جاسکتی ہے؟ فرمایا: نماز کے رکوع وسجود کو پوری طرح ادا نہ کرنا چوری ہے۔

مشکوٰۃ، صفحہ:83 میں حضرت ابوقتادہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَسْوَءُ النَّاسِ سَرِقَةً الَّذِيْ يَسْرِقُ مِنْ صَلٰوتِهٖ، قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَيْفَ يَسْرِقُ مِنْ صَلٰوتِهٖ قَالَ لَا يُتِمُّ رُكُوْعَهَا وَلَا سُجُوْدَهَا۔

آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ بڑا چور وہ ہے جو نماز کی چوری کرتا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا: نماز کس طرح چوری کرتا ہے؟ فرمایا: وہ نماز کے رکوع وسجود تمام نہیں کرتا۔

عَنْ اَبِيْ مَسْعُوْدِ الْاَنْصَارِيْ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُجْزِئُ صَلٰوةَ الرَّجُلِ حَتّٰى يُقِيْمَ ظَهْرَهٗ فِي الرُّكُوْعِ وَالسُّجُوْدِ۔

(رواہ ابوداؤد، ترمذی ونسائی، مشکوٰۃ، صفحہ:82)

ترجمہ: حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آدمی کی نماز درست نہیں ہوتی جب تک کہ اپنی پشت رکوع اور سجود میں سیدھی نہ کرے۔

عَنْ شَقِيْقٍ قَالَ اِنَّ حُذَيْفَةَ رَاٰى رَجُلًا لَا يُتِمُّ رُكُوْعَهٗ وَلَا سُجُوْدَهٗ فَلَمَّا قَضَا صَلٰوتَهٗ دَعَاهُ فَقَالَ لَهٗ حُذَيْفَةُ مَا صَلَّيْتَ۔ (رواہ البخاری، مشکوۃ، صفحہ:83)

حضرت شقیق سے مروی ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا جو رکوع وسجود پورا نہیں کرتا۔ جب وہ نماز پڑھ چکا تو آپ نے اس کو بلایا اور فرمایا کہ تو نے نماز نہیں پڑھی، یعنی تیری نماز درست نہیں۔

مندرجہ بالا احادیث مبارکہ اس بات کی غماض ہیں کہ ارکانِ نماز کی تعدیل ضروری ہے، ورنہ نماز ناقص ہے۔ (رواہ البخاری ومسلم)

مشکوٰۃ، صفحہ:75 پر مرقوم ہے کہ عہدِ رسالت ونبوت میں ایک شخص مسجد نبوی میں داخل ہوا اور اس نے دو رکعت نماز ادا کی۔ نبی کریم ﷺ ملاحظہ فرمارہے تھے۔ نماز سے فراغت پانے کے بعد وہ شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلام عرض کیا۔ آپ نے جواب دے

کر فرمایا: جاؤ اور نماز کا اعادہ کرو، کیونکہ تمہاری نماز نہیں ہوئی۔ اس شخص نے تعمیل حکم کیا اور پھر قیام کر کے دو رکعت نماز ادا کی۔ آپ نے پھر فرمایا: اب بھی نماز نہیں ہوئی۔ اس شخص نے تیسری مرتبہ پھر پہلے طرز پر نماز ادا کی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ابھی بھی نماز نہیں ہوئی۔ اس شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ! (ﷺ) آپ ہی فرمائیں کہ میں کس طرح سے نماز ادا کروں؟ آپ نے ارشاد فرمایا: دیکھو جب نماز کے لیے کھڑا ہو تو سب سے قبل تکبیر کہو۔ اس کے بعد جس قدر قرآن شریف کی تلاوت کر سکتے ہو کرو۔ پھر رکوع ادا کرو، ٹھیک ٹھاک اور اطمینان کے ساتھ رکوع ادا کرنے کے بعد سیدھے کھڑے ہو جاؤ اور اس کے بعد پورے سکون اور اطمینان کے ساتھ سجدہ کرو۔ پھر اٹھ کر سکون کے ساتھ بیٹھ جاؤ اور پھر سجدہ کرو اور اس طرح جا کر نماز ادا کرو۔

امام اعظم کے نزدیک ارکانِ نماز کی تعدیل واجب ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں تعدیل ارکان فرض ہیں اور اس کے بغیر نماز بالکل ہی نہیں ہوتی۔

خشوع کی دوسری قسم یہ ہے کہ دورانِ نماز اللہ کے تصور میں اس حد تک کھو جانا کہ کائناتِ دو عالم کی ہر شے سے بیگانگی رہے۔ نماز میں اس درجہ مشغول ہو جانا کہ اگر کائنات اِدھر کی اُدھر ہو جائے مگر نمازی کو خبر نہ ہو۔

حضرت یعقوب اوتاری رحمۃ اللہ علیہ خدا کے برگزیدہ بندے تھے۔ وہ نماز میں اس درجہ محو ہوا کرتے تھے کہ انھیں کسی شے کی خبر نہ ہوتی تھی۔ تذکرۃ الواعظین، صفحہ: 27 پر مرقوم ہے کہ ایک مرتبہ آپ نماز ادا کر رہے تھے۔ ادھر سے ایک جیب کترا گزرا اور ان کے اوپر سے چادر لے بھاگا۔ لوگوں نے اسے پکڑا اور کہا یہ چادر ایک بزرگ کی ہے۔ فوراً واپس کر دو، ایسا نہ ہو کہ وہ تمہارے لیے بددعا کر دیں اور تمہارے ساتھ ہم پر بھی عذاب نازل ہو۔ وہ شخص ڈر گیا اور آپ کو چادر اوڑھا دی۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں نے اس واقعہ کا تذکرہ کیا اور چور نے بھی اپنی حرکتِ نارسا کی معافی مانگی۔ آپ نے جواب میں فرمایا: مجھے قطعاً خبر نہیں کہ کس نے میری چادر اُتاری اور کب اُتاری اور مجھے یہ بھی علم نہیں کہ دوبارہ کس نے اور کب چادر اوڑھائی۔

اسی کتاب کے صفحہ 109 پر مرقوم ہے کہ حضرت مسلم بن سیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مرتبہ نماز کی ادائیگی میں مشغول تھے کہ ان کے گھر کو آگ لگ گئی۔ آپ اسی گھر میں نماز ادا کر رہے تھے، جس میں آگ لگ گئی تھی۔ شور وغل مچا اور لوگوں نے آگ بجھا دی، مگر اس شور وغل کے باوجود آپ کو قطعاً خبر نہ ہوئی۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو معلوم ہوا کہ گھر میں آگ لگی تھی۔ یہی مسلم بن سیار ایک مرتبہ جامع مسجد میں محوِ نماز تھے۔ آپ کے پہلو میں ستون گر پڑا اور بازار کے لوگوں میں شور وغل مچ گیا، مگر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کوئی خبر نہ ہوئی۔

ایک مرتبہ ربیع بن خیثم رحمۃ اللہ علیہ نمازِ نوافل میں محو تھے۔ آپ کے بالکل سامنے آپ کا گھوڑا بندھا ہوا تھا، جس کی قیمت بیس ہزار درہم تھی۔ ایک چور بغرضِ چوری آیا اور آپ کا گھوڑا بندھا دیکھا اور آپ کو نماز میں مشغول پا کر گھوڑا کھولا اور چلتا بنا۔ لوگوں کو خبر ہوئی تو اظہارِ تاسف کے لیے آپ کے پاس حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا: گھوڑا بے خبری میں چوری نہیں ہوا۔ بلکہ جب چور گھوڑا کھول رہا تھا تو مجھے علم تھا، مگر میں کام میں مصروف تھا، جس پر ہزارہا گھوڑے قربان کیے جا سکتے ہیں۔ اللہ کی قدرت کہ نماز کی حالت، خشوع کی برکت سے آپ کا گھوڑا اسی روز واپس آ گیا۔

خشوع کی تیسری قسم یہ ہے کہ قلب ونظر دیدارِ الٰہی میں مشغول ہوں۔ یعنی نماز کے دوران اس بات کا احساس ہو کہ ہم اللہ کو دیکھ رہے ہیں۔ ہمارے پیارے رسول ﷺ نے فرمایا:

اُعْبُدِ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهٗ يَرَاكَ۔ (کشف الغمہ، جلد:1، صفحہ:88)

اللہ تعالیٰ کی عبادت اس شان سے کرو کہ گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو (اگر اس مرتبہ کا حامل نہ ہو) اگر تو اس کو دیکھ نہ سکے تو (یوں سمجھ لو) کہ تمھیں وہ دیکھ رہا ہے۔ اگر ایسی نماز ادا کی جائے تو اس پر بے شمار انوار وثمرات مرتب ہوں گے۔

بلاخشوع نماز نمازی کے منہ پر ماری جاتی ہے

نماز میں خشوع از حد لازمی شے ہے۔ اس کے بغیر نماز مکمل نہیں ہوتی اور اس پر آسمانوں کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور گندے کپڑے میں لپیٹ کر نمازی کے منہ پر ماری

جاتی ہے:

وَمَنْ صَلَّاهَا بِغَيْرِ وَقْتِهَا وَلَمْ يُسْبِغْ لَهَا وُضُوْءَهَا وَ لَمْ يُتِمَّ لَهَا خُشُوْعَهَا وَلَا رُكُوْعَهَا وَلَا سُجُوْدَهَا خَرَجَتْ وَهِيَ سَوْدَاءُ مُظْلِمَةٌ تَقُوْلُ خَيَّبَكَ اللهُ كَمَا خَيَّبْتَنِيْ حَتّٰى إِذَا كَانَتْ حَيْثُ شَاءَ اللهُ لُفَّتْ كَمَا تُلَفُّ الثَّوْبُ ثُمَّ ضَرِبَ بِهَا وَجْهُهٗ۔ (زواجہ، جلد اوّل، ص:166)

ترجمہ: جو شخص بے وقت نماز پڑھے اور وضو مکمل نہ کرے اور نماز میں خشوع اور سجدہ رکوع تمام نہ کرے تو ایسی حالت میں نماز سیاہ اور کالی ہوتی ہے اور کہتی ہے: اے نمازی! جس طرح تو نے مجھے برباد کیا، اس طرح اللہ تجھے برباد کرے۔ یہاں تک کہ اللہ چاہتا ہے وہاں جاتی ہے اور اس کو لپیٹا جاتا ہے جیسا کہ پرانا کپڑا لپیٹا جاتا ہے، پھر اللہ اس کو نمازی کے چہرے پر مارتا ہے۔

فائدہ: نماز کی اصل خشوع ہے، اس کے بغیر نماز نامکمل ہے۔ رکوع، سجود پوری طرح ادا کرنا نماز کا حسن ہے اور ماسوائے اللہ کے کائنات کی ہر شے سے انقطاعِ کلی لازمی امر ہے۔

تذکرۃ الواعظین، صفحہ:28 پر ہے کہ بعض علما نے نماز کی دو قسمیں بیان کی ہیں۔ ایک خاص، دوسری عام۔ خاص نماز یہ ہے کہ نمازی نماز کی توقیر کا خیال رکھے۔ ہیبت و وقار کے ساتھ کھڑا ہو کر خوف و ادب خدا سے رجوع کرے، تعظیم کے ساتھ ادا کرے اور عام نماز یہ ہے کہ غفلت کے ساتھ پڑھی جائے۔ جہالت کے ساتھ کھڑا ہوا، وسوسہ سے پڑھے اور اللہ کی بجائے دنیا کے مشغلوں میں مشغول ہو۔

ایسے نمازی کی حالت اس مجرم شخص کی سی ہے جو اپنے آقا و مالک کے حضور اپنے جرم کی معافی کے لیے حاضر ہو اور اپنے آقا سے معافی مانگے اور جب وہ رکوع کرے تو خود دائیں بائیں منہ پھیرے۔ اسی طرح بادشاہ اس کی حاجت براری نہ کرے گا اور اس کی بات نہ سنے گا۔ جب کہ بادشاہ خفا ہو جائے اور اس پر اپنا عتاب نازل کرے۔ بادشاہ کا متوجہ ہونا اسی صورت میں ہوگا جب کہ بندہ خود اس کی طرف متوجہ ہوگا۔ یہی حال نماز کا ہے۔ جب بندہ نماز پڑھنے کے لیے کھڑا ہوتا ہے اور نماز کے ارکان کو پورے طور پر ادا نہ کرے تو وہ نماز

بارگاہِ الٰہی میں اجابت کا درجہ حاصل نہیں کرتی، کیونکہ جب ایسی ناقص نماز آسمان کی طرف بلند ہوتی ہے اور اپنا تاریک اثر لیے ہوئے وہاں تک پہنچتی ہے تو اس پر آسمان کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور پرانے کپڑے کی طرح لپیٹ کر وہ نماز پڑھنے والے کے منہ پر ماری جاتی ہے۔

نماز کو جلدی ادا کرنا منافقت ہے

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةُ الْمُنَافِقِ يَرْقُبُ الشَّمْسَ حَتّٰى إِذَا اصْفَرَّتْ وَكَانَتْ بَيْنَ قَرْنَيِ الشَّيْطَانِ قَامَ فَنَقَرَ اَرْبَعًا لَا يَذْكُرُ اللهَ فِيْهَا اِلَّا قَلِيْلًا۔ (رواہ مسلم، مشکوٰۃ ص60)

حضرت انس رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ منافق کی نماز ہے کہ سورج کا انتظار کرتا رہے جب کہ وہ زرد ہو جائے اور شیطان کے دونوں سینگوں کے سنگم میں آ جائے تو کھڑا ہو کر چار چونچیں مارے اور اس میں تھوڑا سا اللہ کا ذکر کرے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِذَا قَامُوْا لِلصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللهَ اِلَّا قَلِيْلًا۔

منافقین جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو سستی سے کھڑے ہوتے ہیں اور اللہ کے ذکر میں کمی کرتے ہیں۔

مسلمانو! ذرا اپنے گریبانوں میں جھانک کر دیکھو، کیا ہم نماز خشوع و خضوع کے ساتھ ادا کرتے ہیں، یا ہماری نماز منافقانہ نماز ہے۔ اگر ہماری نماز منافقانہ ہے تو ہمیں چاہیے کہ اس میں خشوع و خضوع اختیار کریں، کیونکہ یہ سنت رسول اور سنت ابراہیمی ہونے کے علاوہ سنت صحابہ بھی ہے۔

کیمیائے سعادت، صفحہ:103 پر ہے کہ حضرت سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام جب اجابتِ نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو ان کے دل کے دھڑکنے کی صدا دو میل تک سنائی دیتی

تھی اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ جب نماز کا ارادہ فرماتے تو آپ کے جسم مبارک میں لرزہ کی کیفیت پیدا ہوتی۔ روئے اقدس کا رنگ متغیر ہو جاتا اور فرماتے کہ اب اس امانت کے اُٹھانے کا وقت آ گیا ہے کہ جس کو ساتوں ارض وسما بھی نہ اٹھا سکے۔

حضرت عبداللہ بن زبیر جب نماز میں ہوتے تو ایک سوکھی لکڑی کی طرح ہوتے تھے یعنی وہ اس طرح کھڑے ہوتے تھے کہ جیسے سوکھی لکڑی ہوتی ہے۔ (غنیۃ الطالبین، صفحہ:108)

حضرت مسلم بن سیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب نماز پڑھتے تو گھر والوں سے فرماتے کہ تم جس طرح چاہو باتیں کرتے رہو۔ مجھے تمہاری باتوں کا پتہ نہیں چلے گا۔ (احیاء العلوم، صفحہ:157)

ایک مرتبہ حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے نخلستان میں نماز ادا کر رہے تھے۔ ناگاہ آپ کی نگاہ ایک خوبصورت پرندے پر پڑی کہ وہ گھنے اشجار کی شاخوں کے بیچ الجھا ہوا ہے اور نجات کا کوئی راستہ نہیں پاتا۔ آپ کا خیال اس طرف کھو گیا اور نماز سے غافل ہو گئے، جس سے آپ کو یہ یاد نہ رہا کہ آپ نے کتنی رکعت ادا کی ہیں۔ پس آپ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واقعہ بیان کیا۔ اس کا آپ کو اتنا افسوس ہوا کہ آپ نے وہ نخلستان صدقہ کر دیا۔ (کیمیائے سعادت، صفحہ:108)

ایک مرتبہ رات کے وقت حضرت عمر بن عبدالعزیز کے ہاں مہمان آیا۔ آپ نے اس کا بستر نالے کے نیچے بچھایا اور خود چوبارے میں سو گئے۔ نمازِ تہجد کے وقت بیدار ہوئے اور نماز میں مشغول ہو گئے۔ سجدہ میں جا کر اس قدر روئے کہ آپ کے اشک سے پرنالہ جاری ہو گیا اور آپ کے اشک کے قطرے مہمان پر گرے۔ اس نے خیال کیا کہ شاید بارش ہو گئی، مگر فلک پر بادل کا نام ونشان نہ تھا۔ جب چوبارہ پر چڑھ کر دیکھا تو حضرت عمر بن عبدالعزیز سجدے میں رو رہے ہیں اور یوں پھڑک رہے ہیں جیسے الحائد ذبیح پھڑکتا ہے۔ (کشف الغمہ، ص98)

تذکرۃ الواعظین، صفحہ:27 پر ہے کہ رابعہ بصری نماز پڑھ رہی تھیں۔ جب سجدہ کیا تو چٹائی کا نوکدار تنکا آنکھ میں لگا، جس سے آنکھ تباہ ہو گئی، مگر آپ کی محویت دیکھئے کہ آپ کو مطلق خبر نہ ہوئی۔

انیس الواعظین، صفحہ:33 پر مرقوم ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاؤں

کی ایڑی میں تیر گڑ گیا، جو نماز کی حالت میں نکال لیا گیا اور آپ کو مطلق خبر نہ ہوئی۔

حضرات! مقامِ غور ہے۔ کیا ہم سے کوئی نماز میں ایسا خشوع اپنا سکتا ہے کہ آنکھ میں تنکا چبھ جائے اور پاؤں کی ایڑی سے تیر نکال لیا جائے، مگر ہمیں پتہ بھی چلے۔ آج ہمارے مسلمان نماز سے بالکل غافل ہیں۔ اگر پڑھتے ہیں تو اس میں خشوع وخضوع نہیں اپناتے، بلکہ نماز میں ہی دنیا کے کام یاد آتے ہیں۔ خارش اس وقت ہوتی ہے جب نماز پڑھتے ہیں۔ ایک فوجی کو بھی خارش اس وقت شروع ہوتی ہے جب وہ نماز میں ہوتا ہے۔ حالانکہ پریڈ کے دوران اسے مطلق خارش کی شکایت نہیں ہوتی۔

احیاء العلوم، صفحہ:157 پر مرقوم ہے کہ حضرت حلف بن ایوب سے کسی نے پوچھا: نماز میں تم کو مکھیاں نہیں ستاتیں؟ فرمایا: میں کسی ایسی شے کا عادی نہیں، جس سے نماز میں نقصان ہو۔ یہ بدکار لوگ حکومت کے کوڑوں کو برداشت کرتے ہیں۔ محض اس لیے کہ لوگوں میں ان کی تحمل مزاجی کے چرچے ہوں اور پھر یہ اس کو فخریہ طور پر بیان کرتے ہیں اور میں اپنے مالک کے سامنے کھڑا ہو کر ایک مکھی کی وجہ سے حرکت نہیں کر سکتا۔

مشکوٰۃ، صفحہ:91 پر روایت ہے کہ ہمارے پیارے رسول ﷺ نماز پڑھتے تھے تو آپ کا قلب مبارک یوں جوش کھاتا تھا جس طرح پانی سے بھری ہوئی کوئی دیگ آگ پر جوش کھاتی ہے اور اس سے آواز آتی ہے۔

اللہ ہم سب کو نماز میں خشوع وخضوع کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

□□□

بارہواں وعظ

ترکِ صلوٰۃ پر برائی

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَ اتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ۝ (سورۂ مریم، رکوع:4)

پس آئیں گے ان کے بعد ایسے نالائق کہ نماز چھوڑیں گے اور خواہش نفسانی کی پیروی کریں گے۔ پس عنقریب وہ غی سے ملاقات کریں گے۔

دنیائے اسلام کے مسلمانو! بے نمازی کو ناخلف اور نالائق کہا گیا ہے اور ایسے لوگوں کا ٹھکانہ غی ہے۔ اِلَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا ۝ مگر وہ لوگ جنھوں نے توبہ کی اور ایمان لائے اور نیک اعمال کیے۔ فَأُولٰئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْئًا ۝ پس وہی لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر ظلم نہ کیا جائے گا۔

غی کیا ہے؟

بہارِ شریعت، جلد سوم میں غی کی تعریف یوں کی گئی ہے۔ غی جہنم کی ایک وادی ہے، جس کی گہرائی اور گرمی سب سے زیادہ ہے۔ اس وادی میں ایک کنواں ہے، جس کا نام ہبہب ہے۔ جب جہنم کی آگ کے شعلے ختم ہونے لگتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کنوئیں کا منھ کھول دیتا ہے، جس سے وہ از سرِ نو بھڑکنے لگتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ۝

جب بجھنے پر آئے گی ہم انھیں اور بھڑک میں زیادہ کریں گے۔

یہ کنواں بے نمازیوں، زانیوں، شرابیوں، سود خوروں اور والدین کو اذیت دینے والوں

کے لیے مخصوص ہے۔

درۃ الناصحین، صفحہ: 296 پر ہے کہ وہب بن منبہ نے غی کی تعریف یہ کی ہے کہ غی ایک غار ہے جو از حد عمیق اور بدرجہ غایت بدبودار ہے۔ اگر اس کا ایک قطرہ دنیا میں ٹپک پڑے تو لاریب یہ دنیا مکمل طور پر فنا ہو جائے۔

رب العالمین احکم الحاکمین سورۂ مدثر میں ارشاد فرماتا ہے:

مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ ۝ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ۝

ترجمہ: جب دوزخی دوزخ میں اور جنتی جنت میں داخل ہو جائیں گے تو اہلِ جنت دوزخیوں کو دیکھ کر کہیں گے کہ تم کو دوزخ میں کس چیز نے ڈالا ہے۔ وہ کہیں گے کہ ہم نماز نہیں پڑھا کرتے تھے۔

بے وقت نماز پڑھنے والے کے لیے ویل ہے

نماز نہ پڑھنا از حد خطرناک اور ہولناک ہے۔ اگر کوئی نماز کی قضا کر بھی لے تو بھی ایسے شخص کے لیے سخت وعید ہے۔ ربّ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝

ان نمازیوں کے لیے ویل ہے جو اپنی نمازوں سے غافل ہیں۔

ویل کے لفظی معنی، تباہی و بربادی کے ہیں۔ یعنی نماز سے غفلت برتنے والے کے لیے تباہی اور بربادی ہوتی ہے۔ جہنم میں ایک ایسی وادی ہے جس کی سختی سے جہنم بھی توبہ کرتی ہے۔ اس سخت وادی کا نام ویل ہے۔ جان بوجھ کر نماز قضا کرنے والوں کے لیے یہی ٹھکانہ ہے۔ نماز نہ پڑھنا از حد ہلاکت خیز ہے۔

حکایت: زواجہ، جلد اوّل، صفحہ: 112 پر ایک حکایت مرقوم ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص کی ہمشیرہ کی موت ہوگئی، اس کی تجہیز و تکفین کی گئی۔ اتفاقاً غلطی سے روپوں کی ایک تھیلی مردے کے ساتھ قبر میں دفنا دی گئی۔ جب یاد آیا تو وہ شخص واپس لوٹا اور اپنی بہن کی آخری اور اصلی منزل یعنی قبر سے مٹی ہٹائی تو اس کو پتہ چلا کہ اس کی ہمشیرہ کی قبر

میں شعلے بھڑک رہے ہیں جو اس کی ہمشیرہ کے بدن کو جلا رہے ہیں۔ وہ شخص خوف زدہ ہو گیا اور قبر پر مٹی ڈال دی۔ روتا ہوا گھر واپس آیا اور اپنی والدہ سے پوچھنے لگا کہ اماں جان، میری ہمشیرہ کیا عمل کیا کرتی تھی؟ والدہ نے کہا: تو کیوں پوچھ رہا ہے؟ اس نے سارا ماجرا گوش گزار کر دیا۔ یہ سن کر والدہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور کہنے لگی: بیٹے! تیری بہن میں یہ عیب تھا کہ وہ نماز میں سستی کرتی تھی اور بے وقت نماز پڑھتی تھی۔

اسی صفحہ پر ایک اور حکایت درج ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت سیدنا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا زمانہ تھا۔ ایک خاتون نے ہوائے نفسانی سے مغلوب ہو کر زنا کا ارتکاب کر لیا۔ زنا سے حمل ٹھہر گیا اور معینہ مدت کے بعد ایک بچے کی آفرینش ہوئی، جس کو اس نے قتل کر دیا۔ بعد میں احساسِ گناہ ہوا۔ وہ خاتون حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئی اور یوں عرض پرداز ہوئی: یا نبی اللہ! مجھ سے ایک گناہ سرزد ہو گیا ہے، جس سے میں توبہ کرتی ہوں۔ آپ سے گزارش ہے کہ آپ اللہ سے عرض کریں کہ وہ میرے گناہ بخش دے۔ موسیٰ علیہ السلام نے گناہ دریافت فرمایا۔ اُس کے بتانے پر موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ناراض ہوئے اور فرمایا: اے بدکار! یہاں سے چلی جا: کہیں تیری نحوست سے آسمان شعلہ زن نہ ہو جائے، جس کی زد میں آ کر ہم بھی جل جائیں۔ خاتون شرمندہ ہوئی اور واپس لوٹ گئی۔ اسی وقت جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے اور عرض کی: یا نبی اللہ! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آپ نے ایک توبہ کرنے والی کو کیوں نکال دیا۔ کیا آپ نے اس سے زیادہ بُرے شخص کو دیکھا ہے؟ آپ نے پوچھا: اس سے بُرا کون ہے؟ جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب دیا: اس سے بُرا وہ ہے جس نے قصداً نماز کو ترک کیا۔

گویا نماز چھوڑنے کی اتنی برائی ہے کہ اس کا گناہ ایک زنا اور قتل سے بھی زیادہ ہے۔

قیامت کے دن بے نمازی پر ذلت سوار ہوگی

جو لوگ نماز ادا نہیں کرتے روزِ محشر ان کی پشت تانبے کی بن جائے گی اور ان پر ذلت و ندامت سوار ہوگی۔ شرمندگی کے باعث وہ اپنی گردنیں جھکا کے رکھیں گے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّ يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ وَقَدْ كَانُوْا يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ وَهُمْ سَالِمُوْنَ۔ (پارہ 29، سورۂ قلم)

جس دن ایک ساق کھولی جائے گی اور سجدے کو بلائے جائیں گے، تو نہ کر سکیں گے۔ نظریں نیچی کیے ہوئے ان پر ذلت چڑھ رہی ہوگی۔ بے شک دنیا میں سجدے کے لیے بلائے جاتے تھے، جب تندرست تھے۔

ثابت ہوا کہ روزِ محشر بے نمازی کے لیے بڑی پریشان کن ہوگی اور وہ اللہ کے حضور شرمسار ہوگا اور ندامت کے بارے اس کا سر جھکا ہوا ہوگا اور نظریں زمین میں گڑی ہوئی ہوں گی۔

تارکِ صلوٰۃ سے اللہ کا ذمہ بری ہو جاتا ہے

فرض نماز کا چھوڑنا اللہ کو سخت ناپسندیدہ امر ہے۔ تارک الصلوٰۃ کے نفع و نقصان کا اللہ تعالیٰ ذمہ دار نہیں ہوتا۔ مشکوٰۃ، صفحہ: 18 پر معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول منقول ہے:

قَالَ اَوْصَانِيْ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَشْرِ كَلِمَاتٍ قَالَ لَا تُشْرِكْ بِاللهِ شَيْئًا وَّاِنْ قُتِلْتَ وَحُرِّقْتَ وَلَا تَعُقَّنَّ وَالِدَيْكَ وَاِنْ اَمَرَكَ اَنْ تَخْرُجَ مِنْ اَهْلِكَ وَمَالِكَ وَلَا تَتْرُكَنَّ صَلَاةً مَكْتُوْبَةً مُتَعَمِّدًا فَاِنَّ مَنْ تَرَكَ صَلٰوةً مَكْتُوْبَةً مُتَعَمِّدًا فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُ ذِمَّةُ اللهِ وَلَا تَشْرَبَنَّ خَمْرًا فَاِنَّهٗ رَأْسُ كُلِّ فَاحِشَةٍ وَاِيَّاكَ وَالْمَعْصِيَةَ فَاِنَّ بِالْمَعْصِيَةِ حَلَّ سَخَطُ اللهِ وَاِيَّاكَ وَالْفِرَارَ مِنَ الزَّحْفِ وَاِنْ هَلَكَ النَّاسُ وَاِذْ اَصَابَ النَّاسَ مَوْتٌ وَاَنْتَ فِيْهِمْ فَاثْبُتْ وَاَنْفِقْ عَلٰى عِيَالِكَ مِنْ طَوْلِكَ وَلَا تَرْفَعْ عَنْهُمْ عَصَاكَ وَ اَخِفْهُمْ فِي اللهِ۔

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے دس باتوں کی وصیت فرمائی۔ فرمایا: اللہ کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہرانا، اگرچہ تو قتل کر دیا جائے یا جلا دیا جائے۔ والدین کی حکم عدولی نہ کرنا، اگرچہ وہ تجھے اہل و عیال سے نکل

جانے کا حکم دیں۔ نماز فرض کو جان بوجھ کر نہ ترک کرنا، کیونکہ جو فرض نماز جان بوجھ کر ترک کرتا ہے، بے شک اللہ کا ذمہ اس سے بری ہو جاتا ہے اور شرابی نہ بننا، بے شک شراب ہر بے حیائی کی جڑ ہے اور گناہوں سے بچنا کہ گناہوں سے اللہ کا غضب نازل ہوتا ہے اور جہاد سے دفعۃً نہ دوڑنا اگرچہ ساتھی مارے جائیں اور جب وبا پھوٹ پڑے اور ان میں تُو خود ہو تو ثابت قدم رہنا اور اپنی بساط کے مطابق اپنے اہلِ خانہ پر خرچ کرنا۔ تنبیہ کے واسطے ان پر سے اپنا عصا نہ اُٹھانا اور اللہ کے بارے میں ان کو خوف دلاتے رہنا۔

فائدہ: حضرت معاذ بن جبل کے مندرجہ بالا قول میں 'لکڑی (عصا) نہ ہٹانا' سے مراد یہ ہے کہ بچوں کو غلط، ناجائز اور بے ہودہ باتوں پر مار پیٹ سے منع کرنا، کیونکہ بغیر مار سے ان کی تنبیہ نہیں ہوتی اور وہ نڈر ہو کر اپنی من مرضی کرتے ہیں۔ آج کل والدین ابتدائے عمر میں جوشِ محبت میں آ کر بچوں کو تنبیہ نہیں کرتے بلکہ ناز و پیار میں ان کی عادتیں بگاڑ دیتے ہیں اور پھر سر پر ہاتھ رکھ کر روتے ہیں۔ مگر اشک شوئی سے کوئی نتیجہ نہیں نکلتا۔ لہٰذا اولاد کو بری باتوں سے نہ روکنا، اولاد کے ساتھ محبت کے پردے میں دشمنی ہے۔ کوئی سمجھ دار اور باشعور اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ اولاد کے پھوڑے پھنسی کو بڑھایا جائے اور نشتر محض اس وجہ سے نہ لگایا جائے کہ اس کے بچے کو تکلیف ہوگی۔ اس لے بچہ خواہ کتنا روئے چلّائے، نشتر کا چرکہ لگانا ہی پڑتا ہے۔ بالکل اس طرح جیسے سونے کو کندن بنانے کے لیے لازمی ہے کہ اس کو آگ میں پھینکا جائے، اس لیے بچے کی بری عادتیں سنوارنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کو مار پیٹ کی جائے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔ جب بچہ سات سال کا ہو جائے تو اسے نماز پڑھنے کا حکم دو اور جب دس برس کا ہو جائے تو اسے مار پیٹ کر نماز پڑھاؤ:

قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم مُرُوْا اَوْلَادَكُمْ بِالصَّلٰوةِ وَهُمْ اَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِيْنَ وَاضْرِبُوْهُمْ عَلَيْهَا وَهُمْ اَبْنَاءُ عَشَرَ سِنِيْنَ وَفَرِّقُوْا بَيْنَهُمْ فِي الْمَضَاجِعِ ٥ (رواہ احمد، مشکوٰۃ، صفحہ:58)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا جب تمہاری اولاد سات سال کی ہو جائے، ان کو

نماز ادا کرنے کا حکم دو۔ جب دس کے ہو جائیں تو نماز نہ پڑھنے پر ان کو مارو اور بستروں سے ان کو جدا کر دو۔

مندرجہ بالا حدیث سے یہ سبق ملتا ہے کہ ہمیں اپنی اولاد کو نماز کا پابند بنانا چاہیے، اس کے لیے لازمی ہے کہ ہم خود بھی نماز کا پابند بنیں۔ کیونکہ نفسیاتی طور پر یہ قاعدہ ہے کہ بچے وہی کرتے ہیں جو ان کے والدین کرتے ہیں۔ آپ دیکھتے ہوں گے کہ گھروں میں جب والدین نماز پڑھتے ہوں تو چھوٹے بچے بھی آ کر مصلیٰ پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور اپنے والدین کی نقل کرتے ہیں۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ خود کو نماز کا پابند بنائیں، جبھی ہم اپنی اولاد کو نماز پر قائم کر سکتے ہیں اور اس طرح ہم دربارِ رسالت میں سرخ روئی حاصل کر سکتے ہیں، ورنہ اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ہمارے لیے تباہی و بربادی کے سامان ہیں، جن سے ہم کسی طور پر نجات حاصل نہیں کر سکیں گے۔

نماز کے چھوڑنے سے دین و دنیا کی تباہی

نماز کا ترک کرنا گناہِ کبیرہ ہے اور ربِّ عظیم گناہِ کبیرہ معاف نہیں فرماتا۔ نماز ترک کرنے سے دنیا اور دین کی عظیم دولت کا ضیاع ہوتا ہے۔ ہم اس حقیقت سے خوب اچھی طرح آشنا ہیں، ہمیں خبر ہے، ہمیں علم ہے، ہم جانتے ہیں کہ نماز کے بغیر ہم نجات حاصل نہیں کر سکتے، بلکہ سراسر خسارے میں رہیں گے، لیکن اس کے باوجود ہم خوابِ غفلت میں از خود محو ہیں اور نماز کو یکسر فراموش کر چکے ہیں۔ سنبھلو، ہوشیار ہو جاؤ، مسلمانو! جاگ جاؤ، بیدار ہو جاؤ کہ ایک دن ہمیں سو جانا ہے۔ ابدی نیند سو جانا ہے۔ قیامت تک نہ جاگنے کے لیے سو جانا ہے، پھر ہم جاگنے کی اور بیدار ہونے کی تمنا کریں گے، مگر تمنا بر نہیں آئے گی، اس لیے ابھی وقت ہے، یعنی بوجھل مژگاں اوپر اٹھایئے۔ چشمِ حقیقت شناس کھولیے اور نماز کو اپنے لیے سرمایۂ حیات بنالیں تاکہ قیامت کے دن ہم اللہ کے حضور پیش ہو سکیں۔ بصورتِ دیگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قول کے مطابق ہم دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی تباہ و برباد ہوں گے۔

عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم اَلَّذِيْ يَفُوْتُهٗ

صَلٰوةُ الْعَصْرِ فَكَاَنَّمَا وُتِرَ اَهْلَهٗ وَمَالَهٗ۔ (متفق علیہ، مشکوٰۃ، صفحہ:60)

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کی نمازِ عصر فوت ہوجائے گی، گویا وہ اپنے اہل وعیال سے محروم ہوگیا۔

فائدہ: یوں تو نماز کی فوتگی کی کئی وجوہ ہوسکتی ہیں، مثلاً سخت بیماری، کمزوری، لاچاری اور لاغری۔ لیکن عام طور پر نماز کے فوت ہونے کی دو وجوہ ہوتی ہیں: پہلی وجہ یہ کہ انسان اپنی اولاد کے نان ونفقے میں اس حد تک محو ہوجاتا ہے کہ نماز فوت ہوجاتی ہے۔ دوسری یہ ہے کہ طلبِ مال اور حرصِ زر کی بدولت نماز فوت ہوجاتی ہے۔ ہم مسلمان نماز کے فوت ہوجانے کا کوئی افسوس نہیں کرتے۔ حالانکہ یہ اتنی افسوس کی بات ہے کہ اتنا افسوس بال بچوں کی ہلاکت اور مال ودولت کے ضیاع کا بھی نہیں ہوتا۔ لوگ یہ دلیل دیتے ہیں کہ بال بچوں کی پرورش بھی تو ازحد ضروری ہے۔

میرے برادر! ذرا سوچیں کہ جس اللہ نے آپ کو اولاد جیسی نعمت سے نوازا ہے۔ کیا وہ ان کی حفاظت اور نگہبانی نہیں کرسکتا۔ یقیناً کرسکتا ہے، بشرطیکہ آپ خود کو اس کے دربار میں پیش کر دیں اور سراپا عجز بن کر عرض کریں: اے اللہ تعالیٰ! میں تیری راہ میں حاضر ہوں۔ اب تُو ہی میرے بچوں کی پرورش اور نگہبانی فرما۔ اپنی اولاد کے لیے خلوصِ دل سے مانگی ہوئی دعائیں دیکھیں کہ کیسے قبول نہیں ہوتیں۔ اصل بات یہ ہے کہ ہمیں نماز چھوڑنے کے لیے کوئی نہ کوئی بہانا چاہیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایک نماز کے ضائع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو اس کے اہل وعیال اور مال ودولت سے محروم کردیا گیا ہے اور وہ اکیلا رہ گیا ہے، لیکن ہم کو اس بات کا کوئی خیال نہیں۔ سیدھی بات ہے۔ میرے دوستو! دنیا میں دو ہی راستے ہیں: ایک صراطِ مستقیم ہے جو پُرامن ہے۔ سایہ دار ہے، محفوظ ہے اور سیدھا جنت میں لے جاتا ہے۔ اور دوسرا راستہ پُرخطر ہے، اس میں قدم قدم پر خار سر اُبھارے کھڑے ہیں۔ اس راستے میں ڈاکو اور لٹیرے ہیں جو انسان کی جان ومال کو لوٹ لیتے ہیں۔ یہی نہیں انسان کی عزت کو پارہ پارہ کر دیتے ہیں۔ یہ راستہ بڑا پرخطر ہے اور سیدھا دہکتی ہوئی آگ یعنی جہنم میں لے جاتا ہے۔ ہمارے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان دو راستوں کے متعلق وضاحت فرماتے ہوئے ارشاد

فرماتے ہیں کہ اگر نماز پڑھو گے تو سیدھے راستے پر چلو گے اور جنت کے حقدار بن جاؤ گے۔ اور اگر نماز نہیں پڑھو گے تو صراطِ مستقیم سے بھٹک جاؤ گے اور رانگ وے پر پہنچ جاؤ گے۔ جہاں قدم قدم پر ڈاکو تمہارے لیے دار الفنا کے سامان لئے بیٹھے ہیں۔ یہ بات بالکل جھوٹ نہیں ہوسکتی کیونکہ اس کے ارشاد فرمانے والے ہمارے پیارے رسول نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، جو کائنات کے سب سے بڑے محسن ہیں جو ایک عظیم انقلاب کے داعی ہیں۔ انسان کو فرش سے اٹھا کر ہمدوشِ ثریا کرنے والے ہیں، اس لیے یہ بات بالکل سچ ہے اور ہمیں بچنا چاہیے ایسے راستوں سے جن میں قدم قدم پر ڈاکو ہماری جان اور مال لوٹنے کے لیے سر پر کفن باندھے شمشیر بکف بیٹھے ہیں۔ ہم ہی نہیں اغیار بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صادق ہونے پر شاہد ہیں۔ ہم ان کے پیروکار ہو کر ان کی امت ہونے کا دعویٰ کرتے ہوئے بھی ان ہی خطرناک راستوں پر بڑھ رہے ہیں۔

بے نمازی کی نجات نہیں ہوگی

نماز ہمارے گناہوں کی بخشش کے لیے اتنی اہم ہے جتنا بھوک مٹانے کے لیے کھانا ضروری ہے۔ کھانا تناول کرنے کے عمل کو ہم بے دلی سے نہیں کرتے بلکہ دل جمعی سے کرتے ہیں۔ اسی طرح نماز بھی دل جمعی سے ادا کرنا چاہیے۔ ہمارے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دن نماز کا ذکر فرما رہے تھے۔ دورانِ کلام آپ نے فرمایا:

مَنْ حَافَظَ عَلَيْهَا كَانَتْ لَهٗ نُوْرًا وَّبُرْهَانًا وَّنَجَاتًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَمَنْ لَّمْ يُحَافِظْ عَلَيْهَا لَمْ تَكُنْ لَّهٗ نُوْرًا وَّ بُرْهَانًا وَّلَا نَجَاتًا وَ كَانَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَعَ قَارُوْنَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَاُبَيِّ بْنِ خَلَفٍ۔

جس نے نماز کی حفاظت کی ہوگی، وہ نماز اس کے لیے نور، برہان اور قیامت کے دن نجات ہوگی اور جس نے نماز کی حفاظت نہ کی ہوگی تو وہ نماز اس کے لیے نہ نور ہوگی، نہ برہان اور نہ قیامت کے دن اس کی نجات ہوگی۔ اور وہ قارون، فرعون، ہامان اور اُبی بن خلف کی معیت میں ہوگا۔

فائدہ: قارون بنی اسرائیل کا ایک امجد و کبیر آدمی تھا اور جناب سیدنا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کزن تھا۔ حضرت سیدنا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کو زکوٰۃ کے لیے کہا۔ اس نے انکار کر دیا۔ دوسرے الفاظ میں اللہ کے حکم سے انکار کر دیا، کیونکہ زکوٰۃ کے لیے حضرت موسیٰ نے اللہ کے حکم سے کہا تھا۔ اس سے انکار کرنے پر اللہ تعالیٰ نے اس کے مال و دولت کے ہمراہ اس کو زمین میں دھنسا دیا اور وہ قیامت تک زمین میں دھنستا رہے گا۔ فرعون ایک کافر بادشاہ تھا۔ جس نے خدائی کا دعویٰ کیا تھا اور جس کی خدائی کو ختم کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرمایا تھا اور ہامان اسی کافر بادشاہ کا نائب اور وزیر اعظم تھا۔ اُبی بن خلف مشرکینِ مکہ میں سے تھا اور اسلام کا شدید دشمن تھا، تاجرانِ مکہ میں سے تھا۔

مولانا ابن حجر مکی زواجہ میں، عبد الرحمٰن صفوری نزہۃ المجالس اور شیخ احمد قشنی مجالسِ سنیہ میں رقم کرتے ہیں کہ بے نمازی کا قیامت کے دن ان کے ساتھ حشر کیا جائے گا، کیونکہ ان چاروں نے اللہ کی عظمت کا انکار کیا اور بے نمازی بھی اللہ کی عظمت سے انکار کرتا ہے۔ اکثر چھوڑی جانے والی نماز کی ایک وجہ یہ ہے کہ حکومت اور سلطنت کا حصول۔ جس کو حکومت اور سلطنت مل جاتی ہے تو اس کے دماغ میں آٹومیٹیکلی فرعونیت پیدا ہو جاتی ہے۔ انسان خود کو اَوروں سے برتر اور اعلیٰ خیال کرنے لگتا ہے اور سلطنت کے کاموں میں یوں مشغول رہتا ہے کہ نماز کا دھیان تک بھی نہیں رہتا۔ فرعون بھی سلطنت پا کر اللہ کو بھول بیٹھا تھا۔ اس لیے سلطنت کا کاروبار چلانے والا کا حشر بے نمازی فرعون کے ساتھ جائے گا۔ اکثر دیکھنے میں آیا ہے، مشاہدے کی بات ہے کہ جس شخص کے پاس مال و دولت ہو، وہ نماز سے غافل ہو جاتا ہے۔ مال و دولت کی وجہ سے نماز چھوڑنے والے کا حشر قارون کے ساتھ ہوگا۔ نماز چھوڑنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ انسان وزارت یعنی ملازمت اور مصاحبت کی کوشش کرتا ہے۔ اس کی وجہ سے نماز میں سستی کرتا ہے۔ ملازمت کو برقرار رکھنے کے لیے نماز کو چھوڑنے والا شخص قیامت میں ہامان کے ساتھ ہوگا اور تجارت میں محورہ کر نماز چھوڑنے والے کا حشر ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔

ترکِ نماز کی نحوست

بے نمازی اتنا منحوس ہے کہ اس کی نحوست دوسری اشیا پر بھی اثر انداز ہوتی ہے۔

حکایت: نزہۃ المجالس، جلد اوّل، صفحہ: 90 پر ایک حکایت درج ہے کہ ایک مرتبہ اللہ کے برگزیدہ بندے آہنگ مسافرت تھے۔ منازل طے کرتے ہوئے برلبِ دریا پہنچے۔ ملاحظہ ہوا کہ دریا کی مچھلیاں ایک دوسرے کو اپنی غذا بنا رہی ہیں۔ بزرگ کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ دریا میں بھی قحط سالی کا اثر سرایت کرے گا۔ اس وقت ہاتفِ غیبی سے ندا آئی: اے عبد! اس دریا کی مچھلیاں ایک دوسرے کو کھا رہی ہیں۔ اس کی وجہ قحط سالی نہیں بلکہ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ یہاں سے ایک بے نمازی گزر رہا تھا۔ سفر کی وجہ سے پیاس محسوس کر رہا تھا۔ پانی دیکھ کر پینے کا ارادہ کیا اور چلّو بھر کر منہ میں ڈال لیا۔ پانی چونکہ کھارا تھا، اس لیے اس نے منہ کا پانی واپس دریا میں پھینک دیا اور اس بے نمازی کے جھوٹے کی وجہ سے دریا میں قحط کی کیفیت پیدا ہو گئی ہے۔

حکایت: ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک بستی کے قریب سے گزرے، دیکھا کہ اس بستی میں نہریں جاری ہیں۔ جابجا سایہ دار شجر سر اٹھائے کھڑے ہیں۔ بستی بڑی بارونق اور جنت کا نمونہ تھی۔ اہلِ بستی کے پاس طعام میں طرح طرح کے لوازمات تھے اور ان کے پاس حسین و خوبصورت لڑکیاں اور لڑکے تھے۔ اس بستی کے مکین بڑے عبادت گزار تھے۔ یہ دیکھ کر سیدنا عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بڑی مسرت ہوئی اور آپ آگے بڑھ گئے۔ تین سال کے بعد واپس تشریف لائے تو صورتِ حال بدلی ہوئی تھی۔ نہ سایہ دار درخت تھے، نہ سبزہ کا نام و نشان تھا۔ مکان منہدم تھے اور آبادی ختم ہو چکی تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ دیکھ کر بہت حیران ہوئے۔ خداوند عظیم نے جبریل کو وحی دے کر حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس بھیجا۔ انھوں نے کہا: اے روح اللہ! بات یہ ہے کہ یہاں سے ایک بے نمازی کا گزر ہوا۔ اس نے چشمے پر اپنا چہرہ دھویا۔ پس اس بے نمازی کی وجہ سے چشمے خشک ہو گئے، درخت سوکھ گئے اور بستی تباہ و برباد ہو گئی۔ اے عیسیٰ علیہ والسلام! جب نماز

دین کو گرا سکتی ہے تو دنیا بھی لازمی طور پر تباہ و برباد کر سکتی ہے۔

بعض صحابہ کے نزدیک بے نمازی کافر ہے

یہ حکایت نزہۃ المجالس، صفحہ:91 پر اور درۃ الناصحین، صفحہ:306 پر بھی مرقوم ہے:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ شَقِيْقٍ قَالَ كَانَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَرَوْنَ شَيْئًا مِّنَ الْاَعْمَالِ تَرْكُهٗ كُفْرًا غَيْرَ الصَّلٰوةِ۔

حضرت عبداللہ بن شفیق فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ صحابہ کے کسی عمل کو کفر خیال نہیں کرتے، سوائے نماز کے۔

فائدہ: بہت سی احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ نماز کا ترک قصداً کفر ہے۔ بعض صحابۂ کرام اور امیر المومنین فاروق اعظم، عبدالرحمٰن بن عوف، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس، جابر بن عبداللہ، معاذ بن جبل، ابو ہریرہ اور ابو داؤد کا یہی مذہب ہے۔ اس طرح ائمۂ کرام میں احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ، عبداللہ بن مبارک اور امام نخعی کا بھی یہی مذہب ہے۔ گرچہ امام اعظم ابوحنیفہ، دیگر ائمہ اور بہت سے صحابۂ کرام بے نمازی کو کافر خیال نہیں کرتے۔ پھر بھی کیا یہ معمولی اور کم بات ہے کہ ان جلیل القدر حضرات کے نزدیک بے نمازی کافر ہے۔

(بہار شریعت، جلد:3، صفحہ:10)

تذکرۃ الواعظین میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جو شخص جان بوجھ کر نماز چھوڑتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو تین بلاؤں میں مبتلا فرماتا ہے۔ چہرے کا نور اُٹھ جاتا ہے۔ مرنے کے وقت اس کی زبان لڑکھڑا جائے گی۔ مرنے کے وقت زبان پر کلمۂ شہادت نہیں آئے گا۔ لہٰذا بے ایمان مرے گا۔

مجالس الابرار میں آنحضور ﷺ سے مروی ہے کہ جس شخص نے نماز سے غفلت برتی، یہاں تک کہ نماز کا وقت جاتا رہا، اس شخص کو کئی حقبہ تک دوزخ میں جلنا پڑے گا۔ ایک حقبہ اسی برس کا اور ہر برس 360 دن کا ہوگا اور ہر دن دنیا کے ہزار سال کے برابر ہوگا۔ گویا دنیاوی حساب سے ایک نماز چھوڑنے والے کو ایک حقبہ کے لیے دس ارب چھتیس کروڑ اور اسی لاکھ

دن تک یعنی تقریباً دو کروڑ چھیاسی لاکھ اٹھاسی ہزار آٹھ سو ننانوے سال تک جہنم میں جلنا ہوگا۔ یہ صرف ایک حقبہ ہے۔ اللہ جانے کتنے حقبے سزا ملے گی اور پھر یہ سزا ایک نماز چھوڑنے کی ہے۔ جس نے پانچ نمازیں چھوڑیں، اس کا کیا حال ہوگا اور کیا آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ جو شخص ساری زندگی نماز نہ پڑھے، اس کا کیا حشر ہوگا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ ایک دن کسی دوسرے کو نماز کی امامت کے لیے اپنا قائم مقام مقرر کروں۔ پھر دو مضبوط اور نوجوان آدمیوں کے سر پر لکڑیوں کا گٹھا رکھوں اور ان لوگوں کے گھروں میں جا کر آگ لگا دوں۔ تباہ و برباد کر دوں جو لوگ اذان کی آواز سنتے ہیں مگر نماز ادا کرنے کے لیے مسجد میں نہیں آتے۔ (تذکرۃ الواعظین)

نماز کے بے شمار فوائد ہیں، دنیاوی بھی اور اُخروی بھی۔ دنیاوی فائدوں میں سے وقت کی پابندی، نظم وضبط، اتحاد و اتفاق، اطاعت و فرمانبرداری عام ہیں اور اخروی فائدے تو اتنے ہیں جن کو خاطر تحریر میں لانا مشکل ہے۔ نماز کی بدولت ہی ہماری نجات ہوگی، ورنہ ہم فلاح نہیں پا سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلٰوتِهِمْ خٰشِعُوْنَ۔

بے شک ان ایمان والوں نے فلاح پائی جو نماز میں عاجزی کرتے ہیں اور ڈرتے ہیں۔

تذکرۃ الواعظین، صفحہ:8 پر مرقوم ہے کہ حدیث نبوی ﷺ میں وارد ہے کہ جس نے نماز کا کوئی وقت اپنی غفلت سے گنوا دیا۔ اس نے خود کو بن چھری کے ہلاک کر دیا اور جس نے دو وقت کی نماز سے غفلت برتی گویا وہ رحمتِ الٰہی سے محروم ہو گیا اور جس نے تین وقت کی نماز چھوڑی، اس نے حضور ﷺ کی روح کو گور میں تکلیف دی اور جس نے چار وقت کی نماز چھوڑی، اس نے گویا تمام آسمانی کتابوں کی تکفیر کی اور جو شخص پانچوں وقت کی نماز چھوڑتا ہے، اللہ تعالیٰ نہایت غیض و غضب کے عالم میں ندا کرتا ہے۔ اے نافرمان، باغی! میں تجھ سے بیزار ہوں اور تو مجھ سے الگ ہے، بس میرے آسمان اور زمین سے دور ہو جا اور اپنا کوئی اور ٹھکانہ ڈھونڈ لے۔ ایسا شخص دنیا سے توبہ کرنے سے قبل ہی مر جاتا ہے۔

بے نمازی سے شیطان بھی بھاگتا ہے

تفسیر سورۂ فاتحہ میں ہے: اِنَّ رَجُلًا كَانَ يَمْشِيْ فِي الْبَادِيَةِ فَوَافَقَهُ الشَّيْطَانُ يَوْماً لَمْ يُصَلِّ الرَّجُلُ الْفَجْرَ وَالظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ فَلَمَّا صَارَ وَقْتُ الْمَنَامِ اَرَادَ الرَّجُلُ اَنْ يَّنَامَ فَهَرِبَ الشَّيْطَانُ عَنْهُ قَالَ الرَّجُلُ تَهْرَبُ مِنِّي فَقَالَ الشَّيْطٰنُ اِنِّيْ عَصَيْتُ اللّٰهَ تَعَالٰى فِيْ مُدَّةِ عُمْرِيْ مَرَّةً فَكُنْتُ مَلْعُوْنًا وَاَنْتَ عَصَيْتَ فِي الْيَوْمِ خَمْسَ مَرَّاتٍ وَاَخَافُ مِنَ اللّٰهِ اَنْ يَّغْضَبَ عَلَيْكَ وَيَقْهَرَنِيْ مَعَكَ بِسَبَبِ عِصْيَانِكَ۔

ترجمہ: ایک شخص جنگل میں جارہا تھا۔ راستے میں شیطان اس کا ہم سفر ہوا۔ ایک دن اس (شخص) نے نمازِ فجر، ظہر، عصر، مغرب اور عشاء نہ پڑھی۔ جب سونے کا وقت آیا اور اس نے سونے کا ارادہ کیا، پس شیطان اس سے بھاگا۔ اس شخص نے کہا مجھ سے کیوں بھاگتا ہے؟ شیطان نے کہا: عمر میں مجھ سے اللہ تعالیٰ کی ایک نافرمانی ہوئی پس میں ملعون ٹھہرا اور تو نے آج کے دن پانچ مرتبہ نافرمانی کی۔ پس مجھے خوف خدا تعالیٰ کا ہے کہ وہ تیرے گناہ کے سبب تیرے ہمراہ مجھ پر بھی قہر اور غضب کرے۔ نماز کے بارے میں پنجابی کے مشہور شاعر وارث شاہ لکھتے ہیں:

وارث شاہ نماز دا فرض وڈا
اینوں سروں لا اوئے دلبر دا واسطہ ای

وارث شاہ اپنے محبوبِ حقیقی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا واسطہ دیتے ہوئے نماز پڑھنے کی تاکید کرتے ہیں، کیونکہ تارکِ صلوٰۃ سے جانور تک بھی دور بھاگتے ہیں۔

رونق المجالس میں تحصیل بن ابی طالب سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا۔ ایک مرتبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ محوِ سفر تھا۔ ہم دونوں چلے جارہے تھے۔ اچانک ایک اونٹ دوڑتا ہوا آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور پکار کر کہا: الامان الامان، یارسول اللہ! تھوڑی دیر گزری تھی کہ اس اونٹ کے پیچھے ایک اعرابی برہنہ شمشیر

ہاتھ میں لیے ہوئے آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: کیا ارادہ ہے اس مسکین کے لیے؟ اعرابی نے کہا: یارسول اللہ! مَیں نے اس اونٹ کو بھاری قیمت دے کر خریدا ہے۔ مگر اب یہ میری فرماں برداری نہیں کرتا۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کو ذبح کروں اور اس کے گوشت سے فائدہ لوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اونٹ سے نافرمانی کرنے کی وجہ دریافت کی۔ اونٹ نے عرض کیا: یارسول اللہ! مَیں دیگر اُمور سے تو روگردانی نہیں کرتا، مگر اس کے اعمالِ بد سے نافرمانی کرتا ہوں۔ یہ شخص اس قوم میں سے ہے جو سوئے رہتے ہیں اور عشاء کی نماز ادا نہیں کرتے۔ مَیں ڈرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب اس پر نازل ہو اور میں بھی اس کی لپیٹ میں آجاؤں اور ناحق مارا جاؤں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص سے وعدہ لیا کہ وہ نماز نہیں چھوڑے گا۔ یہ وعدہ لے کر آپ نے اونٹ اس اعرابی کے سپرد کیا اور اونٹ فرماں بردار بن گیا۔

فائدہ: نماز ترک کرنے کی برائی یہ ہے کہ جانور بھی اس سے الرجک ہو جاتے ہیں اور دل سے کام نہیں کرتے۔ نتیجتاً اس کو خسارہ رہتا ہے، لیکن نماز پڑھنے سے جانور بھی خوش ہوتے ہیں اور دل لگا کر کام کرتے ہیں، جس کا منطقی نتیجہ فائدے کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

انیس المجالس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک بے نمازی کی برائی اس کے ستر ہمسایوں تک پہنچتی ہے، بلکہ حضرت آدم تک کے سب مومنوں کو پہنچتی ہے۔ کیونکہ جب نمازی تشہد پر بیٹھتا ہے اور کہتا ہے: اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ۔ تو اس کا ثواب تمام مومنین کی ارواح کو پہنچتا ہے، جب کہ بے نمازی اس کے بالکل اُلٹ ہے۔ یعنی اس کی بُرائی جملہ مومنین کو پہنچتی ہے۔

بے نمازی کا چہرہ کالے سؤر کی طرح ہوتا ہے

حدیث پاک میں ہے: رُوِيَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَلَسَ يَوْماً مَعَ اَصْحَابِهٖ وَجَاءَ شَابٌّ مِنَ الْعَرَبِ اِلٰى بَابِ الْمَسْجِدِ وَهُوَ يَبْكِيْ فَقَالَ مَا يُبْكِيْكَ يَا شَابُّ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَاتَ اَبِيْ وَلَمْ يَكُنْ لَهٗ كَفَنٌ وَلَا

غَاسِلٌ فَأَمَرَ النَّبِيُّ اَبَابَكْرٍ وَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا فَذَهَبَا إِلَى الْمَيِّتِ فَرَاٰهُ مِثْلَ الْخِنْزِيْرِ الْاَسْوَدِ فَرَجَعَا إِلَى النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَالَ مَا رَأَيْنَاهُ إِلَّا مِثْلَ الْخِنْزِيْرِ الْاَسْوَدِ يَا رَسُوْلَ اللهِ فَقَامَ إِلَى الْجَنَازَةِ فَدَعَا فَصَارَ الْمَيِّتُ عَلٰى صُوْرَتِهِ الْاُوْلٰى وَصَلّٰى عَلَيْهِ الصَّلٰوةَ وَ اَرَادُوا الدَّفْنَ فَرَئٰى كَالْخِنْزِيْرِ الْاَسْوَدِ فَقَالَ يَا شَابُّ اَيَّ عَمَلٍ كَانَ يَعْمَلُ اَبُوْكَ فِي الدُّنْيَا فَقَالَ كَانَ تَارِكُ الصَّلٰوةِ فَقَالَ يَا اَصْحَابِيْ اُنْظُرُوْا حَالَ مَنْ تَرَكَ الصَّلٰوةَ يَبْعَثُهُ اللهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِثْلَ الْخِنْزِيْرِ الْاَسْوَدِ نَعُوْذُ بِاللهِ تَعَالٰى مِنْهَا ۰ (بہجۃ الانوار)

ترجمہ: روایت ہے کہ ایک مرتبہ آنحضور ﷺ ایک صحابی کے ہمراہ بیٹھے تھے اور ایک نوجوان عرب روتا ہوا درِ مسجد پر آیا۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: اے نوجوان! تُو کیوں روتا ہے؟ اس نے کہا: میرے والد نے وفات پائی ہے اور اس کو کفن اور غسل دینے والا کوئی نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کو حکم دیا، پس یہ دونوں میت کے پاس گئے۔ دیکھا کہ وہ کالے سوّر کی طرح ہے۔ پس دونوں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: ہم نے اس کو کالے سوّر کی طرح دیکھا ہے۔ پس حضور ﷺ نے اس جنازے کے قریب کھڑے ہوکر دعا مانگی، جس سے مردہ اپنی اصلی حالت پر آ گیا۔ پھر آنحضور ﷺ نے اس کی نمازِ جنازہ پڑھی۔ لوگوں نے اسے دفن کرنا چاہا تو وہ پھر کالے سوّر کی طرح ہوگیا۔ تب حضور ﷺ نے فرمایا: اے نوجوان! تیرا باپ دنیا میں کیا کام کرتا تھا؟ نوجوان نے کہا کہ بے نمازی تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے میرے اصحاب! دیکھو بے نمازی کا حال۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کالے سوّر کی طرح اُٹھائے گا۔ **نعوذ باللہ من ذلک۔**

اللہ تعالیٰ سے میری پرخلوص دعا ہے کہ وہ ہم مسلمانوں کو سیدھی راہ پر چلائے اور نماز کی پابندی کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

□□□

تیرہواں وعظ

مشروعیتِ اذان، فضیلتِ اذان، مسائلِ اذان

اَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۰

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۰

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا اِلَى اللهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۰

اس سے اچھی بات والا کون ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور اچھے اعمال کرے اور یہ کہے کہ مَیں مسلمانوں میں سے ہوں۔

برادرانِ اسلام! اس کائناتِ آب وگِل میں ہر کام کرنے کا ایک اُصول اور باحسن ضابطہ مقرر ہے۔ اگر ہم مقرر کردہ حسین اور بااصول روش سے ہٹ کر کسی کام کو سرانجام دیں گے تو نہ صرف وہ کام درست نہ ہوگا بلکہ دیگر لوگوں کو بھی بُرا محسوس ہوگا اور ہوسکتا ہے کہ اس سے طرح طرح کی غلط فہمیاں عالمِ وجود میں آجائیں۔ مثال کے طور پر ہم کسی محفل میں موجود ہیں اور ہمیں کھانا تناول کرنا ہے۔ اب کھانا تناول کرنے کے کچھ ضابطے مقرر ہیں۔ مثلاً اپنے آگے سے کھانا، آہستہ آہستہ اور چبا چبا کر کھانا، کھانا شروع کرنے سے قبل ہاتھوں کو گندگی سے پاک کرنا وغیرہ۔ اب اگر ہم ہاتھوں کو گندگی سے پاک نہیں کرتے، کھانا اپنے آگے سے نہیں کھاتے، بلکہ ہاتھ بڑھا کر دوسروں کے آگے سے کھاتے ہیں اور جلدی جلدی کھاتے ہیں تو ہر دیکھنے والا شخص غلط تاثر لے گا۔ ہاتھ کی گندگی سے یہ سمجھے گا کہ یہ شخص زندگی کے دوسرے اُمور میں بھی گندہ رہنا پسند کرتا ہے اور ہاتھ بڑھا کر کھانا کھانے سے دوسرا شخص یہی گمان کرے گا کہ یہ شخص بدتمیز ہے اور جلدی کھانا اس بات کا غماز ہے کہ زیادہ کھانے سے پیٹ بھرنے کا لالچ ہے۔ نیز یہ کہ یہ شخص لالچی ہے۔ بات یہیں پر ہی اختتام پذیر نہیں ہو جاتی۔ اگر ہم کھانا کھانے کے اُصول پر عمل کرتے ہوئے کھائیں تو سب سے قبل ہم ہاتھ

دھوتے ہیں اور ہاتھوں سے گندگی اُتار دیتے ہیں۔ اس سے ایک تو یہ کہ ہر دیکھنے والا صفائی پسندی کا تاثر لیتا ہے اور دوسرے صفائی اللہ تعالیٰ کو بھی پسند ہے اور ہمارے رسول ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

اَلطَّھَارَۃُ نِصۡفُ الۡاِیۡمَانِ. اَلطَّھَارَۃُ نِصۡفُ الۡاِیۡمَانِ. پاکیزگی نصف ایمان ہے۔ یعنی پاکیزگی ایمان کا ایک حصہ ہے۔ گویا صفائی سے اللہ تعالیٰ خوش ہوگا اور اس کا رسول بھی۔ اگر ہاتھ نہیں دھوتے تو اللہ بھی ہم سے خوش نہیں ہوگا اور اس کا محبوب بھی ناراض ہوگا۔

اپنے آگے سے کھانا کھانے کا ایک حسین اُصول ہے۔ اگر ہم اس سے انحراف کریں گے تو گویا دوسروں کی حق تلفی کریں گے، کیونکہ جب ہم ہاتھ بڑھا کر دوسرے کے آگے سے کھانا لیں گے تو صاف طور پر عیاں ہے کہ ہم دوسرے فرد کے حصے کا کھانا کھا رہے ہیں۔ اب یہاں پر ایک بات اور ظہور پذیر ہوسکتی ہے کہ دوسرا فرد ہمارے آگے سے کھانا شروع کر دے گا۔ گویا اس طرح سے برائی پھیلتی ہے اور ہم دانستگی میں برائی پھیلانے کا محرک بن جاتے ہیں۔ تیسری بات یہ کہ اگر ہم جلدی جلدی کھائیں گے تو ظاہر ہے کہ ہمارا کھانا جلد ختم ہوجائے گا۔ اب چونکہ ہم محفل میں ہیں، اس لیے اپنا کھانا کھا کر اُٹھ نہیں سکتے۔ لازمی امر ہے کہ ہم دوسروں کے کھانے میں شریک ہوں گے اور اس کا کھانا بھی کھائیں گے، یعنی ہم اکیلے ایک آدمی کی خوراک سے زیادہ کھائیں گے۔ صاف ظاہر ہے کہ ہمارا معدہ اس کو ہضم نہیں کرے گا اور ہمیں پیچش کی شکایت ہوجائے گی، جس کے علاج کے لیے ہمیں بالضرور ڈاکٹر چاہیے۔ اس کے برعکس اگر ہم آہستہ آہستہ اور چبا کر کھائیں گے تو ایک تو یہ کہ محفل کا ساتھ دیں گے اور دوسرے یہ کہ کھانا ساتھ ہی ہضم ہوکر بعد میں ہمارے لیے باعثِ پریشانی نہیں ہوگا۔ اس طرح دیگر اُمورِ زندگی میں بھی کچھ ضابطے اور اُصول مقرر ہیں جو حسین بھی ہیں اور پُرلطف بھی۔ اگر ہم ان سے انحراف کریں گے تو سخت خسارے میں رہیں گے۔ جس طرح ہر کام کا ایک طریقہ مقرر ہے، اس طرح عبادت کے بلاوے کے لیے بھی ایک طریق کار ہے اور ہر مذہب میں اس کے انداز مختلف ہیں۔ ہندو پجاریوں کو عبادت کا بلاوا اس طرح دیتے ہیں کہ عبادت کے وقت مندروں میں گھنٹیاں بجاتے ہیں۔ عیسائی گرجا گھروں میں سنکھ بجا

کر اعلانِ عبادت کرتے ہیں۔ یہودی اپنی عبادت گاہوں میں ناقوس اور گھنٹی بجا کر یہ ظاہر کرتے ہیں کہ عبادت کا وقت ہوگیا ہے۔ سکھ مذہب کے لوگ عبادت کے لیے دوسرے لوگوں کو بلانے کے لیے گردوارے میں طبلے پر چوٹ لگا کر اس کی صدا بلند کرتے ہیں۔ جبکہ دینِ اسلام کے پرستار اور شیدائی عبادت کے لیے اذان دیتے ہیں۔

مندرجہ بالا طریقوں میں سب سے بہترین طریقہ دین اسلام کا ہے۔ دیگر تمام طرائق جھوٹے، غلط اور باطل ہیں۔ نیز تقاضائے عبادت کی نفی کرتے ہیں۔ مزید یہ کہ اپنے مقصود کی وضاحت کرنے سے قاصر ہیں۔ جب گھنٹی یا ناقوس بجایا جاتا ہے یا طبلہ بجایا جاتا ہے تو اس سے حتمی طور پر یہ پتہ نہیں چلتا کہ یہ طبلہ، یہ گھنٹی اور یہ ناقوس کس مقصد کے لیے بجایا جارہا ہے۔ عبادت کے لیے بجایا جارہا ہے یا کسی شادی بیاہ کی رسم پر بجایا جارہا ہے یا کسی اسٹیشن پر ٹرین کی آمد کی اطلاع دی جارہی ہے، یا کسی اسکول میں چھٹی کا وقفہ ہونے پر گھنٹی بجائی جارہی ہے، یا کہیں کوئی مداری لوگوں کو اپنے کھیل سے محظوظ کرنے کے لیے ڈھول پیٹ رہا ہے۔

مشروعیتِ اذان

دین اسلام نے اپنے پیروکاروں کو اذان کا حکم دیا ہے۔ یہ طریقہ سب طریقوں سے عمدہ اور بہتر ہے۔ جس طرح دین اسلام دیگر ادیان سے منفرد اور ممتاز ہے، اسی طرح اس میں عبادت کی طرف بلانے کا طریقہ بھی دیگر ادیان کے طریقوں سے منفرد اور ممتاز ہے۔ اذان دینے کا آغاز یوں ہوا کہ جب ابتدائے اسلام میں مسلمان مکی کفار سے تنگ آکر اللہ کے حکم سے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کر گئے، اس وقت اذان دینے کا رواج نہیں تھا، جس کی وجہ سے نماز کے مقررہ ٹائم پر صحابہ کرام کو جمع ہونے میں دشواری ہونے لگی، کیونکہ بعض اوقات ٹائم کا اندازہ نہیں ہوتا تھا۔ ایک روز صحابہ کی مجلس شوریٰ قائم ہوئی، جس میں مشورہ کیا گیا کہ نماز کے لیے کسی ایسی نشانی یا علامت کو مقرر کیا جائے جس کو دیکھ کر یا سن کر مسلمان آسانی سے جمع ہوسکیں۔ کسی نے مشورہ دیا کہ سنکھ بجایا جائے۔ کسی نے ڈھول پیٹے جانے کا نظریہ پیش کیا۔ ان تمام رائے کو قبول نہ کیا گیا اور یوں معاملہ طے کیے بغیر صحابہ کرام اپنے

گھروں کو لوٹ گئے۔ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اسی رات کو
جب کہ میں سویا ہوا تھا۔ خواب میں ایک ایسے شخص کو ملاحظہ کیا، جس نے ہاتھوں میں ناقوس
تھاما ہوا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا: میاں! یہ ناقوس بیچنا پسند کروگے۔ اس نے مجھ سے
ناقوس کا مصرف پوچھا۔ میں نے جواب دیا: اس سے لوگوں کو نماز کی طرف بلائیں گے۔ اس
نے کہا کہ کیا میں تمھیں لوگوں کو نماز کی طرف بلانے کا اس سے بہتر طریقہ نہ بتادوں۔ میں
نے کہا فرمایئے۔ انھوں نے ارشاد فرمایا: کہا کرو: اَللّٰہُ اکبرُ اور پھر انھوں نے اقامت بھی
کہہ دی۔ صبح ہوئی۔ مَیں بیدار ہوا اور نبی کریم ﷺ کے دربار میں جاکر اپنا خواب عرض
کیا۔ نبی کریم ﷺ نے سن کر ارشاد فرمایا: إنها لرؤيا حق ان شاء الله۰ ان شاءاللہ یہ
خواب برحق ہے۔ لہٰذا تم بلال کو یہ الفاظ ازبر کرادو اور آئندہ سے بلال یہ کلماتِ اذان بلند کیا
کریں گے۔ کیونکہ ان کی آواز میں بلند آہنگی ہے۔ جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان
دی تو اذان سُن کر حضرت عمر فاروق، نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور
عرض پرداز ہوئے: یارسول اللہ! میں نے بھی اس طرح خواب ملاحظہ کیا ہے۔ نبی کریم
ﷺ نے سن کر ارشاد فرمایا:

فَلِلّٰہِ الْحَمْدُ۰ (رواہ ابوداؤد والدارمی، مشکوٰۃ، صفحہ:64)

اور اس طرح اذان کا آغاز ہوا۔ اذان کے کلمات اللہ تعالیٰ کی توحید، نبی کریم ﷺ
کی رسالت پر شاہد ہیں۔ مسلمانوں کے لیے بھی بھلائی کے پیامبر ہیں۔ اذان کے شروع میں
مؤذن چار مرتبہ اَللّٰہُ اکبرُ کہتا ہے اور چار مرتبہ پیدا کرنے والے کی عظمت اور بڑائی کا
اقرار کرتا ہے۔ اَللّٰہُ اکبرُ، اللہ بڑا عظیم ہے اَللّٰہُ اکبرُ، اللہ بڑا عظیم ہے۔ اَللّٰہُ اکبرُ اللہ
بڑا عظیم ہے۔ تین مرتبہ برملا اقرار کے بعد سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہتا ہے اَللّٰہُ اکبرُ،
اللہ بڑا ہے، عظیم ہے۔ اس کے بعد اپنے پروردگار کی عظمت اور بڑائی کا ثبوت دیتا ہے کہ اللہ
کس طرح عظیم ہے۔ مؤذن بیان کرتا ہے، اس وجہ سے عظیم ہے کہ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا
اللہ۔ مَیں شاہد ہوں کہ اللہ تعالیٰ لائقِ عبادت ہے۔ اس کے سوا کوئی لائقِ عبادت نہیں۔ اگر
کوئی لائقِ عبادت ہونے کا دعویٰ کرتا ہے تو وہ باطل ہے اور کذّاب ہے۔ اہلِ جہاں کے

دلوں سے اثرات ریب زائل کرنے کے لیے اس اعلان اور شہادت کو دہراتا ہے تاکہ دنیا
والے اچھی طرح سے سمجھ جائیں کہ اللہ تعالیٰ واقعی عظیم ہے اور صرف وہی لائق عبودیت
ہے۔ پھر اپنے پیارے رسول ﷺ کی رسالت کی گواہی دیتا ہے۔ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا
رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد مصطفی ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں
اور جس طرح پہلے اللہ کی وحدانیت اور لائق عبادت ہونے کی اناؤنسمنٹ دوبارہ کرتا ہے۔
اسی طرح نبی کریم ﷺ کی رسالت کے اقرار کو بھی دوبارہ ادا کرتا ہے تاکہ ان کی رسالت
میں کسی کو شک نہ رہے۔

مندرجہ بالا تمہید کے بعد مؤذن اصل مضمون کی طرف آتا ہے کہ وہ کیوں اللہ کی عظمت
اور اس کے رسول ﷺ کی رسالت کی گواہی دے رہا تھا، اس لیے کہ ان کے حکم کو بجالانے
کا ٹائم آگیا ہے۔ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ آؤ نماز طرف۔ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ آؤ نماز کی طرف۔
حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ، حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ آؤ فلاح کی طرف، آؤ فلاح کی طرف۔ یعنی نماز کی
طرف اس لیے بلایا جارہا ہے کہ نماز میں دنیا جہاں کی بھلائیاں پنہاں ہیں۔ ان بھلائیوں کو
حاصل کرنے کے لیے نماز کی طرف آؤ، تاکہ تمھیں دنیا جہاں کی بھلائیاں حاصل ہوجائیں۔
اس کے بعد پھر اللہ کی عظمت کا اقرار کرکے کہتا ہے۔ ہمیں اپنے اللہ کی عظمت کا اعتراف کرنا
چاہیے کیونکہ وہ لائق عبادت ہے۔ اس کے بعد کہتا ہے: لا الہ الا اللہ، اللہ ہی معبود ہے،
ہمیں اوّل و آخر اسی کی عبادت کرنا چاہیے۔

مقاماتِ اذان

جب بچہ پیدا ہو تو اس کے داہنے کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی
جائے۔ اس سے بچہ اسلامی اقدار سے روشناس ہوتا ہے۔ اگر کوئی مغموم ہو تو اس کا غم دور
کرنے کے لیے اس کے کان میں اذان دی جائے۔ بدمزاج شخص کا مزاج تبدیل کرنے کو
اس کے کان میں اذان دینا چاہیے۔ اگر آگ لگ جائے اور کسی طور پر قابو میں نہ آئے تو اس
وقت اذان دینے سے آگ بجھ جائے گی۔ اگر جنگل میں مسافر اپنی منزل کا راستہ گم کر بیٹھے تو

اذان کی بدولت راستہ مل جائے گا۔ مرگی کے مریض کے کان میں بھی اذان کہہ سکتے ہیں۔ اس سے یہ فائدہ ہوگا کہ مرگی کا مرض ختم ہو جائے گا۔ اذان کا ایک مقام میت کے دفن کرنے کے بعد قبر ہے۔ قبر پر اذان دینے کے جوابات میں آسانی ہو جاتی ہے۔ (درمختار بحوالہ بہار شریعت)

اذان کا ایک موقع وہ بھی ہوتا ہے جب کہ ظالم بادشاہ کے ظلم انتہا کو پہنچ جائیں۔ اس کے مظالم سے نجات حاصل کرنے کے لیے بھی اذان دینی چاہیے۔

اذان سنّتِ مؤکدہ ہے

فرض نماز کی ادائیگی کے لیے پانچ وقت اذان دینے کے متعلق سخت تاکید کی گئی ہے۔ اگر کسی علاقے میں اذان نہ دی جائے تو اس کا گناہ سب اہلیانِ علاقہ پر ہوگا اور خلیفۂ اسلام پر لازم ہے کہ ان کو قید کر کے جیل خانہ میں ڈال دے۔ (درمختار)

مؤذن کیسا ہونا چاہیے

اذان دینے کے لیے درج ذیل شرائط ہیں: مرد ہو، صاحب عقل ہو، بالغ ہو، متقی اور پرہیز گار ہو، وقت کو پہچاننے والا ہو اور آواز میں بلند آہنگی کا حامل ہو۔

جب اذان دینے کا وقت آئے تو کسی اونچے چبوترے پر کھڑا ہو کر دونوں کانوں میں اپنی اُنگلیاں ڈال کر ٹھہر ٹھہر کر اذان دینی چاہیے۔ (عامۂ کتب)

تذکرۃ الواعظین، صفحہ: 53 پر مرقوم ہے کہ فقیہ ابواللیث رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ مؤذن کے لیے دس باتوں کی پابندی کرنا لازمی ہے تا کہ اس کو نماز کی اذان کا مکمل کامل ثواب حاصل ہو اور فضیلت کا ثواب حاصل ہو۔

1- نماز کا وقت پہچانے اور اس کا پابند رہے۔

2- نماز کے وقت اختلافات کو محفوظ رکھے اور اس اختلاف کی وجہ سے اذان میں تاخیر نہ کرے۔

3- اگر خود حاضر ہو اور مسجد میں کوئی شخص اذان دے تو اس سے ناخوش نہ ہو۔

4- اذان کے کلمات کو احسن طریقے سے ادا کرے۔

5- اذان دینے پر اللہ سے ثواب کا طالب رہے اور لوگوں پر اپنے عمل کا احسان نہ جتائے۔

6- لوگوں کو احسن اعمال کی ترغیب دے اور بُری باتوں سے منع کرے اور امیر و غریب دونوں کے سامنے حق بات زبان پر لائے۔

7- اذان کے بعد امام کا اس حد تک انتظار کرے کہ نمازیوں پر شاق نہ گزرے۔

8- اگر مسجد میں اس جگہ کوئی دوسرا نمازی بیٹھے تو اس پر ناراض نہ ہو۔

9- اذان اور جماعت کے درمیان الگ فرض نماز نہ پڑھے۔

10- ایک مسجد کا پابند ہو کر نہ رہے، کیونکہ اس سے حق تلفی کا اندیشہ ہے اور لڑکوں کی صحبت سے پرہیز کرے۔

فضیلتِ اذان

تذکرۃ الواعظین، صفحہ: 51 پر مرقوم ہے کہ احادیث شریف بتاتی ہیں کہ آنحضور ﷺ کے پاس ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کی: یارسول اللہ! مجھے کوئی ایسا عمل ارشاد فرمائیں، جس سے میں بہشت میں داخل ہو جاؤں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اپنی قوم کے مؤذن بن جاؤ تا کہ وہ تمہاری وجہ سے اپنی نماز ادا کرنے کے لیے ٹھیک وقت پر جمع ہو سکیں۔

مندرجہ بالا سطور سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اذان دینا ایک ایسا عمل ہے جس کے بدلے جنت ملتی ہے۔

تذکرۃ الواعظین کے اسی صفحہ پر ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ درج ذیل آیت مؤذن حضرات کے بارے میں نازل کی گئی ہے:

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلاً مِّمَّنْ دَعَا اِلَى اللهِ وَ عَمِلَ صَالِحاً وَ قَالَ اِنَّنِىْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ۔

اس سے اچھے قول والا کون ہو سکتا ہے جو لوگوں کو اللہ کی طرف بلائے، اچھے اعمال

کرے اور کہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں۔۔۔ یہاں پر اللہ کی طرف بلانے سے مقصود یہ ہے کہ مسلمانوں کو نماز کے لیے بلائے اور نیک اعمال سے مقصود یہ ہے کہ اذان اور میان کچھ نوافل وسنت ادا کرے۔

مُعَاوِيَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الْمُؤَذِّنُوْنَ اَطْوَلُ النَّاسِ اَعْنَاقًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۝ (رواہ مسلم مشکوٰۃ ص:64)

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ قیامت کے دن مؤذنوں کی گردنیں سب سے طویل ہوں گی۔

فائدہ: اس حدیث مبارکہ میں گردن لمبی ہونے کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے۔ لمبی گردنیں ہونے کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ایسے لوگوں کے اعمالِ صالحہ بکثرت ہوں گے اور اپنے اعمالِ حسنہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے حضور شرمندہ نہیں ہوں گے، کیونکہ عام طور سے دیکھنے میں آیا ہے کہ جب کسی سے کوئی غلط کام سرانجام پا جائے تو بارِ ندامت سے ان کی گردن جھک جاتی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب اذان کہی جاتی ہے تو شیطان مثل کوثر کے اس سے دور بھاگتا ہے۔ اتنی دور کہ وہاں تک اذان کی آواز نہ سنائی دے۔ جب اذان تمام ہوتی ہے تو واپس آجاتا ہے۔ پھر جب اقامت پڑھی جاتی ہے تو پھر بھاگ جاتا ہے۔ جب ختم ہوجاتی ہے تو آن موجود ہوتا ہے اور نمازی کے دل میں وسوسہ ڈالتا ہے اور کہتا ہے کہ فلاں بات یاد کرو، جو اس سے قبل یاد نہ تھی۔ یہاں تک کہ آدمی کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ نماز کتنی رکعت پڑھی ہے۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَنَّ الشَّيْطَانَ اِذَا سَمِعَ النِّدَاءَ بِالصَّلٰوةِ ذَهَبَ حَتّٰى يَكُوْنَ مَكَانَ الرَّوْحَاءِ قَالَ الرَّاوِيْ وَالرَّوْحَاءُ مِنَ الْمَدِيْنَةِ عَلٰى سِتَّةٍ وَّ ثَلٰثِيْنَ مِيْلًا ۝ (رواہ مسلم، مشکوٰۃ، صفحہ:66)

حضرت جابر فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اذان کی ندا سن کر

شیطان اتنی دور بھاگ جاتا ہے جیسے روحا۔

راوی بیان کرتے ہیں کہ روحا کا مدینہ سے فاصلہ 36 فرلانگ ہے۔

مؤذن کے حق میں جن وانس اور حجر وشجر کی دعائے مغفرت

تذکرۃ الواعظین، صفحہ: 51 پر مرقوم ہے کہ قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ پیارے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اذان دینے والے کی آواز جہاں تک احاطہ کرتی ہے، اس احاطے کی تمام اشیا اس کے حق میں دعائے مغفرت کرتی ہیں اور جتنے لوگ اس کے ساتھ شریکِ نماز ہوں گے، ان سب کے برابر اس کو ثواب ملے گا۔ نیز ان نمازیوں کے ثواب میں کسی قسم کی کمی نہیں آئے گی۔ جو شخص ایک سال تک مؤذن کے فرائض انجام دیتا رہے قیامت کے دن وہ شہدا کے زمرے میں سے اُٹھے گا اور جو تین برس تک مؤذن رہے، قیامت کے دن وہ انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کی جماعت کے ساتھ اُٹھے گا اور مؤذن کے لیے ہر شے دعائے مغفرت کرتی ہے۔ یہاں تک کہ دریائی مچھلیاں بھی اس کے حق میں دعائے مغفرت کرتی ہیں۔ اسی طرح حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَسْمَعُ مَدٰى صَوْتِ الْمُؤَذِّنِ جِنٌّ وَّلَا اِنْسٌ وَّلَا شَيْءٌ اِلَّا شَهِدَ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۝ (رواہ البخاری، مشکوٰۃ، صفحہ:24)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جن وانسان اور کوئی شے مؤذن کی انتہائے آواز نہیں سنتے مگر قیامت کے دن ان کے واسطے گواہی دیں گے۔

مؤذن کے بارے میں نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ وہ امین ہیں اور اللہ سے عرض پیرا ہیں کہ: یاالٰہی! ان کو بخش دے۔

مسلمانو! ذرا غور فرمائیں کہ جس کے حق میں سرورِ کائنات ہمارے پیارے رسول ﷺ مغفرت کی دعا کریں کیا اس کی بخشش میں کسی قسم کا کوئی شک موجود رہ سکتا ہے۔

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْاِمَامُ

ضَامِنٌ وَالْمُؤَذِّنُ مُؤْتَمِنٌ اَللّٰهُمَّ اَرْشِدْ الْاَئِمَّةَ وَاغْفِرْ لِلْمُؤَذِّنِيْنَ ۔ (رواہ احمد، ابوداؤد ومشکوٰۃ، صفحہ:65)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ امام ضامن ہے اور مؤذن امین ہے۔ یااللہ! تو ہدایت دے اماموں کو اور مؤذنوں کی مغفرت فرما۔

مندرجہ بالا حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ مؤذن نبی کریم ﷺ کے نزدیک اتنا محبوب ہے کہ آپ اس کے لیے مغفرت کی دعا فرمارہے ہیں اور خوش بخت ہیں وہ لوگ جن کے حق میں نبی کریم ﷺ دستِ دعا پھیلاتے ہیں، کیونکہ ابھی دعا کے الفاظ آپ کے ہونٹوں سے جدا بھی نہیں ہو پاتے کہ ان پر مستجابیت کی اسٹمپ مہر لگ جاتی ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم مَنْ اَذَّنَ سَبْعَ سِنِيْنَ مُحْتَسِباً كُتِبَ لَهٗ بَرَاءَةٌ مِّنَ النَّارِ ۔ (رواہ ابوداؤد وابن ماجہ ومشکوٰۃ، صفحہ: 65)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص بغرضِ ثواب سات سال تک اذان دے تو اس کے لیے دوزخ سے آزادی لکھی جاتی ہے۔

تذکرۃ الواعظین کے مطابق جو شخص سات برس تک اذان دیتا رہے گا، اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ کے ساتوں طبقوں کے عذاب سے آزادی دے دیتا ہے اور جب مؤذن مرتا ہے تو اس کو عذابِ قبر نہیں ہوتا اور جانکنی کی سختی میں اسے کوئی ایذا نہیں ہوتی اور مدفون ہونے کے بعد فشارِ قبر سے محفوظ و مامون رہتا ہے۔

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم يُعْجِبُ رَبُّكَ مِنْ رَاعِيْ غَنَمٍ فِيْ رَأْسِ شَظِيَّةٍ لِلْجَبَلِ يُؤَذِّنُ بِالصَّلٰوةِ وَيُصَلِّيْ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ اُنْظُرُوْا اِلٰى عَبْدِيْ هٰذَا وَيُقِيْمُ الصَّلٰوةَ يَخَافُ مِنِّيْ قَدْ غَفَرْتُ لِعَبْدِيْ وَاَدْخَلْتُهُ الْجَنَّةَ ۔ (رواہ ابوداؤد ونسائی، مشکوٰۃ، صفحہ:65)

عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ

بکریوں کے چرواہے سے راضی ہوتا ہے، جب وہ پہاڑوں کی چوٹی کے بیچ نماز کے لیے اذان دیتا ہے اور نماز پڑھتا ہے۔ پس عزت اور بزرگی کا حامل رب فرماتا ہے کہ میرے اس بندے کو دیکھو جو مجھ سے ڈرتے ہوئے اذان دیتا ہے اور نماز پڑھتا ہے۔ بے شک میں نے اس کو معاف کیا اور داخلِ جنت کیا۔

عزیز بھائیو! اب تو اللہ تعالیٰ خود گواہی دے رہا ہے کہ اذان دینے والے کو میں نے نہ صرف معاف کیا بلکہ اس پر اپنی رحمت نازل کی اور اس کو جنت کا حقدار قرار دیا۔

مؤذنین کے لیے اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی بے پناہ نوازشات ہیں۔ قیامت کے دن مؤذنین مشک و کستوری کے ٹیلوں پر ہوں گے اور خوش و خرم ہوں گے، ان کو کسی قسم کا رنج و غم نہ ہوگا۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم ثَلٰثَةٌ عَلٰى كُثْبَانِ الْمِسْكِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَبْدٌ اَدّٰى حَقَّ اللّٰهِ وَحَقَّ مَوْلَاهُ وَرَجُلٌ اَمَّ قَوْماً وَهُمْ رَاضُوْنَ وَرَجُلٌ يُنَادِيْ بِالصَّلٰوةِ الْخَمْسِ كُلَّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ ۔

(رواہ الترمذی، مشکوٰۃ، صفحہ:65)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ روزِ قیامت تین قسم کے لوگ مشک و کستوری کے ٹیلوں پر ہوں گے۔ ایک اللہ اور اپنے مولا کا حق ادا کرنے والا۔ دوسرا وہ جو قوم کا امام ہو اور عوام اس سے راضی ہوں۔ تیسرا وہ جو دن رات میں پانچوں نمازوں کے لیے اذان کی ندا کرتا ہو۔

بہارِ شریعت حصہ سوم، صفحہ:27 پر مرقوم ہے کہ خطیب اور ابنِ عساکر حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ مؤذنین کے انجام کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ وہ ناقہ پر سوار ہوں گے اور حضرت بلال مؤذنِ رسول کے پیچھے بلند آواز سے اذان پڑھتے ہوئے آئیں گے۔ لوگ ان کو دیکھیں گے تو سوال کریں گے کہ یہ لوگ کون ہیں؟ ہاتفِ غیبی ندا دے گا کہ یہ اُمتِ محمدیہ ﷺ کے مؤذن ہیں۔ قیامت کے دن مؤذنین ہر قسم کے فکر و غم سے آزاد ہوں گے جب کہ دیگر لوگ مبتلائے فکر ہوں گے۔

مؤذنین ہر قسم کے خوف سے بے نیاز ہوں گے جب کہ دوسرے افراد کو خوف دامن گیر ہوگا۔

کشف الغمہ، جلد اوّل، صفحہ:750 پر ایک روایت مرقوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ روزِ محشر سب سے قبل جنت میں داخل ہونے والے انبیائے کرام ہوں گے۔ انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کے داخل ہونے کے بعد شہدائے کرام کو جنت میں جانے کا حکم دیا جائے گا اور تین نمبر پر جو گروہ داخل ہوگا، وہ بیت اللہ کے مؤذنین کا ہوگا اور ان کے بعد وہ لوگ داخل ہوں گے جن کو مسجد نبوی کے مؤذن ہونے کا شرف حاصل ہوگا اور پھر اعمال کے تناسب کے لحاظ سے دیگر مؤذن جنت میں داخل ہوں گے۔

کشف الغمہ کے اسی صفحہ پر ایک حدیث منقول ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اذان دینے سے اللہ کا عذاب دور ہوتا ہے: كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم يَقُوْلُ اِذَا اُذِّنَ فِیْ قَرْيَةٍ أَمَّنَهَا اللهُ مِنْ عَذَابِهٖ ذَالِكَ الْيَوْمَ ۔ نبی کریم ﷺ کا ارشادِ پاک ہے کہ جس بستی میں اذان کہی جائے اللہ تعالیٰ اس دن اس بستی کو اپنے عذاب سے محفوظ رکھتا ہے۔

کشف الغمہ کی مندرجہ بالا حدیث اس بات کی عکاس ہے کہ اذان کی بدولت اللہ تعالیٰ کا عذاب دور ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ہم پر خاص فضل واحسان ہے کہ وہ اذان کے سبب ہمیں اپنی غضب ناکی سے محفوظ و مامون رکھتا ہے، بلکہ یہاں تک کہ مؤذن کے سر پر اپنا دستِ اقدس رکھ دیتا ہے۔

کشف الغمہ کے اسی صفحہ پر ایک اور حدیث یوں مرقوم ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مؤذن پر اللہ کی خاص رحمت کا نزول کرتا ہے:

قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم اِذَا شَرَعَ الْمُؤَذِّنُ فِی الْاَذَانِ وَضَعَ الرَّبُّ يَدَهٗ عَلٰى رَاسِهٖ فَلَا يَزَالُ كَذَالِكَ حَتّٰى يَفْرُغَ مِنَ الْاَذَانِ۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب مؤذن اذان کا آغاز کرتا ہے تو رب اپنا دستِ مقدس اس کے سر پر رکھ دیتا ہے، یہاں تک کہ وہ اذان سے فارغ ہو۔

اذان کی فضیلت یہ ہے کہ خالقِ دو جہاں مؤذن کے سر پر اپنا ہاتھ رکھ دیتا ہے اور اس

شخص کی خوش بختی میں کیا شبہ ہو سکتا ہے، جس کے سر پر اللہ تعالیٰ اپنا دستِ اقدس رکھ دے۔

اب یہاں پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ مؤذن لوگ دوسرے لوگوں سے افضل ہوں گے اور دیگر لوگ ان سے کم تر ہوں گے، مگر نہیں۔ ایسا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم پر بہت مہربان ہے۔ اگر ہم مؤذن کی اذان کا جواب دیتے جائیں، اس طرح ہمیں اذان کا ثواب مل جائے گا۔ ہمارے پیارے رسول ﷺ نے ایسا ہی فرمایا ہے، کیونکہ جب صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اذان کی یہ فضیلت سنی تو رسول اللہ سے عرض پیرا ہوئے کہ: یارسول اللہ! اِنَّ الْمُؤَذِّنِيْنَ يَفْضَلُوْنَنَا ۔ یارسول اللہ ﷺ مؤذن تو ہم سے افضل ہوں گے اور ہم اس نعمت عظمیٰ سے محروم رہ جائیں گے۔ آپ نے جواب میں فرمایا: قُلْ كَمَا يَقُوْلُوْنَ فَإِذَا اِنْتَهَيْتَ فَسَلْ تُعْطَ ۔ (مشکوٰۃ، صفحہ:66) تم بھی ایسا کہو جیسا وہ کہتے ہیں۔ جب اختتام کرے تو دستِ سوال کر، انعامات سے ہمکنار ہوگا۔

مشکوٰۃ، صفحہ:66 پر ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کی ہے کہ ہمارے رسول ﷺ نے فرمایا: لَا يُرَدُّ الدُّعَاءُ بَيْنَ الْاَذَانِ وَالْإِقَامَةِ اذان اور اقامت کے درمیان دُعا رَد نہیں ہوتی (بلکہ مستجابیت کا درجہ حاصل کرتی ہے)۔

ہم پر لازم ہے کہ اذان سن کر رحمت دو عالم ﷺ پر درود شریف پڑھیں اور دعا مانگیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے پیارے محبوب کے صدقے ضرور ہماری دعا کو قبولیت سے نوازے گا۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں: ؎

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

خود ہمارے پیارے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

اِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُوْلُوْا مِثْلَ مَا يَقُوْلُ ثُمَّ صَلُّوْا عَلَیَّ فَإِنَّهٗ مَنْ صَلّٰى عَلَیَّ صَلٰوةً صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ بِهَا عَشْرًا ثُمَّ سَلُوا اللهَ لِیَ الْوَسِيْلَةَ فَإِنَّهَا مَنْزِلَةٌ فِی الْجَنَّةِ لَا تَبْتَغِیْ اِلَّا لِعَبْدٍ مِنْ عِبَادِ اللهِ وَاَرْجُوْ اَنْ اَكُوْنَ اَنَا هُوَ فَمَنْ لِیْ سَأَلَ فِی الْوَسِيْلَةِ حَلَّتْ عَلَيْهِ الشَّفَاعَةُ ۔ (مشکوٰۃ، صفحہ:64)

دعائے وسیلہ درج ذیل ہے:

اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَۃِ التَّامَّۃِ وَالصَّلٰوۃِ الْقَائِمَۃِ وَاٰتِ مُحَمَّدَ نِ الْوَسِیْلَۃَ وَالْفَضِیْلَۃَ وَابْعَثْہُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَ نِ الَّذِیْ وَعَدْتَّہٗ۔

بیان کی گئی مندرجہ بالا دعائے وسیلہ عام کتب میں مرقوم ہے۔

اذان کے وقت صلوٰۃ وسلام پڑھنا

کشف الغمہ، جلد اوّل، صفحہ: 68 پر امام شعرانی سے منقول ہے کہ ہمارے شیخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ صلاح الدین بن ایوب ایک عادل بادشاہ گزرا ہے۔ اس نے مؤذنین کے لیے حکم نامہ جاری کیا تھا کہ وہ تمام شہروں میں اذان کے ساتھ صلوٰۃ وسلام پڑھیں۔ خداوند کریم اس پر رحمتوں کا نزول کرے۔

مندرجہ بالا تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ اذان کے وقت صلوٰۃ وسلام پڑھنا مستحسن اور محبوب عمل ہے۔ اذان کی اتنی فضیلت ہے کہ اس کے بارے میں ہمارے پیارے رسول ﷺ نے فرمایا: لَوْ یَعْلَمُ النَّاسُ مَا فِی التَّاذِیْنِ لَاقْتَتَلُوْا عَلَیْہِ بِالسُّیُوْفِ۔

اگر لوگ اذان کے ثواب کو جانتے تو اذان دینے کے لیے ایک دوسرے کے خلاف شمشیر بکف ہو کر لڑتے کہ میں اذان دوں۔

تذکرۃ الواعظین، صفحہ: 52 پر مرقوم ہے کہ حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت خولہ بنت حکیم سلمیہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب تک مریض مرض سے چھٹکارا نہیں پاتا، اس وقت تک ہر روز اس کو ستر شہدا کے عمل کا ثواب اور مرتبہ بخشا جاتا ہے اور جب وہ مرض سے شفایاب ہوتا ہے تو گناہوں سے یوں پاک ہو جاتا ہے جیسے ابھی بطنِ مادر سے تولّد ہوا ہو اور اگر مرض میں قضائے الٰہی سے مرجائے تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنے فضل سے حساب وکتاب کے بغیر جنت میں داخل فرمائے گا اور عالم آدمی اللہ کا وکیل ہے۔ اس کی ہر حدیث کے بدلے روزِ قیامت ایک نور عطا کیا جائے گا اور تین ہزار سال کی عبادت کا ثواب اس کے نامۂ اعمال میں لکھا جائے گا اور دین کے مرد وخاتون طالب

علم اللہ کے خدمت گزار ہیں اور ان کی جزا بہشت کے سوا کچھ نہیں اور پیش امام اللہ کا وزیر ہے، اس کو ہر نماز پڑھانے کے عوض دو ہزار صدیقوں کا ثواب دیا جائے گا اور مؤذن اللہ تعالیٰ کا دربان ہے، اس کو ہر نماز کے بدلے دو ہزار نبیوں کا ثواب دیا جاتا ہے۔

سبحان اللہ! مؤذنین کی کیا شان ہے کہ ان کو سب اچھے اعمال سے زیادہ صلہ دیا جائے گا۔

تذکرۃ الواعظین، صفحہ: 54 پر ہے کہ جنید ابن ضحاک فرماتے ہیں کہ ظہورِ اسلام کے وقت جب کہ مسلمان نماز کے لیے اذان نہیں دیتے تھے۔ ایک دن حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اذان کے کلمات خواب میں سنے اور پھر حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اذان کے کلمات یاد کرائے گئے۔ محسنِ انسانیت ہمارے پیارے رسول حضرت محمد ﷺ نے حضرت بلال کو حکم دیا کہ وہ بلندی پر چڑھ کر اذان دیں۔ بموجب حکم حضرت بلال نے اذان دی۔ اس وقت لوگوں نے مدینہ میں ایک گونج سنی۔ آنحضور ﷺ نے صحابۂ کرام سے ارشاد فرمایا کیا تم کو معلوم ہے کہ یہ گونج کیسی ہے؟ عرض کیا گیا: اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آج بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اذان دینے پر عرش الٰہی تک آسمانوں کے دروازے کھل گئے۔ یہ سن کر حضور ﷺ کے یارِ غار ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا یہ فضیلت خاص بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اذان کے لیے ہے، یا سب مؤذنوں کے لیے ہے؟ فرمایا: تمام مؤذنوں کے لیے یہی فضیلت ہے۔ نیز فرمایا: مؤذنوں کی روحیں روزِ محشر شہیدوں کی روحوں کے ساتھ ہوں گی اور ہاتفِ غیبی ندا دے گا کہ اذان دینے والے کہاں ہیں؟ پس وہ سب کے سب مشک وکافور کے ٹیلوں پر کھڑے کیے جائیں گے۔

مسائلِ اذان

اذان نماز کے لیے بلاوا ہے۔ اذان دے کر لوگوں کو مطلع کیا جاتا ہے کہ: اے لوگو! کاروبار چھوڑ دو، کیونکہ اب نماز کا وقت ہو چکا ہے۔ اذان کے چند ایک ضروری مسائل ہیں، جن کا جاننا ہر مؤذن کے لیے ضروری اور لازمی ہے۔ ذیل میں چند مسائلِ اذان حاضرِ خدمت ہیں۔

اذان دینے کے لیے ضروری ہے کہ اذان کا وقت ہو

مسئلہ: درمختار میں مرقوم ہے کہ اذان اس وقت پڑھی جائے جب اذان کا وقت شروع ہو جائے۔ وقت سے قبل اذان نہیں پڑھنی چاہیے۔ اگر وقت نہ ہوا ہو اور اذان پڑھنا شروع کر دی تو ایسی صورت میں لازم ہے کہ وقت ہونے پر دوبارہ اذان کے کلمات کہے جائیں۔ نیز اگر اذان دیتے ہوئے نماز کا وقت ہو گیا تو پھر بھی اذان لوٹانا پڑے گی۔

اذان دینا مستحب ہے

مسئلہ: اذان دینا مستحب ہے۔ اگر کوئی فرد گھر پر اذان کہے بغیر نماز پڑھ لیتا ہے تو اس کی نماز مکروہ نہیں ہوگی، کیونکہ اس کے لیے مسجد کی اذان کافی ہے۔ (درمختار)

مسئلہ: اگر لوگ مسجد میں با جماعت نماز ادا کرتے ہیں اور بعد میں انکشاف ہوتا ہے کہ نماز میں درستگی نہ تھی تو ایسی صورت میں اگر نماز کا وقت موجود ہے تو اذان کا اعادہ کیے بغیر نماز اسی مسجد میں باجماعت ادا کر سکتے ہیں۔ اگر زیادہ وقت نہ گزرا ہو اقامت کے ترک کی بھی اجازت ہے، لیکن اگر جماعت ہوئے زیادہ دیر ہو گئی ہو تو اقامت پڑھ لیں۔ (درمختار)

مسئلہ: اذان پڑھتے ہوئے کانوں کے سوراخ میں انگلیاں ڈالنے کا عمل مستحب ہے۔ (درمختار)

مسئلہ: کلماتِ اذان رُک رُک کر یعنی ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا چاہئیں۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ کو ملا کر ایک کلمہ بنتا ہے۔ اس کے بعد سکتہ کرنا چاہیے اور اس کی میعاد اتنی ہو کہ سننے والا جواب دے سکے۔ اگر سکتہ کے بغیر اگلے کلمات کہہ دیے تو ایسی صورت میں اذان مکروہ ہوگی اور اس کو دوہرانا مستحب ہوگا۔ (درمختار)

مسئلہ: اذان کے کلمات کو راگ میں بھی نہیں پڑھنا چاہیے، کیونکہ یہ ناجائز ہے۔ نیز اذان میں لحن حرام ہے۔ مثال کے طور پر اللہ اکبرُ کی الف کو مَدّ کے ساتھ آللہ اکبرُ پڑھنا حرام ہے۔ اسی طرح اکبر میں بے کے بعد الف کا اضافہ کرنا حرام ہے۔ (درمختار)

مسئلہ: اذان دیتے وقت مؤذن کا رُخ قبلہ کی طرف ہونا چاہیے۔ اگر اذان دیتے وقت رُخ قبلہ کی طرف نہ ہوا تو دی گئی اذان مکروہ ہوگی، جس کو دوہرانا چاہیے۔ (درمختار)

مسئلہ: اگر مؤذن دورانِ اذان داعیِ اجل کو لبیک کہہ گیا۔ زبان رکنے کے سبب رُک گیا۔ بھول گیا اور کوئی بتانے والا نہیں۔ مؤذن کا وضو ٹوٹ گیا اور وہ وضو کے لیے جلد جائے، یا بے ہوش ہو جائے تو ایسی صورت میں از سرِ نو اذان کہنی چاہیے اور دوبارہ اذان کے لیے اس کی کوئی قید نہیں کہ اذان پہلے والا مؤذن کہے یا کوئی دوسرا مؤذن۔ (درمختار)

مسئلہ: بہارِ شریعت میں ہے کہ دورانِ اذان بغیر کسی عذر کے خواہ مخواہ کھنکھارنا نہیں چاہیے، کیونکہ یہ مکروہ ہے۔ البتہ آواز صاف کرنے کی غرض سے کھنکھارا جا سکتا ہے۔ (درمختار)
اسی طرح دورانِ اذان بات چیت یا گفتگو کی ممانعت ہے۔ اگر گفتگو کر لی جائے تو ایسی صورت میں از سرِ نو اذان دینا چاہیے۔ (صغیری)

مسئلہ: اذان کے لیے مقام منارہ ہو، خارج از مسجد ہو، اگر مسجد میں اذان دی جائے گی تو مکروہ ہوگی۔

مسئلہ: اگر چند لوگوں کی نماز قضا ہو جائے تو ایسی صورت میں وہ نماز اذان اور اقامت کے ساتھ ادا کریں۔ اگر اکیلے فرد کی نماز قضا ہو تو قضا کے لیے اذان و اقامت کہہ سکتا ہے۔ یہ صرف اسی صورت میں ہے کہ جنگل میں تنہا ہو۔ اگر جنگل میں نہیں ہے اور قضا کا اظہار کر دیا تو گنہگار ہوگا۔

مندرجہ بالا بیان کردہ مسائل 'عالمگیری' سے لیے گئے ہیں۔ اذان کے متعلق ایک اور مسئلہ جو کہ عالمگیری ہی میں ہے، کچھ یوں ہے کہ اگر اذان دیتے وقت مؤذن سٹ ڈاؤن یعنی بیٹھا ہوا ہو تو ایسی صورت میں دی گئی اذان مکروہ ہوگی، اس کو از سرِ نو پڑھنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اذان کہنے اور اذان کے مسائل پر کاربند رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔

□□□

چودھواں وعظ

آدابِ مسجد

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰہِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ وَلَمْ یَخْشَ اِلَّا اللّٰہَ فَعَسٰٓی اُولٰٓئِکَ اَنْ یَّکُوْنُوْا مِنَ الْمُھْتَدِیْنَ ۝

دسویں پارہ سورۂ توبہ کی بیان کی گئی آیت مقدسہ کے معانی یہ ہیں کہ اللہ کی مسجدوں کی تعمیر میں وہی لوگ مستعد ہوتے ہیں جو اللہ اور آخرت پر ایمان لائے اور نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور سوائے اللہ کے کسی سے نہیں ڈرتے تو عن قریب یہ لوگ ہدایت والوں میں سے ہوں گے۔

مسجد کی ضرورت

اس نیلے آکاش کی وسعتوں تلے سارے جہاں کی اراضی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے مسجد قرار دے دی، یعنی مسلمان کسی بھی جگہ سوائے "مندر اور گرجا" وغیرہ کے نماز ادا کر سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کر سکتا ہے، لیکن ایسی جگہ جو ہر قسم کے خطرات سے محفوظ ہو، پاکیزگی کا نمونہ ہو، ہر کس و ناکس کو اس میں آنے کی اجازت ہو اور اس میں بندگانِ خدا کا اجتماع بھی ہو سکے۔ اس قسم کی چہار دیواری کو عبادت گاہ کہتے ہیں۔ اس عبادت گاہ کو مختلف اَدوار میں مختلف نام دیے گئے۔ کسی نے عبادت گاہ کا نام دیا اور کسی نے اس کو بیعہ کے نام سے موسوم کیا۔ کسی نے اس کا نام گرجا رکھا اور کوئی اس کو مندر سے تعبیر کر بیٹھا، لیکن اسلام نے ایسی عبادت گاہ کا نام مسجد رکھا۔ خداوند کریم کی آخری کتاب، روشن اور رشد و ہدایت کا مرجع، عرفان و آگہی سے مزین کتاب قرآن حکیم نے مسلمانوں کے لیے اس مخصوص عبادت گاہ کا

نام مساجد اللہ رکھا اور ان مساجد کو اللہ کی طرف مضاف فرما کے مساجد کی شرافت کی شہادت دی، کیونکہ یہ اضافہ تشریفی ہے اور یہ محض اس لیے ہے کہ مساجد کی تشریفیت میں کسی کو کلام نہ رہے۔ جیسا کہ ناقۃ اللہ میں اللہ کی طرف اضافت تعظیمیت اور تشریفیت کے لیے ہے۔ اسی طرح سیف اللہ میں۔ سیف کی اضافت اللہ کی طرف تعظیمیت اور تشریفیت کے لیے ہے اور اس طرح اسد اللہ میں اسد کی اللہ کی طرف اضافت تعظیمیت اور تشریفیت کے لیے ہے۔

وہ مخصوص جگہ جہاں مسلمان اپنے معبودِ حقیقی کی عظمت و بزرگی کا اقرار کرنے کے لیے جمع ہوتے ہیں، وہ مسجد کہلاتی ہے۔ ان مساجد کو عام فہم زبان میں اللہ کا گھر کہتے ہیں۔ اس لیے کہ ان میں مسلمان اپنے خالق و مولیٰ کی عبادت نیک نیتی اور خلوص سے کرتے ہیں اور کسی قسم کا ریا اور دکھاوا نہیں کرتے۔ یہاں اپنے رب کے خوف سے آنسو بہاتے ہیں اور کسی قسم کے فعلِ بد کا ارتکاب نہیں کرتے، اس لیے ان کو بطور مجاز بیت اللہ یعنی اللہ کا گھر کہا جاتا ہے۔ اس سے مقصد صرف یہ ہے کہ مسجد کی تعظیم ہو، ورنہ اللہ تعالیٰ تو زمان و مکان بلکہ تمام ضروریاتِ زندگی کی آلائشوں اور آسائشوں سے مبرّا ہے، اسے ان اشیا کی قطعاً حاجت نہیں۔

مسجد میں داخل ہونے کا طریقہ اور دعا

مشکوٰۃ، صفحہ: 68 پر مرقوم ہے کہ ایک مسلمان جب مسجد میں داخل ہو تو پہلے داہنا پاؤں مسجد میں رکھے اور یہ دعا پڑھے: اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ۔ اور مسجد سے باہر آتے وقت بجائے دائیں پاؤں کے بایاں پاؤں باہر رکھے اور یہ دعا پڑھے: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ ۝

انسان کی تخلیق میں مٹی کا دخل ہے۔ مٹی کی تخلیق ہونے کے باوجود اگر انسان اپنے مزاج میں تندی، تیزی، تلخی، فخر، غرور اور نخوت رکھے تو یہ بات اس کو زیب نہیں دیتی۔

مندرجہ بالا الفاظ ادا کر کے انسان اپنی عاجزی کا اظہار کرتا ہے، یعنی اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ ۝ یا اللہ! مجھ پر اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔

یہاں پر انسان اللہ سے اس کی رحمت کا طالب ہے اور مسجد سے باہر نکلتا ہے تو کہتا ہے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَسۡئَلُکَ مِنۡ فَضۡلِکَ ۔ یعنی یا اللہ! میں تجھ سے تیرے فضل اور رحمت کا سوال کرتا ہوں۔

مسجد میں دنیاوی باتوں کی ممانعت

مسجد پاک اللہ کا پاکیزہ گھر ہے، اس میں امن ہے، سکونِ قلب ہے، آشتی ہے۔ اس کا ادب، اس کا احترام ہم سب مسلمانوں پر فرض ہے۔ اس کی توقیر ہمارا اشعار ہونا چاہیے اور جس حد تک ہو سکے ہم کو چاہیے کہ اس کا ادب واحترام کرنے کی کوشش کریں اور فضول ومباح قسم کی باتوں سے پرہیز کریں، کیونکہ مسجد میں مباح گفتگو مکروہ ہے۔

مرقات حاشیہ مشکوٰۃ، صفحہ:71 پر حضرت ابن الہمام شارح ہدایہ سے منقول ہے:

اَلۡکَلَامُ الۡمُبَاحُ فِی الۡمَسۡجِدِ مَکۡرُوۡہٌ تَاۡکُلُ الۡحَسَنَاتِ۔

یعنی مسجد میں مباح گفتگو مکروہ ہے جو نیکیوں کو کھا جاتی ہے۔

مسلمانو! مقام غور وفکر ہے کہ جب مباح گفتگو مسجد میں کراہیت کا باعث ہے تو پھر ناجائز گفتگو تو لازمی طور پر حرام ہوگی۔

مشکوٰۃ، صفحہ:71 پر حضرت حصائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ میں مسجد میں محوِ استراحت تھا۔ اچانک کسی نے مجھ پر کنکریاں پھینکیں، جس سے میری آنکھ کھل گئی۔ نظر اُٹھا کر دیکھا تو رسالت مآب کے دوست حضرت عمر فاروق جلوہ فرما تھے۔ انھوں نے مجھ سے فرمایا کہ جاؤ ان دونوں آدمیوں کو ہمارے حضور حاضر کرو۔ میں نے آپ کے حکم کی تعمیل کی اور بحکم سرکار ان دونوں کو لے کر آپ کے حضور آیا۔ آپ نے ان سے سوال کیا تم کون ہو اور کہاں کے رہنے والے ہو؟ انھوں نے جواب دیا: ہم طائف کے رہنے والے ہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اگر تم مدینہ منورہ کے باسی ہوتے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مسجد میں اونچا بولنے کے جرم میں سزا دیتا۔

اسی طرح کشف الغمہ، صفحہ:70 پر ایک روایت ہے کہ امیر المومنین حضور سیدنا فاروق اعظم کا یہ دستور تھا کہ جو شخص مسجد میں شور مچاتا آپ اس کو دُرّے مارتے تھے۔

ہمارے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود فرمایا کہ مسجد میں اشعار نہ پڑھے جائیں، یہاں اشعار سے مراد بے ہودہ اور لغو اشعار ہیں۔ مندرجہ بالا حدیث مشکوٰۃ، صفحہ:70 پر مرقوم ہے۔

مسجد میں غُل غپاڑہ حرام ہے۔ مسجد مقدس مقام ہے۔ اس مقام مقدس کی توہین کرنا، اس میں شور مچانا، بُرے اشعار پڑھنا، بآواز بلند گفتگو کرنا یہ سب حرام ہے۔

مشکوٰۃ، صفحہ:71 پر مرقوم ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد سے متصل ایک چبوترہ تعمیر کروایا تھا تاکہ لوگ اس پر بیٹھ کر اپنی دنیاوی باتیں کریں اور مسجد میں دنیاوی باتیں نہ کریں۔

مسجد میں دنیاوی باتیں کرنا حرام ہے، بلکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کے بموجب مسجد میں دنیاوی باتیں کرنا قربِ قیامت کی علامات میں سے ایک علامت ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا:

یَأۡتِیۡ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ یَکُوۡنُ حَدِیۡثُھُمۡ فِیۡ مَسَاجِدِھِمۡ فِیۡ اَمۡرِ دُنۡیَاھُمۡ فَلَا تُجَالِسُوۡھُمۡ فَلَیۡسَ لِلّٰہِ فِیۡھِمۡ حَاجَۃٌ۔ (رواہ بیہقی، مشکوٰۃ، صفحہ:71)

لوگوں پر ایک وقت ایسا آئے گا کہ دنیاوی اُمور کی باتیں مسجدوں میں کریں گے۔ پس ان کی مجلس میں نہ بیٹھو، اللہ کو ان کی ذرا حاجت نہیں۔

مسجد میں دنیاوی خرید وفروخت کرنے کی بھی ممانعت ہے

اِذَا رَأَیۡتُمۡ مَنۡ یَّبِیۡعُ اَوۡ یَبۡتَاعُ فِی الۡمَسۡجِدِ فَقُوۡلُوۡا لَا یَرۡبَحُ اللّٰہُ تِجَارَتُکَ وَاِذَا رَأَیۡتُمۡ مَنۡ یَّنۡشُدُ فِیۡہِ ضَالَّۃً فَقُوۡلُوۡا لَا یَرُدُّ اللّٰہُ عَلَیۡکَ۔ (رواہ الترمذی والدارمی مشکوٰۃ، صفحہ:70)

ترجمہ: جب تم کسی کو مسجد میں خریدتے یا فروخت کرتے ہوئے پاؤ تو کہو اللہ تمہاری تجارت میں نفع نہ دے اور جس وقت تم ایسے شخص کو پاؤ جو مسجد میں گمشدہ شے کی تلاش میں ہے، تو کہو اللہ اس کو تجھ پر رَد نہ کرے، یعنی وہ شے نہ ملے۔

مسجد کی صفائی

مسجد میں جھاڑو دینا اور مسجد کے در و بام سے جالے وغیرہ صاف کرنا بڑے ثواب کا کام

ہے۔ کشف الغمہ ، جلد اوّل، صفحہ:80 پر روایت ہے کہ مسجد سے صاف کیا گیا کوڑا کرکٹ روزِ محشر حوروں کا مہر بنے گا۔ مسجد کی صفائی بڑے ثواب کا کام ہے۔ مسجد سے مٹھی بھر مٹی نکالنے کا اس قدر ثواب ہے کہ اگر ایک پلڑے میں کوہِ احد اور دوسرے میں ثواب رکھ دیا جائے تو میزان برابر ہوگا۔

نزہۃ المجالس، صفحہ:95 پر نبی کریم ﷺ کی ایک حدیث یوں مرقوم ہے کہ:

مَنْ اَخْرَجَ مِنَ الْمَسْجِدِ كَفًّا مِّنْ تُرَابٍ كَانَ ثَوَابُهٗ فِيْ مِيْزَانِهٖ كَجَبَلِ اُحُدٍ۔

جس کسی نے مٹھی بھر مٹی مسجد سے نکالی، اس کا ثواب اُحد پہاڑ کے وزن کے برابر ہوگا۔

مسجد کو غلاظت اور گندگی سے محفوظ رکھنا ضروری ہے۔ مسجد میں ریح خارج کرنا بھی آدابِ مسجد کے خلاف ہے۔ مسجد کو جھاڑو سے صاف ستھرا رکھنا چاہیے۔ مٹی کا تیل جلانے سے احتراز کیا جائے۔

کشف الغمہ ، صفحہ:80 پر مرقوم ہے کہ آنحضور ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ مسجدوں کو صاف اور خوشبودار رکھا جائے۔ نیز مسجد کو بدبودار اشیا سے محفوظ رکھا جائے۔ بدبودار اشیا مثلاً مولی، لہسن اور پیاز مسجد میں نہیں لانا چاہیے۔

ہمارے پیارے رسول ﷺ نے فرمایا:

مَنْ اَكَلَ مِنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ الْمُنْتِنَةِ فَلَا يَقْرَبَنَّ مَسْجِدَنَا فَاِنَّ الْمَلٰٓئِكَةَ يَتَاَذّٰى مِمَّا مِنْهُ الْاِنْسُ۔ (متفق علیہ، مشکوٰۃ، صفحہ:68)

جو شخص اس درخت (پیاز) کی بدبودار شے کھائے تو ہماری مسجد سے قریب نہ ہو۔ بے شک اس سے فرشتوں کو اذیت ہوتی ہے، جیسے کہ انسانوں کو اذیت ہوتی ہے۔

اس طرح مسجد میں تھوکنا اور ناک صاف کرنا ممنوع ہے اور مسجد کی چٹائیوں کو تھوک وغیرہ سے صاف کرنا ناجائز ہے۔ حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

اَلْبُزَاقُ فِي الْمَسْجِدِ خَطِيْئَةٌ وَ كَفَّارَتُهَا دَفْنُهَا۔ (متفق علیہ، مشکوٰۃ، صفحہ:69)

مسجد میں تھوکنا گناہ ہے اور اس کا کفارہ اس کو ختم کرنا ہے۔

مشکوٰۃ، صفحہ:71 پر حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضور

ﷺ مسجد میں تشریف لائے تو مسجد کی دیوار پر کھنکھار لگا ہوا تھا۔ آپ ﷺ بڑے ناراض ہوئے اور ناراضگی کے تاثرات روئے اقدس پر ظاہر ہوئے اور پھر آپ نے اپنے دستِ اقدس سے صاف کیا۔ مشکوٰۃ میں ایک حدیث ہے:

عُرِضَتْ عَلَيَّ اَعْمَالُ اُمَّتِيْ حَسَنُهَا وَسَيِّئُهَا فَوَجَدْتُ فِيْ مَحَاسِنِ اَعْمَالِهَا الْاَذٰى يُمَاطُ عَنِ الطَّرِيْقِ وَوَجَدْتُ فِيْ مَسَاوِيْ اَعْمَالِهَا النُّخَاعَةَ تَكُوْنُ فِي الْمَسْجِدِ لَا تُدْفَنُ۔ (رواہ مسلم، مشکوٰۃ، صفحہ:69)

مجھ کو میری اُمت کے اعمالِ حسنہ اور اعمالِ بد دکھائے جاتے ہیں تو میں نیک اعمال میں سے اس موذی شے کو دیکھتا ہوں، جس کو راستے سے ہٹایا گیا ہو اور بُرے اعمال میں سے کھنکھار کو دیکھتا ہوں جو مسجد میں ہو اور دفن نہ کیا گیا ہو۔

مساجد کو روشنی سے مزین کرنا بہت ہی برکت کا باعث ہے۔ جو مسجد میں شمع روشن کرتا ہے تو ملائکہ اس وقت تک اس شخص کے لیے دعائے رحمت کرتے ہیں جب تک کہ شمع روشن رہتی ہے۔

کشف الغمہ ، جلد اوّل، صفحہ:81 پر حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد منقول ہے:

مَنْ عَلَّقَ قِنْدِيْلًا مُسْرَجًا فِيْ مَسْجِدٍ صَلّٰى عَلَيْهِ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَكٍ حَتّٰى يَطْفَأَ ذٰلِكَ الْقِنْدِيْلُ وَمَنْ بَسَطَ فِيْهِ حَصِيْرًا صَلّٰى عَلَيْهِ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَكٍ حَتّٰى يَتَقَطَّعَ ذٰلِكَ الْحَصِيْرُ۔

جو شخص مسجد میں شمع روشن کرے، اس پر ستر ہزار فرشتے رحمت کی دعا کرتے ہیں۔ اس وقت تک کہ وہ شمع بجھ جاتی ہے اور جو شخص مسجد میں ایک چٹائی بچھائے تو ستر ہزار فرشتے اس کے لیے دعائے رحمت کرتے ہیں اُس وقت تک کہ وہ چٹائی ٹوٹ نہ جاتی ہو۔

مندرجہ بالا ارشاد سے پتہ چلتا ہے کہ اگر ایک طرف مسجد میں روشنی کرنے کے باعث رحمت ہے تو دوسری طرف مسجد میں چٹائی بچھانا بھی رحمت کا موجب ہے۔

مسجد میں روشنی کرنے سے تربت منور ہوگی

کشف الغمہ میں امام شعرانی نقل فرماتے ہیں کہ رمضان المبارک میں جب حضرت

امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ مسجدوں کو قنادیل سے روشن ہوئے دیکھتے تو یہ دعا فرماتے:

نَوَّرَ اللّٰهُ عَلٰى عُمَرَ فِيْ قَبْرِهٖ كَمَا نَوَّرَ عَلَيْنَا مَسَاجِدَنَا ۔ (جلد اوّل، صفحہ: 80)

اللہ تعالیٰ حضرت عمر کی قبر کو روشن فرمائے جیسا کہ وہ ہماری مساجد کو روشن کرتا ہے۔

تذکرۃ الواعظین، صفحہ: 48 پر مرقوم ہے کہ ہمارے پیارے رسول حضرت محمد مصطفی ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص نیک نیتی کے ساتھ فقط اللہ کے واسطے چالیس دن تک مسجد میں چراغ روشن کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو بارہ نعمتوں سے سرفراز کرے گا:

1- دوزخ اُس کے جسم پر حرام کردے گا۔
2- دوزخ کے دروازے اس پر بند کر دیے جائیں گے۔
3- جنت کے آٹھوں دروازے اس کے لیے کھول دیے جائیں گے۔
4- قبر کے فشار کی سختی سہل ہو جائے گی۔
5- روزِ محشر اس کا نامۂ اعمال اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا۔
6- اس کے رزق میں برکت ہوگی۔
7- قیامت کے دن اس کو صالحین کی جماعت میں سے اٹھایا جائے گا۔
8- روزِ محشر اس کا چہرہ چودہویں کے چاند کی طرح منور ہوگا۔
9- ہر روز رات کو صبح تک اللہ کے فرشتے اس کے نگہبان رہتے ہیں۔
10- ہزار درہم اللہ کی راہ میں خیرات کرنے کا ثواب ملتا ہے۔
11- اللہ تعالیٰ دین اور دنیا میں اس کی 80 حاجتیں برلائے گا۔
12- بہشت میں اس کو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہمسائیگی کا شرف دیا جائے گا۔

سبحان اللہ! کیا شان ہے۔ صرف چالیس دن مسجد میں چراغ جلانے سے اللہ تعالیٰ کتنی نعمتوں سے سرفراز فرماتا ہے۔

مساجد کو آباد کرنے والوں کی فضیلت

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضور ﷺ نے مسجد کی

خبر گیری کرنے والوں کو ایماندار قرار دیا۔

عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا رَاَيْتُمُ الرَّجُلَ يَتَعَاهَدُ الْمَسْجِدَ فَاشْهَدُوْا لَهٗ بِالْاِيْمَانِ فَاِنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۔ (رواہ ترمذی وابن ماجہ والدارمی، مشکوٰۃ، صفحہ: 69)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب تم ایسے شخص کو دیکھو جو مسجد کی خبر گیری کرتا ہے تو اس کے ایمان کی شہادت دو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ وہی لوگ اللہ کی مساجد کو آباد کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔

انیس الواعظین، صفحہ: 146 پر مرقوم ہے کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا: حُبُّ الْمَسَاجِدِ مِنَ الْاِيْمَانِ، مسجد کی محبت ایمان کی نشانی ہے۔

مسجد کی فضیلت

مشکوٰۃ، صفحہ 68 پر مرقوم ہے:

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحَبُّ الْبِلَادِ اِلَى اللّٰهِ مَسَاجِدُهَا وَاَبْغَضُ الْبِلَادِ اِلَى اللّٰهِ اَسْوَاقُهَا ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، شہروں میں مساجد اللہ کو محبوب ہیں اور شہروں میں سب سے ناپسندیدہ بازار ہیں۔

فائدہ: مساجد اللہ کے گھر ہیں اور پاکیزگی کے نمونے ہیں۔ اس میں آکر انسان وقتی طور پر ہر شے سے ناطہ توڑ کر اپنے خالق حقیقی سے ہم کلام ہوتا ہے۔ قرآن مجید کے پاروں کی تلاوت کی جاتی ہے۔ تسبیح وتہلیل کے ورد ہوتے ہیں۔ ہر برائی سے بچنے کے لیے مسجد بہترین پناہ گاہ ہے۔ اس لیے مساجد کو اللہ تعالیٰ محبوب رکھتا ہے اور بازاروں میں حرص وہوس، طمع اور لالچ کی کثرت ہوتی ہے، لیکن دین میں جھوٹ، بے ایمانی اور ناجائز منافع خوری ہوتی ہے۔ دوسروں کو دھوکہ دیا جاتا ہے، اس لیے بازار اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں اور ان کے مقابلے میں مساجد اللہ تعالیٰ کو

بہت محبوب ہیں۔

مساجد کی تعمیر بھی ایک احسن عمل ہے۔ جو شخص مسجد تعمیر کرواتا ہے، اس کے لیے جنت میں ایک خوبصورت محل تیار کیا جاتا ہے۔

مشکوٰۃ، صفحہ:68 پر ہی ایک اور حدیث حضرت عثمان سے مروی ہے: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ بَنٰى لِلّٰهِ مَسْجِدًا بَنَى اللّٰهُ لَهٗ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ۔ (متفق علیہ)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو اللہ کے لیے مسجد بنائے اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں مکان بناتا ہے۔

مسجد میں نماز پڑھنے کا ثواب گھر میں نماز پڑھنے سے 25 گنا زیادہ ہے۔ ہمارے پیارے رسول حضرت محمد ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

صَلٰوةُ الرَّجُلِ فِي الْجَمَاعَةِ تُضَعَّفُ عَلَى الصَّلٰوةِ فِيْ بَيْتِهٖ وَفِيْ سُوْقِهٖ خَمْسًا وَّعِشْرِيْنَ ضِعْفًا۔

مرد کی نماز باجماعت (مسجد میں) گھر اور بازار کی نماز سے 25 گنا زیادہ درجہ رکھتی ہے۔

انیس الواعظین، صفحہ:165 پر مرقوم ہے کہ جب بندۂ مومن نماز سے فارغ ہونے کے بعد مسجد سے باہر نکلتا ہے تو فلک سے ایک فرشتہ ندا کرتا ہے: اے اللہ کے ولی! اب از سرِ نو عمل کر۔ اس لیے کہ تیرے پہلے گناہ اللہ نے معاف فرما دیے۔ نیز جو شخص اذان سنتا ہے اور باوضو ہو کر مسجد میں جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دیتا ہے کہ اس کے ہر قدم کے بدلے جنت میں اس کے لیے سو محل تعمیر کرو۔ ہر محل میں سو گھر اور ہر گھر میں سو کھڑکیاں اور ہر کھڑی میں ایک تخت اور ہر تخت پر ایک فرش اور ہر فرش پر حوروں میں سے ایک حور اور ہر حور کے سامنے لونڈیاں اور غلام کھڑے ہوں اور ہر غلام کے ہاتھ میں بہشتی میوؤں میں سے ایک میوہ ہو۔

سبحان اللہ! مسجد میں جانے کا کتنا اجر ہے کہ ہر قدم پر ہمارے لیے بے شمار نعمتیں ہیں۔

مشکوٰۃ، صفحہ:68 پر ایک حدیث ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرقوم ہے:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبْعَةٌ يُّظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظِلِّهٖ يَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّهٗ اِمَامٌ عَادِلٌ وَّشَابٌّ نَشَاَ فِيْ عِبَادَةِ اللّٰهِ وَرَجُلٌ قَلْبُهٗ مُعَلَّقٌ

بِالْمَسْجِدِ اِذَا خَرَجَ مِنْهُ حَتّٰى يَعُوْدَ اِلَيْهِ وَرَجُلَانِ تَحَابَّا فِي اللّٰهِ اِجْتَمَعَا عَلَيْهِ وَتَفَرَّقَا عَلَيْهِ وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللّٰهَ خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ وَرَجُلٌ دَعَتْهُ امْرَاَةٌ ذَاتُ حَسَبٍ وَّجَمَالٍ فَقَالَ اِنِّيْ اَخَافُ اللّٰهَ وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَاَخْفَاهَا حَتّٰى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهٗ مَا تُنْفِقُ يَمِيْنُهٗ۔ (متفق علیہ)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سات اشخاص کو اللہ تعالیٰ اپنے سایۂ رحمت میں جگہ دے گا، جس دن اس کے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا۔ عدل کرنے والا امام۔ اللہ کی راہ میں جوانی خرچ کرنے والا جوان اور وہ مرد جس کا دل مسجد سے لگا ہوا ہے، جس وقت اس سے نکلتا ہے یہاں تک کہ واپس اس کی طرف لوٹے۔ دو اشخاص جو اللہ کے واسطے باہم محبت رکھتے ہیں۔ اسی کی محبت میں جمع ہوتے ہیں اور اسی کی محبت میں جدا ہوتے ہیں۔ اور جو شخص اللہ کو تنہائی میں یاد کرتا ہے اور اشک شوئی کرتا ہے۔ ایک وہ شخص جسے کوئی حسین و جمیل اچھے خاندان کی خاتون لبھائے تو وہ کہے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور ایک وہ شخص کہ اس طرح چھپا کر صدقہ کرے کہ اس کے داہنے ہاتھ سے جو کچھ خرچ ہو، اس کے بائیں ہاتھ کو خبر نہ ہو۔

حکایت: نزہۃ المجالس، جلد اوّل، صفحہ:96 پر مرقوم ہے: ایک مسلمان قوتِ بصارت سے محروم تھا، لیکن پنج وقتہ نماز کی ادائیگی کے لیے مسجد میں باجماعت باقاعدگی سے حاضری دیتا تھا، چونکہ قوتِ بصارت سے محروم تھا، جس کی وجہ سے راستے میں ٹھوکریں لگتیں، جس سے وہ گر جاتا اور اس کے کپڑے خراب ہو جاتے اور بعض اوقات زخمی بھی ہو جاتا۔ اس کی گھر والی اس پر اس سے لڑتی کہ تو مسجد جاتا ہے جس کی وجہ سے کپڑے خراب اور گندے کر لاتا ہے۔ ایک دن اس کی بیوی اس سے خوب لڑی، جس کا اس شخص کو از حد افسوس ہوا۔ اسی عالمِ حسرت و یاس میں وہ سو گیا۔ جب بیدار ہوا تو باجماعت نماز پڑھنے کے باعث اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اس کو بینائی عطا فرما دی۔

مسجد تک چل کر جانا ثواب ہے

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ مسجد نبوی کے ارد گرد کچھ جگہ بے مصرف

تھی۔ بنو سلمہ ایک قبیلہ تھا۔ اس قبیلے نے مسجد کے قریب والی جگہ نقل مکانی کی کوشش کی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی تو فرمایا۔ کیا تم مسجد کے قریب آنا چاہتے ہو۔ انھوں نے عرض کی: ہمارا ارادہ کچھ ایسا ہی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: يَابَنِيْ سَلِمَةَ دِيَارَكُمْ تُكْتَبُ اٰثَارُكُمْ دِيَارَكُمْ تُكْتَبُ اٰثَارُكُمْ ۔ (مشکوٰۃ، صفحہ:68 متفق علیہ)

ترجمہ: اے بنی سلمہ! اپنے گھروں کو لازم پکڑ لے۔ یعنی وہیں قیام کرو۔ تمہارے قدموں کے نشانات لکھے جائیں گے۔ اپنے گھروں میں قیام کرو۔ تمہارے قدموں کے نشان تحریر کیے جائیں گے۔

ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں:

اَعْظَمُ النَّاسِ اَجْرًا فِي الصَّلٰوةِ اَبْعَدُهُمْ فَاَبْعَدُهُمْ مَمْشًى ۔ (متفق علیہ)

لوگوں میں ثواب کے لحاظ سے بڑا وہ شخص ہے جو دور سے چل کر آنے والا ہے۔

اندھیرے میں ادائیگی نماز کے لیے جانا روزِ محشر نورِ کامل ملنے کا باعث ہے۔

عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَشِّرِ الْمَشَّائِيْنَ فِي الظُّلَمِ اِلَى الْمَسَاجِدِ بِالنُّوْرِ التَّامِّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد و مشکوٰۃ، صفحہ:69)

حضرت بریدہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اندھیروں میں مساجد کی طرف جانے والوں کو نورِ کامل کی خوش خبری سنا دو۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو مسجد میں نماز پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے اور مسجد کا ادب واحترام کرنے کی توفیق بخشے۔ (آمین)

□□□

پندرہواں وعظ

رمضان شریف کے مسائل

تیسرے پارے کی سورہ بقرہ میں ارشاد ہے:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۔

ترجمہ: رمضان کا مہینہ جس میں قرآن اُترا لوگوں کے لیے ہدایت اور رہنمائی اور فیصلہ کی روشن باتیں۔

برادرانِ اسلام! رمضان المبارک کا مہینہ مقدسیت، مطہریت، مکرمیت، سعیدیت میں دوسرے تمام مہینوں سے افضل واعلیٰ ہے۔ اس ماہِ سعید کی ایک ایک گھڑی رحمت باری تعالیٰ سے معمور ہوتی ہے۔ سعید الفطرت ارواح بڑی بے چینی سے اس ماہِ سعید کا انتظار کرتی ہیں، تاکہ وہ اللہ کی رحمت حاصل کر کے نجات کے لیے سامان کرلیں۔

قرآنِ مجید کا نزول

اس ماہِ سعید کی عظمت اس بات سے عیاں ہے کہ اللہ کی آخری کتاب اسی ماہِ مقدس میں لوحِ محفوظ پر اُتاری گئی اور پھر وہاں سے آہستہ آہستہ حسب ضرورت 23 برس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر مکمل طور پر نازل ہوئی۔ اس کے علاوہ یہی وہ مقدس ماہ ہے، جس کی یکم یا تین تاریخ کو سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ کے ہاں مقام خاص حاصل کیا، یعنی ان پر صحائف کا نزول ہوا۔ اسی ماہِ مقدس کی آٹھ یا بارہ تاریخ کو سیدنا داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام پر زبور شریف نازل ہوئی۔ اس ماہ کی چھ تاریخ کو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر توریت نازل ہوئی۔ بارہویں یا تیرہویں تاریخ کو انجیل مقدس حضرت عیسیٰ پر نازل ہوئی۔

گویا اس رمضان المبارک کو کلامِ الٰہی کے ساتھ خاص مناسبت ہے۔ یہ اسلام سے قبل

کے واقعات تھے۔ دورِ اسلام میں بھی اس ماہ کو بڑی فضیلت حاصل رہی ہے۔ اسی ماہ کی 17 رتاریخ کو وہ مشہور جنگ ہوئی جو جنگ بدر کے نام سے موسوم ہے، جس میں مسلمانوں کی تعداد صرف 313 تھی۔ اسی ماہ کی 21 رتاریخ کو اسلام اپنے ایک بہادر، نڈر، بے باک اور جرأت مند خلیفہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے محروم ہوگیا۔ اسی رمضان المبارک میں جبریل امین مکمل قرآن مجید سراپا نور حضور ﷺ کو سناتے اور بعض روایات میں ہے کہ سارا قرآن مجید حضور ﷺ خود جبریل کو سناتے۔ سیدنا امام ائمہ کشف الغمہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس ماہِ سعید میں 61 رمرتبہ قرآن مجید ختم کیا کرتے تھے۔ ایک قرآن دن میں ایک رات میں اور ایک نمازِ تراویح میں۔ امام شافعی اس ماہ میں 60 مرتبہ قرآنِ مجید ختم کیا کرتے تھے۔

مشارق الانوار میں حضرت عمر سے مروی ہے کہ جب رمضان المبارک کا آغاز ہونے میں صرف ایک روز باقی رہ جاتا تو آپ لوگوں کو جمع کر کے ان سے خطبہ دیتے کہ: اے لوگو! تیار ہو جاؤ، رمضان المبارک آپہنچا۔ اپنے لباس پاکیزہ اور صاف پہنو۔ اس کی تعظیم و توقیر کرو، کیونکہ اللہ کے نزدیک یہ نیکی سب سے بڑھ کر ہے۔ اچھے اعمال کرو۔ اس ماہ میں ایک کی دو نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ اس ماہ میں جو شخص قرآن مجید تلاوت کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کو ہر حرف کے بدلے جنت کا ایک باغ عنایت فرمائے گا۔ جس کے درخت ایسے لاجواب اور بے مثال اور اتنے بلند و بالا ہوں گے کہ دنیا میں ان کی تمثیل نہیں ہے۔ ہر پیڑ کے نیچے 70 ہزار فرشتے ہوں گے جو قیامت تک اس کے لیے استغفار کرتے رہیں گے۔

تذکرۃ الواعظین، صفحہ: 336 پر ہے۔ حضرت اعمش سے مروی ہے کہ ایک رمضان سے دوسرے رمضان تک کے گناہوں کا کفّارہ ہے۔ جس طرح کہ ایک حج سے دوسرے حج تک ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک اور ایک نماز دوسری نماز تک کے گناہوں کا کفارہ ہے۔

تذکرۃ الواعظین میں حضرت ابو مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جس نے رمضان کے روزے رکھے اور کل مناسک ادا کیے اور کسی فحش کا مرتکب نہیں ہوا تو اس کے تمام کبیرہ و صغیرہ گناہ معاف کر دیے جائیں گے اور تسبیح و تہلیل کے عوض اس کے جنت میں زمرد سے ایک مکان تعمیر کیا جائے گا جو یاقوت کی پچکاری سے مزین ہوگا۔ اس کے درمیان ایک

سرخ خیمۂ یاقوت ہوگا۔ اس خیمے میں ایک حور ہوگی، جس کے ہاتھوں میں سونے کے کنگن ہوں گے، جن کی چمک سے دنیا روشن ہو جائے گی۔ نیز رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب شعبان کی آخری رات ہوتی ہے تو زمین و آسمان کے ملائکہ امت کے مصائب یاد کر کے گریہ وزاری کرتے ہیں۔ لوگوں نے پوچھا: اے حبیب! کون سی مصیبت؟ آپ نے فرمایا کہ صدقہ اس مہینے میں قبول کیا جاتا ہے۔ دعا مستجاب ہوتی ہے، گناہوں کی مغفرت کی جاتی ہے، نمازیں قبول ہوتی ہیں، نیکیاں دو چند کر دی جاتی ہیں، حوریں سنگار کر کے آواز دیتی ہیں کہ ہے کوئی جو ہم سے شادی کرے اور جھروکوں میں کھڑی داروغۂ جنت رضوان سے پوچھتی ہیں کہ: یہ رات کون ہے؟ وہ جواب دیتا ہے کہ یہ رمضان کی پہلی رات ہے۔ اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ اے رضوان! جنت کے دروازے کھول دو اور اے خازنِ دوزخ! دوزخ کے دروازے بند کر دو۔ جبریل کو حکم ہوتا ہے کہ: جبریل! زمین پر جاؤ اور شیاطین کو قید کر کے دریا میں پھینک دو تا کہ اُمتِ محمدیہ کو وسوسوں سے پریشان نہ کر سکیں اور اس رات میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہے کوئی حاجت مند کہ میں اس کی حاجت روائی کروں؟ ہے کوئی سائل کہ اس کا سوال پورا کیا جائے؟ اور ہے کوئی توبہ کرنے والا کہ میں اس کی مغفرت کر دوں؟ اور ہے کوئی بخشش چاہنے والا کہ میں اس پر اپنی رحمتوں کا نزول کر دوں؟ اور افطار کے وقت اللہ تعالیٰ مستحقِ عذاب کے مجرموں کو معاف فرماتا ہے اور جمعہ کے 24 گھنٹوں کے ہر لمحے میں ہزار مجرم آزاد کیے جاتے ہیں اور جب رمضان کا آخری دن ہوتا ہے تو اس دن اتنے مجرم معاف کیے جاتے ہیں جتنا کہ کُل مہینے میں معاف کیے جاتے ہیں

مشکوٰۃ، صفحہ: 173,172 پر حضرت سلمان فارسی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شعبان کے آخری دن وعظ فرمایا: اے لوگو! تمہارے ہاں ایک عظیم بابرکت مہینہ مہمان آرہا ہے۔ اس مہینے میں ایک رات ایسی آتی ہے جو ہزار ماہ سے افضل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے روزے فرض کیے اور راتوں کو خدا کی عبادت میں قیام کرنے کو وسیلۂ ثواب بنایا۔ یعنی جو شخص اس ماہ میں نوافل ادا کرے گا، اس کو فرض ادا کرنے کا اجر ملے گا اور اگر فرض ادا کرے گا تو ۷۰ رفرائض کا ثواب ملے گا۔ یہ مہینہ صبر کے لیے ہے اور صبر کا ثواب جنت ہے۔ نیز یہ مہینہ

ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی کرنے کا مہینہ ہے۔ اس مہینے میں مومن کے رزق میں اضافہ کیا جاتا ہے جو روزہ افطار کرے تو اس کے گناہوں کی مغفرت ہے اور اس کی گردن آگ سے آزاد کرلی جائے گی اور روزہ افطار کرانے والے کو روزہ دار کے اجر کے برابر بغیر کم ہوئے اجر ملے گا۔ صحابہ نے رسالت مآب ﷺ سے عرض کیا: ہم سے ہر ایک کے پاس دوسرے کو افطار کرانے کے لیے کوئی شے نہیں ہوتی۔ حضور نے فرمایا: اللہ تعالیٰ یہ ثواب ہر اُس شخص کو دے گا جو دوسروں کے افطار کے واسطے ایک گھونٹ دودھ یا ایک گھونٹ پانی دے اور جو شخص روزہ دار کو کھانا کھلائے گا، اللہ تعالیٰ اس کو میرے حوض سے پانی پلائے گا اور وہ کبھی پیاس محسوس نہیں کرے گا اور جنت میں داخل ہوگا۔ اس مہینے کا اوّل عشرہ رحمت، درمیانی عشرہ مغفرت اور آخری عشرہ جہنم سے آزادی کے واسطے ہے۔ جو اپنے غلام آزاد کرے گا اللہ اس کو جہنم سے آزاد فرمائے گا۔

حدیث پاک کی تشریح

حضور ﷺ کا شعبان المعظم کے آخری دن خطبہ دینا ہمیں اس بات کی ہدایت کرتا ہے کہ خبردار رمضان شریف کی متبرک گھڑیاں فضول اور لغو باتوں میں نہ گزاریں، فلک پر جوں ہی چاند نظر آئے، ہمہ تن اللہ کی عبادت میں مصروف ہوجانا چاہیے۔

تذکرۃ الواعظین، صفحہ: 38,37 پر نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد مرقوم ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اگر میری اُمت رمضان شریف کی برکتوں کی حقیقت پالے تو یہی تمنا کرے کہ اے کاش! سارا سال ہی رمضان رہے، کیونکہ رمضان شریف میں سونا عبادت ہے۔ جاگنا عبادت ہے۔ جس نے رمضان شریف کے اوّل تا آخر روزے پابندی سے رکھے، وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہوجاتا ہے جیسے ابھی ماں کے پیٹ سے تولد ہوا ہو۔

آگے ایک روایت ہے کہ قیامت کے دن روزہ داروں کے سامنے نعمت خوان رکھے ہوں گے، جس میں سے وہ کھانا کھا رہے ہوں گے۔ دوسرے لوگ حیران ہوں گے کہ کیا عجیب بات ہے کہ ہم تو حساب میں مبتلا ہیں اور یہ کھا رہے ہیں۔ باری تعالیٰ کی طرف سے جواب

آئے گا کہ یہ لوگ رمضان میں روزے رکھتے تھے اور تم لوگ روزے کھاتے تھے۔

دُرّۃ الناصحین میں حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب رمضان شریف کی پہلی تاریخ ہوتی ہے تو عرشِ عظیم کے نیچے سے مثیرہ نامی ہوا چلتی ہے، جو بہشت کے درختوں کے پتوں کو ہلاتی ہے۔ اس ہوا کے چلنے سے ایسی دلکش آواز بلند ہوتی ہے کہ اس سے بہتر آواز کسی نے نہیں سنی۔ حوریں اس ہوا کو دیکھتی ہیں اور اللہ سے عرض کرتی ہیں کہ اے باری تعالیٰ! اپنے بندوں میں سے ہمارے لیے خاوند مقرر فرما۔ روزہ داروں کے سوا کوئی ایسا نہیں ہوگا، جس کو حوروں میں سے عطا ہوگی۔ ان حوروں کے واسطے سرخ یاقوت سے بنا ہوا ایک تخت ہے، ہر تخت پر ستر نعمت خوان اقسام کھانوں سے بھرے ہوئے۔ یہ سب نعمتیں روزہ داروں کے لیے ہوں گی اور ان نیکیوں کے علاوہ جو روزہ دار نے رمضان شریف میں کیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرمایا کہ میں نے اُمت محمدیہ کو دو نور عطا کیے ہیں تا کہ وہ دو اندھیروں کے ضرر سے محفوظ رہیں۔ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عرض کی کہ وہ کون سے دو نور ہیں؟ ارشاد ہوا کہ نورِ رمضان اور نورِ قرآن۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی کہ وہ دو اندھیرے کون کون سے ہیں؟ فرمایا: ایک تو قبر کا اندھیرا ہے اور دوسرا اندھیرا روزِ قیامت کا ہے۔

حکایت: ایک شخص جس کا نام محمد تھا، وہ تمام سال نماز نہ پڑھتا تھا۔ جب رمضان شریف کا متبرک مہینہ آتا تو وہ خوشبودار کپڑے پہنتا اور نماز پڑھتا اور اپنی قضا ہونے والی نماز کو بھی پڑھتا۔ لوگوں نے اس سے پوچھا کہ تو ایسا کیوں کرتا ہے؟ اس نے جواب دیا: یہ مہینہ رحمت، برکت اور توبہ و مغفرت کا ہے۔ شاید اللہ تعالیٰ مجھے میرے اسی عمل سے بخش دے۔ جب وہ مر گیا تو لوگوں نے اسے خواب میں دیکھا اور پوچھا: اللہ تعالیٰ نے تیرے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ اس نے جواب دیا کہ میرے اللہ نے مجھے معاف کردیا۔ صرف اس وجہ سے کہ میں رمضان کی تعظیم و توقیر کرتا تھا۔

سبحان اللہ! رمضان شریف کی کیا کیا برکات ہیں۔ اللہ ہم سب کو رمضان شریف کا احترام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

□□□

سولھواں وعظ

رمضان شریف کے فضائل

رمضان شریف اللہ تعالیٰ کا عظیم البرکت مہینہ ہے۔اس کے فضائل بے شمار ہیں جن کو احاطۂ تحریر میں لانا مشکل ہے۔ رمضان المبارک وہ مہینہ ہے، جس میں اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کی بے پایاں بارش کرتا ہے اور اپنا جودوکرم ہر خاص وعام کے لیے عام کر دیتا ہے۔

رمضان میں جنت کے دروازے کھلنا

رمضان المبارک عظیم البرکت مہینہ ہے۔اس کی آمد پر دوزخ کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے:

اِذَا دَخَلَ رَمَضَانُ فُتِحَتْ اَبْوَابُ السَّمَاءِ وَفِیْ رِوَایَةٍ فُتِحَتْ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ وَ غُلِقَتْ اَبْوَابُ جَهَنَّمَ وَسُلْسِلَتِ الشَّیٰطِیْنُ وَفِیْ رِوَایَةٍ فُتِحَتْ اَبْوَابُ الرَّحْمَةِ۔ (متفق علیہ، مشکوٰۃ، صفحہ:173)

ترجمہ: رمضان کی آمد پر فلک کے سارے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔ایک روایت میں ہے کہ دوزخ کے دروازے بند کر کے جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور شیاطین کو پابندِ سلاسل کر دیا جاتا ہے اور ایک روایت کے مطابق رحمت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔

فائدہ: سبحان اللہ! رمضان المبارک واقعی کتنا عظیم مہینہ ہے کہ جب فلک پر ماہِ رمضان کا چاند طلوع ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت عظمٰی کی تجلیاں جنت کی خوشبو میں بسا کر فلک سے برساتا ہے۔ جہنم کے دروازے مقفل کرا دیے جاتے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ انسان کا ازلی دشمن شیطان ابلیس رذیل اسیرِ سلاسل کر دیا جاتا ہے تا کہ وہ امتِ محمدیہ کو نیک اعمال کرنے سے بہکا نہ سکے۔اسی کی بدولت اس متبرک مہینہ میں عصیاں کے بادل چھٹ

جاتے ہیں۔تقویٰ و پرہیزگاری کی پاکیزہ ہوائیں چلتی ہیں، جن سے سارا گلستانِ ہستی عنبر نشاں بن جاتا ہے۔ جب گلشن میں طرح طرح کے پھول کھلتے ہیں تو تیز ہوائیں چلتی ہیں اور ان کے خرمنِ ہستی کو رفیق خاک کر جاتی ہے۔اسی طرح تقویٰ و پرہیزگاری کے گلشن میں بہکاوے کی تیز ہوائیں چلنا چاہتی تھیں، مگر رمضان المبارک میں تقویٰ و پرہیزگاری کے گلشن میں ایسے پھول کھلتے ہیں کہ جن کی خوشبو اور مہک سے پھر گلستانِ اُمت میں وجد آتا ہے۔

عقل، اللہ کا انسان کے لیے سب سے بڑا عطیہ ہے۔ عقل کی بدولت انسان نے صفحۂ ہستی پر ہزار گلکاریاں کی ہیں۔ بعض ناسمجھ لوگ اس بات پر معترض ہیں کہ رمضان المبارک کے مہینے میں شیاطین اسیرِ سلاسل کر دیے جاتے ہیں۔ اگر فی الواقع ایسا ہی ہوتا تو کچھ لوگ رمضان المبارک میں بھی مرتکب گناہ کیوں ہوتے ہیں۔اس کے جواب میں مشائخ عظام نے کئی دلیلیں دی ہیں۔ جہاں تک شیاطین اسیرِ سلاسل کرنے کا ذکر ہے تو ان شیاطین سے مراد سرکش شیاطین ہیں اور گناہ ان غیر سرکش شیاطین کی محنت کا ثمرہ ہوتے ہیں۔

دوسری سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اگر اس ماہِ متبرک میں شیاطین بند کر دیے جاتے ہیں، مگر چونکہ گیارہ ماہ شیطان انسان کو بہکانے میں لگا رہتا ہے اور انسان کے خیالات کو فاسد کر دیتا ہے، جس سے انسانی ذہن گناہوں سے مانوس ہو چکا ہوتا ہے اور وہ اس شعر کی تفسیر بن جاتا ہے:

اتنے مانوس ہو گئے ہیں صیاد سے ہم
جو رہائی ملے گی تو مر جائیں گے

اس کی مثال ایسے ہے کہ اگر کوئی شخص عطار نہ بھی ہو لیکن وہ عطار کی صحبت میں بیٹھا رہے تو جب وہ اٹھے گا تو اس کے جسم اور لباس سے عطر کی خوشبو ضرور آئے گی۔اس طرح گو کہ شیطان بند کر دیے جاتے ہیں، مگر انسانی ذہن گیارہ ماہ شیطان کی صحبت میں رہتا ہے، اس لیے انسانی ذہن پر اس کی تہہ بڑی گہری جم جاتی ہے، پس لوگ اسی وجہ سے گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں۔

رمضان پاک کے لیے جنت کی تزئین

عام زندگی میں یہ قاعدہ ہے کہ جب کسی بڑی شخصیت کو آنا ہو تو شہر کی خوب صفائی کی جاتی ہے۔ اس کا استقبال کرنے کے لیے جھنڈیاں لگائی جاتی ہیں اور اس کے لیے بطور خاص اسٹیج تیار کیا جاتا ہے۔ اس طرح رمضان المبارک کی آمد پر جنت کو سجایا جاتا ہے اور حورانِ جنت تزئین حسن کر کے اپنے مجازی خداؤں کو دل نشین جملوں سے مخاطب کرتی ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اقدس ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ الْجَنَّةَ تُزَخْرَفُ لِرَمَضَانَ مِنْ رَأْسِ الْحَوْلِ اِلٰى قَابِلٍ قَالَ فَاِذَا كَانَ اَوَّلُ يَوْمٍ مِنْ رَمَضَانَ هَبَّتْ رِيْحٌ تَحْتَ الْعَرْشِ مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ عَلَى الْحُوْرِ الْعِيْنِ فَيَقُلْنَ يَارَبِّ اجْعَلْ لَنَا مِنْ عِبَادِكَ اَزْوَاجًا تَقَرُّ بِهِمْ اَعْيُنُنَا وَتَقَرُّ اَعْيُنُهُمْ بِنَا ۝ (رواہ بیہقی فی شعب الایمان ومشکوٰۃ)

بے شک جنت ابتدائی سال سے آئندہ سال تک رمضان المبارک کے لیے سجائی جاتی ہے اور فرمایا کہ رمضان شریف کے پہلے دن بہشت کے درخت کے برگ وبار کے زیریں حصے سے بڑی اور سفید آنکھوں والی حوروں کے لیے ہوا چلتی ہے اور وہ کہتی ہیں: اے پروردگار! اپنے بندوں میں ایسے بندوں کو ہمارا شوہر بنا جن کو دیکھ کر ہماری آنکھوں میں ٹھنڈک پڑے اور جب وہ ہمیں دیکھیں تو ان کی آنکھوں میں ٹھنڈک پڑے۔

رمضان شریف کی ہر شب میں اُمت کی مغفرت

رمضان کا مہینہ سب مہینوں سے افضل ہے۔ رمضان المبارک کا مہینہ اس لحاظ سے بھی افضل ہے کہ اس مہینے میں اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے دروازے ہر کس وناکس پر کھول دیتا ہے، اپنی رحمت کی بے پایاں بارش کرتا ہے۔ دریائے مغفرت موج میں آجاتا ہے اور ہر رات کو ساٹھ ہزار گنہگاروں کو معاف کر دیا جاتا ہے اور قیدِ جہنم سے رہائی دے دی جاتی ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: نَادٰى مُنَادٍ مِنَ السَّمَاءِ كُلَّ لَيْلَةٍ اِلَى انْفِجَارِ الصُّبْحِ يَا بَاغِيَ الْخَيْرِ تَمِّمْ وَاَبْشِرْ وَ يَا بَاغِيَ الشَّرِّ اَقْصِرْ وَ اَبْصِرْ هَلْ مِنْ

مُسْتَغْفِرٍ يُغْفَرُ لَهٗ هَلْ مِنْ تَائِبٍ يُتَابُ عَلَيْهِ هَلْ مِنْ دَاعٍ يُسْتَجَابُ لَهٗ هَلْ مِنْ سَائِلٍ يُعْطٰى سُؤْلَهٗ وَلِلّٰهِ عَزَّ وَ جَلَّ عِنْدَ كُلِّ فِطْرٍ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ كُلَّ لَيْلَةٍ عُتَقَاءُ مِنَ النَّارِ سِتُّوْنَ اَلْفًا فَاِذَا كَانَ يَوْمَ الْفِطْرِ اَعْتَقَ اللّٰهُ مِثْلَ مَا اَعْتَقَ فِيْ جَمِيْعِ الشَّهْرِ ثَلَاثِيْنَ مَرَّةً سِتِّيْنَ اَلْفًا ۝ (زواجر، جلد اوّل، صفحہ: 161)

رمضان شریف کی ہر شب کو ایک منادی آسمانوں میں صبح کے طلوع ہونے تک یہ ندا کرتا ہے: اے اچھائی مانگنے والے! ختم کر (اچھائی مانگنا) اور خوش ہو جا اور اے شریر، شر سے باز آجا اور عبرت حاصل کر۔ کیا کوئی مغفرت کا طالب ہے کہ اس کی طلب پوری کی جائے؟ کیا کوئی توبہ کرنے والا ہے کہ اس کی توبہ قبول کی جائے؟ کیا کوئی دعا مانگنے والا ہے کہ اس کی دعا قبول کی جائے؟ کیا کوئی سائل ہے کہ اس کا سوال پورا کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ رمضان کی ہر شب میں افطار کے وقت ساٹھ ہزار گنہگاروں کو دوزخ سے آزاد فرما دیتا ہے اور روزِ عید کو سارے مہینے کے برابر گنہگاروں کی بخشش کی جاتی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور ﷺ سے مروی ہیں:

يُغْفَرُ لِاُمَّتِهٖ فِيْ اٰخِرِ لَيْلَةٍ رَمَضَانَ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةُ الْقَدْرِ قَالَ لَا وَلٰكِنَّ الْعَامِلَ اِنَّمَا يُوَفّٰى اَجْرُهٗ اِذَا قَضٰى عَمَلَهٗ ۝

رمضان کی آخری رات میری امت کی بخشش ہوتی ہے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ! کیا وہ شب قدر ہے۔ فرمایا: نہیں، کام کرنے والے کو اُس کی اجرت دی جاتی ہے۔ جب کہ وہ کام مکمل کرے۔

ماہِ رمضان کی افضلیت

بنی نوع انسان کی ہدایت ورہنمائی کے لیے خداوند عظیم نے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر مبعوث فرمائے۔ پیغمبر کو ایک خاص مقام اور خاص رتبہ عطا فرمایا، لیکن سب سے زیادہ عظیم مقام اور عظیم رتبہ حضرت محمد ﷺ کو عطا فرمایا اور ان ہی کو سب سے زیادہ مکرم اور افضل بنایا۔ اسی طرح کچھ پیغمبروں پر کتب نازل فرمائیں، مگر سب سے افضل کتاب قرآن مجید

سب سے افضل نبی حضرت محمد ﷺ پر اُتاری۔ سب سے افضل کتاب سب سے افضل نبی پر سب سے افضل مہینے میں ہی نازل فرمانی چاہیے تھی۔ اس لیے اس کتاب کے نزول کے واسطے سب سے افضل مہینے کا انتخاب ہوا۔ وہ مہینہ رمضان شریف ہے، کیونکہ افضل کتاب افضل نبی پر افضل مہینے میں ہی نزول فرمائی جانی تھی۔

بستان الواعظین میں ابنِ جوزی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو بارہ بیٹے عطا فرمائے تھے، مگر حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام بارہ بیٹوں میں سے حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ السلام کو زیادہ عزیز اور محبوب رکھتے تھے۔ اسی طرح بارہ مہینوں میں سے رمضان شریف ربِّ لاشریک کو دوسرے مہینوں سے زیادہ محبوب ہے، جس طرح اللہ کریم نے حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ السلام کی بدولت گیارہ بھائیوں کی خطا معاف فرمادی تھی، اسی طرح رمضان شریف میں دوسرے گیارہ ماہ کی سرکردہ خطائیں معاف فرمائی جاتی ہیں۔

رمضان شریف کا ناقدر شناس ہلاک ہوگا

رمضان شریف رحمت، بخشش اور مغفرت کا مہینہ ہے۔ اس میں کثرت سے عبادت کرنا چاہیے تاکہ اللہ تعالیٰ ہمیں معاف کردے۔ جو شخص رمضان شریف میں بھی اپنے بُرے اعمال کی بدولت اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم رہے، یقیناً وہ بدقسمت ہے۔ اس نے اپنے پاؤں پر کلہاڑی ماری ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

فَلَمَّا نَزَلَ قُلْنَا يَارَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم سَمِعْنَا مِنْكَ الْيَوْمَ شَيْئًا مَا كُنَّا نَسْمَعُهٗ قَالَ اِنَّ جِبْرِيْلَ عَرَضَ فَقَالَ بَعُدَ مَنْ اَدْرَكَ رَمَضَانَ فَلَمْ يُغْفَرْ لَهٗ فَقُلْتُ اٰمِيْنَ فَلَمَّا رَاَيْتُ الثَّانِيَةَ قَالَ بَعُدَ مَنْ ذُكِرْتَ عِنْدَهٗ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيْكَ قُلْتُ اٰمِيْنَ فَلَمَّا رَاَيْتُ الثَّالِثَةَ قَالَ بَعُدَ اَدْرَكَ اَبَوَيْهِ عِنْدَهُ الْكِبَرُ اَوْ اَحَدَهُمَا فَلَمْ يُدْخِلَاهُ الْجَنَّةَ قُلْتُ اٰمِيْنَ ۝ (زواجر، صفحہ:160)

سب لوگ منبر کے پاس حاضری دیں۔ ہم سب لوگ منبر کے پاس حاضر ہوئے۔ منبر کی پہلی سیڑھی پر قدم رکھتے ہوئے حضور صلی اللہ ﷺ نے فرمایا: آمین، اور دوسری سیڑھی

پر قدم رکھتے ہوئے فرمایا: آمین، اور منبر کے تیسرے سرے پر رونق افروز ہو کر فرمایا: آمین۔ جب منبر سے نیچے تشریف لائے عرض کی: آج آپ سے ایسی بات سنی جو پہلے نہ سنی تھی۔ فرمایا: بے شک جب میں نے پہلی سیڑھی پر قدم رکھا تو جبریل نے عرض کی کہ ہلاک ہو جائے وہ شخص جو رمضان شریف میں مغفرت سے محروم رہے، میں نے کہا آمین۔ دوسری پر قدم رکھا تو جبریل نے کہا کہ ہلاک ہو جائے وہ شخص جو آپ کا ذکر سنے اور آپ پر دُرود نہ بھیجے، میں نے کہا آمین۔ تیسری سیڑھی پر قدم رکھا تو جبریل نے کہا کہ ہلاک ہو وہ شخص کہ جس کے ماں باپ دونوں یا ایک کو بڑھاپا آئے، مگر وہ جنت میں داخل نہ ہو سکے، میں نے کہا آمین۔

فائدہ: اس حدیث میں ہے کہ جبریل علیہ الصلوٰۃ السلام سب سے عالی مقام دربار میں آکر اللہ کے حضور دعا کرتے ہیں اور اس دعا پر سب سے مقدم ہستی اپنے ہونٹوں سے آمین کہہ کر اس دعا کی مستجابیت پر مہر ثبت کردیتی ہے۔ ایک شخص وہ ہے جس کے سامنے نبی کریم کا اسم گرامی لیا جائے تو وہ آپ پر ادب سے درود نہ بھیجے، تو گویا اس نے خود کو اوندھے کنوئیں میں ڈال دیا۔ خود اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارا۔ دنیا میں سب سے زیادہ مقدم ہستی اللہ کو نبی کریم ﷺ کی ہستی ہے۔ لہٰذا اگر کوئی اس مقدم ہستی پر درود نہ پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہوگا۔ پھر ایسے شخص کو رحمت کی امید نہ رکھنا چاہیے۔ بعض علمائے کرام نے آپ کے نامِ اقدس پر درود شریف پڑھنا واجب قرار دیا ہے، خواہ نام نامی ہزار مرتبہ ہی کیوں نہ لیا جائے۔ ایک حدیث میں ایسے شخص کو بخیل اور شقی القلب کہا گیا ہے۔ نیز ایک حدیث میں ہے کہ ایسا بخیل اور شقی القلب انسان حضور کی زیارت سے محروم رہتا ہے۔

جبریل علیہ الصلوٰۃ السلام نے ایسے شخص کے حق میں بھی بددعا کی ہے کہ جس کی زندگی میں اس کے والدین ضعیف ہو جائیں اور ان کی خدمت نہ کرے تو ایسے شخص پر خداوندی عتاب لازم ہو جاتا ہے۔ کثیر احادیث میں ہے کہ جو شخص بڑھاپے میں اپنے والدین کی خدمت نہ کرے گا، ان کی نافرمانی کرے گا تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔ ایک حدیث میں اس طرح وارد ہے کہ ایک مرتبہ دربار رسالت میں ایک صحابی نے عرض کیا: یا رسول اللہ! (ﷺ) والدین کا مجھ پہ کیا حق ہے؟ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تو ان کی

خدمت کرے گا، اس کا کہنا مانے گا، ان کی فرمانبرداری کرے گا تو وہ تیرے لیے جنت یعنی اس کے بدلے میں تجھے جنت ملے گی اور اگر تو نے ان کی فرمانبرداری نہ کی تو وہ تیرے لیے جہنم یعنی اس کا بدلہ تجھے جہنم کی صورت میں ملے گا۔ ان کی ناراضگی تیرے لیے باعث جہنم اور رضامندی تیرے لیے باعث جنت ہے۔ ایک حدیث ہے کہ فرمانبردار بیٹا جب محبت کی نگاہ سے والدین کی طرف دیکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے ایک مقبول حج کا ثواب دیتا ہے اور اس عطا میں ہرگز کمی نہیں کرتا۔ گویا والدین کے چہرے پر محبت بھری نگاہ ڈالنا بھی افضل ترین عبادت ہے۔

ایک مرتبہ ایک صحابی نے عرض کیا: یارسول اللہ! (ﷺ) میں جہاد میں شرکت کرنا چاہتا ہوں۔ نبی کریم ﷺ نے پوچھا: کیا تیری والدہ باحیات ہے؟ جواب دیا: جی ہاں، ارشاد ہوا۔ جہاد میں جانے کی ضرورت نہیں۔ اپنی والدہ کی خدمت کر کہ والدہ کے قدموں تلے جنت ہے۔ یعنی والدہ کی خدمت کرنے سے ہی جنت ملتی ہے۔

جبریل علیہ الصلوٰۃ السلام نے ایسے شخص کے متعلق بھی بددعا کی ہے جو رمضان شریف جیسے متبرک مہینے میں خوابِ غفلت میں رہے اور معاصی میں وقت گزار دے۔ اللہ کی عبادت نہ کرے۔ حالانکہ رمضان شریف کا مہینہ اپنے اندر رحمت خداوندی کی سعادتیں سمائے ہوئے ہے اور اللہ تعالیٰ کے جودوکرم کی بارش عام ہوتی ہے۔ ایسے میں بھی کوئی شخص رحمت سے محروم رہ جائے تو اس کی بدقسمتی کے سوا اور کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو رمضان شریف کے روزے رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ماہِ صیام کا احترام

مقدس، معطر، مکرم، مطہر، محترم مہینے کا احترام سب پر لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم مسلمانوں کو دین میں بڑی سہولتیں عطا فرمائی ہیں۔ اس نے ہم پر روزہ فرض کیا ہے، مگر ساتھ ہی یہ سہولت بھی عطا فرمائی کہ حیض اور نفاس والی خواتین روزہ چھوڑنے کی مجاز ہیں۔ بچے بھی روزے کی فرضیت سے مستثنیٰ ہے۔ بیمار، کمزور اور مسافر بھی روزہ چھوڑنے کی اجازت رکھتے

ہیں، لیکن دوسرے عاقل، بالغ، صحت مند لوگوں کو روزے ضرور رکھنا چاہیے اور اگر اپنی کوتاہی کی بدولت یا دیگر کسی امر کی وجہ سے روزے نہ رکھیں تو ہمیں چاہیے کہ کم از کم رمضان شریف کا احترام ضرور کریں۔ روزہ داروں کو مذاق کا نشانہ نہ بنائیں کہ روزہ رکھنے سے میاں کانگڑی پہلوان بنتے جا رہے ہیں۔ ہمیں معاشرے میں تجارت جیسے مقدس و عظیم پیشے کے متعلق چاہیے کہ بے روزہ داروں کے کھانے کی اشیا سرعام فروخت نہ کریں۔ نہ ہی خود سرعام کھائیں، پئیں۔ نہ ہی لوگوں کے سامنے سگریٹ پئیں اور حقہ نوشی کریں۔

درمختار میں ہے کہ جو شخص رمضان المبارک میں سرعام کھائے، اسے قتل کر دیا جائے ایسا تبھی ممکن ہے کہ اس ملک میں اسلامی حکومت قائم ہو، ورنہ اس کمین اور نازیبا حرکت ناپسندیدگی کا اظہار کیا جائے۔

حکایت: نزہۃ المجالس، صفحہ 136 پر رمضان شریف کے احترام کے متعلق ایک حکایت درج ہے کہ بخارہ کے شہر میں ایک مجوسی رہا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ رمضان شریف میں مجوسی اپنے بیٹے کے ساتھ مسلمانوں کے بازار سے گزر رہا تھا۔ اس کا بیٹا کھا رہا تھا۔ مجوسی نے یہ دیکھ کر اپنے بیٹے کے رخسار پر طمانچہ مارا اور ناراضگی سے کہا تم کو رمضان شریف کے مہینے میں مسلمانوں کے بازار میں کھاتے ہوئے شرم آنا چاہیے۔ لڑکے نے جواب دیا: ابوجان! آپ بھی تو رمضان شریف میں کھاتے ہیں۔ والد نے جواب دیا کہ ٹھیک ہے، میں کھاتا ہوں، مگر اپنے گھر میں کھاتا ہوں۔ لوگوں کے سامنے نہیں کھاتا اور اس ماہ کی حرمت کی تذلیل نہیں کرتا۔

جب وہ شخص وفات پا گیا تو کسی برگزیدہ ہستی نے عالمِ خواب میں اس کو جنت میں محوِ خرام دیکھا۔ حیرانی سے پوچھا کہ تُو مجوسی تھا، جنت میں کیسے آ گیا؟ کہنے لگا: واقعی میں مجوسی تھا، لیکن جب وقتِ مرگ قریب آیا تو اللہ تعالیٰ نے احترام رمضان کی برکت سے مجھے ایمان کی دولت سے سرفراز فرمایا اور اب جنت مجھے احترام رمضان ہی کی بدولت ملی ہے۔

سبحان اللہ! رمضان شریف کے احترام کی بدولت اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو ایمان کی دولت سے سرفراز فرما کر جنت نواز دی۔

رمضان پاک کی احترام کی برکت

رمضان شریف کا اجر سوائے اللہ کے کسی کو معلوم نہیں۔ جن لوگوں نے آج رمضان شریف کا احترام کیا، کل قیامت کے دن رمضان شریف ان کا احترام اس طرح کرے گا کہ ان کا ہاتھ پکڑ کر اللہ تعالیٰ سے عزت ووقار کا تاج پہنانے کی درخواست کرے گا۔

رُوِیَ اَنَّ رَمَضَانَ یَأْتِیْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فِیْ صُوْرَةٍ حَسَنَةٍ فَیَسْجُدُ بَیْنَ یَدَیِ اللّٰہِ فَیُقَالُ لَہٗ خُذْ بِیَدِ مَنْ عَرَفَ حَقَّكَ فَیَأْخُذُ بِیَدِ مَنْ عَرَفَ حَقَّہٗ وَیَقِفُ بَیْنَ یَدَیِ اللّٰہِ تَعَالٰی فَیُقَالُ لَہٗ مَا تُرِیْدُ فَیَقُوْلُ یَارَبِّ تَتَوَجَّہٗ بِتَاجِ الْوَقَارِ فَیُتَتَوَّجُ۔ (نزہۃ المجالس، جلد اوّل، صفحہ:137)

روایت ہے کہ قیامت کے روز رمضان شریف حسین صورت میں تشریف لائے گا۔ اللہ کو سجدہ کرے گا۔ اس سے کہا جائے گا کہ جس نے تیرا احترام کیا، اس کا ہاتھ پکڑ لو بس وہ اس کا ہاتھ پکڑ لے گا، جس نے اس کی قدر کی ہوگی۔ بس پوچھا جائے گا کہ کیا طلب کرتا ہے؟ عرض کرے گا پروردگار! اس کو عزت اور توقیر کا ہار پہنا۔ پس ہار پہنا دیا جائے گا۔

□□□

سترہواں وعظ

رمضان کے روزہ کی فرضیت اور اس کی حکمت

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ
اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ○ اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِیْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ ط وَعَلَى الَّذِیْنَ یُطِیْقُوْنَهٗ فِدْیَةٌ طَعَامُ مِسْكِیْنٍ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَیْرًا فَهُوَ خَیْرٌ لَّهٗ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○
(سورۂ بقرہ)

ترجمہ: اے ایمان والے لوگو! تم پر روزے فرض کیے گئے جیسا کہ تم سے قبل کی اُمتوں پر فرض کیے گئے تھے، تا کہ تم متقی بن جاؤ۔ یہ گنتی کے دن ہیں اور جو کوئی بیمار ہو یا سفر میں ہو تو اتنے روزے بعد کے دنوں میں رکھ لے۔ اگر اس کی طاقت نہ ہو تو وہ ایک مسکین کا کھانا بدلے میں دے۔ پھر جو اپنی طرف سے زیادہ نیکی کرے، اس کے لیے بہتری ہے۔ اگر تم جانو کہ روزہ رکھنا تمہارے لیے بہتر ہے۔

روزے کی فرضیّت

اللہ کی وحدانیت کا اقرار کرنے کے بعد ہر مسلمان پر نماز فرض قرار دی گئی ہے۔ اسی طرح رمضان شریف کے روزے ہر مسلمان عاقل و بالغ پر فرض ہیں۔ تفسیر خازن میں نماز اور روزوں کی فرضیت میں صرف یہ فرق ہے کہ نماز شب معراج کو فرض ہوئی اور مکہ معظمہ میں نازل ہوئی جب کہ روزے 10 رشوال سنہ 2 ہجری کو فرض ہوئے۔

اس آیت میں روزوں کی فرضیت کے متعلق ارشاد فرمایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرضیت کو پیارے اور از حد دل نشین انداز میں بیان فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے سب سے بڑا روزہ اُمت محمدیہ کو ایمان کا وصف عطا فرمایا اور جب روزوں کی فرضیت کا حکم ارشاد فرمایا تو کہا: اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ نے امتِ محمدیہ کو ایمان کی صفت سے یاد فرمایا۔ اگر کوئی یہودی، نصرانی، ہندو، سکھ یا اور کوئی مذہب روزے رکھے گا تو اس کو سوائے بھوک اور پیاس کے کچھ حاصل نہ ہوگا، کیونکہ ان کا اللہ کی وحدانیت پر یقین نہیں۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا یقین نہیں رکھتے۔ اس لیے ان کو روزہ رکھنے سے کوئی فائدہ حاصل نہیں، البتہ مومن روزے رکھے گا۔ اس پر اللہ کی خاص عنایات ہوں گی۔ نیز اللہ نے فرمایا: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا، یعنی دل سے اور زبان سے اللہ کی توحید کا اقرار کرنے کے بعد ایمان کا یہ تقاضا ہے کہ روزے رکھے جائیں۔ دوسرے لفظوں میں روزہ کو ایمان کی ایک نشانی قرار دیا گیا ہے۔

اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے: كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ ۝ اسلام میں عبادات دو طرح کی ہیں: مالی اور جسمانی۔ مالی عبادات میں زکوٰۃ سب سے اہم ہے۔ جب کہ جسمانی عبادات میں نماز اور روزے کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ روزہ رکھنا بڑی کٹھن بات معلوم ہوتی ہے۔ صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک بھوکا پیاسا رہنا اور نفسانی خواہش کو زیر کرنا بڑا مشکل کام ہے۔ اس واسطے اللہ تعالیٰ نے روزہ داروں کی تسلی وتشفی کے لیے فرمایا: كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ یہ تم سے قبل کی اُمتوں پر بھی فرض کیے گئے تھے۔ یعنی یہ عبادت صرف ہم مسلمانوں پر فرض قرار نہیں دی گئی بلکہ کوئی بھی اُمت اِس عبادت کی ادائیگی سے محروم نہیں تھی۔ کائنات کے باپ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ السلام پر اللہ تعالیٰ نے ہر ماہ کی ۱۳ویں، ۱۴ویں، ۱۵ویں تاریخ کو روزہ رکھنے کی تاکید فرمائی تھی۔ ان ایام کو ایام بیض کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہی روزے اُمتِ محمدیہ کے لیے نوافل قرار دیے۔ ان کو نفلی روزہ کہتے ہیں۔ اسی طرح موسیٰ علیہ الصلوٰۃ السلام کی امت پر یوم عاشورہ اور ہر مہینہ کا روزہ فرض تھا۔ حضرت موسیٰ روح اللہ کی امت پر ماہِ رمضان میں روزے فرض تھے۔ موسم

بدلنا قدرت کا ایک عجیب کھیل ہے۔ کبھی سردی کبھی گرمی، کبھی بہار اور کبھی خزاں۔ اسی طرح رمضان شریف کبھی سردیوں میں آتا اور کبھی گرمیوں میں۔ جب سردیوں میں رمضان شریف آتا تو حضرت عیسیٰ کی اُمت روزے رکھ لیتی۔ مگر گرمیوں میں آتا تو کہتے کہ ایسی گرمیوں میں کون روزے رکھے۔ سردیوں کے روزے ہی ٹھیک ہیں۔ چلو سردیوں میں ۳۰ دن کی بجائے پچاس روزے رکھ لیں گے۔ یعنی ۲۰ روزے زائد رکھ لیں گے۔ اس طرح کسر نکل جائے گی۔ (تفسیر عزیزی، جلد اوّل، صفحہ:639)

اسی صفحے پر آگے چل کر حضرت علی کا یہ ارشاد مرقوم ہے کہ روزہ اصلی اور سب سے قدیم عبادت ہے۔ تمام امتوں پر اس کی فرضیت رہی۔ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ السلام سے لے کر آج تک روزہ کسی نہ کسی شکل میں فرض رہا، اس لیے یہ مت سوچو کہ یہ تکلیف دہ عبادت صرف مسلمانوں کے لیے ہی ہے۔

روزہ ایک عظیم عبادت ہے۔ یہ تمام امتوں پر فرض رہی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی یہ نعمت سب امتوں کو عنایت فرمائی تاکہ ہر امت خداوند عظیم کے فضل وکرم سے محروم نہ رہے تو پھر یہ کیونکر ممکن ہوسکتا تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنی ایک نعمت تو سب امتوں پر عنایت کرتا اور اپنے پیارے محبوب باعثِ تخلیق دوعالم حضرت محمد ﷺ کی امت کو اس نعمت سے محروم رکھتا، اس لیے اپنی رحمت سے امت محمدیہ کو مستفید فرمانے کے لیے روزے فرض کیے گئے۔

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ شاعر نے کہا ہے کہ:

یہ نیرنگیاں لا اُبالی نہیں — کوئی پردہ نغمے سے خالی نہیں

خداوند عظیم نے کائنات کی کوئی شے بھی فضول اور بے فائدہ نہیں بنائی، بلکہ ہر شے میں کوئی نہ کوئی فائدہ پوشیدہ ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ سب فائدہ خداوند عظیم کا ذاتی فائدہ نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ تو بے نیاز ہے۔ اس کو کسی فائدے کی ضرورت نہیں۔ یہ سب نیرنگیاں تو اللہ نے بنی نوع انسان کی بھلائی کے لیے بنائی ہیں۔ چونکہ روزے اللہ تعالیٰ نے خاص امت محمدیہ پر نازل فرمائے ہیں، اس لیے روزوں کا فائدہ بھی اُمتوں کے لیے ہے اور وہ فائدہ یہ ہے کہ: لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ. تاکہ تم متقی بن جاؤ۔

متقی سے مراد پرہیز گار بن جاؤ، ہے۔ پرہیز گار سے مراد یہ ہے کہ ہر برے کام سے اجتناب برتنا اور ہر نیک کام میں اللہ کی رضا و رغبت کا خیال رکھنا اور جب انسان ہر کام میں اللہ کی رضا و رغبت کا خیال رکھنا شروع کرتا ہے تو پھر اس کی دنیا کے امور سے دلچسپی ختم ہو جاتی ہے اور وہ اللہ کا بن جاتا ہے اور جب کوئی اللہ کا بن جائے تو پھر اللہ اس کا بن جاتا ہے اور جب اللہ کسی کا بن جائے تو انسان کی نجات لازمی ہو جاتی ہے اور دنیا جہاں کی تمام نعمتیں یعنی سرمدی اور ابدی نعمتیں حاصل ہوں گی۔ ایسی ایسی نعمتیں جن کا ذکر کبھی نہ سنا ہو اور جن کو آنکھ نے کبھی نہ دیکھا ہو گا۔ حتی کہ ان کا خیال بھی دل میں گزرا ہو گا۔

روزے کی حالت میں بھوکا پیاسا رہنا پڑتا ہے اور بھوکا پیاسا رہنے سے بدن میں کمزوری آجاتی ہے، جس کی وجہ سے سب اعضا ست ہو جاتے ہیں۔ بھوک اور پیاس کی حالت میں، نہ ہی آنکھ میں کسی فضول شے کی طرف دیکھنے کی رغبت باقی رہی ہے، نہ ہی زبان کو ناجائز کہنے کی سکت اور نہ ہی کان فضول باتیں سننے کی طاقت رکھتے ہیں اور نہ پاؤں سے کسی ناجائز فعل کرانے کی خواہش دل میں پیدا ہوتی ہے۔ ہر برا اور ناجائز فعل کرنے سے قبل یہ احساس ہوتا ہے کہ میرا روزہ ہے۔ لہٰذا مجھے اس برے کام سے باز رہنا چاہیے۔ مسلسل ایک ماہ کی مشق سے انسان ان باتوں کا عادی ہو جاتا ہے، جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انسان کا نفسِ امارہ مردہ ہو جاتا ہے اور انسان کا قلب ہر قسم کے میل سے پاک اور صاف ہو جاتا ہے اور گناہوں سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ گناہوں سے اسی نفرت کا نام تقویٰ اور پرہیز گاری ہے۔ اسی کو روزوں کی حکمت کہا جاتا ہے۔ یہی روزوں کا فلسفہ ہے اور یہی روزوں کی افادیت ہے، جس کو قرآن مجید میں لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ کے پیارے الفاظ سے موسوم فرمایا گیا ہے۔

روزہ دار روزوں سے ضبطِ نفس کا بہترین درس حاصل کرتا ہے۔ بھوک انسان سے کھانے کا تقاضا کرتی ہے۔ حلق سوکھنے پر پانی کا تقاضا کرتا ہے، مگر انسان کو روزے کا احساس ہوتا ہے، اس لیے وہ اپنی ہر خواہش کو زیر کر لیتا ہے۔ اسی کا نام تقویٰ اور پرہیز گاری رکھا گیا ہے۔ دوسرے لفظوں میں خواہشاتِ نفسانی پر قابو پا کر انسان خود پر مکمل کنٹرول کرنا سیکھ جاتا ہے اور مکمل طور پر حاکم بن جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی مخلوق اتنی ہیں کہ عقلِ انسانی شاید قیامت تک ان کا احاطہ نہ کر سکے۔ ان ہی مخلوقات میں فرشتے بھی ایک مخلوق ہیں جو بعض صفات میں انسان سے ماورائی مخلوق ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے ان کو کھانے پینے کی خواہشات سے آزاد فرمایا ہے۔ نیز ان کو خواہشِ جماع بھی نہیں ہے۔ اسی طرح رمضان شریف میں انسان کھانے پینے سے اجتناب برتتا ہے اور جماع سے بھی گریز کرتا ہے۔ گویا روزہ انسان کو اوصافِ ملائکہ سے متصف کر کے سرفرازی سے ہمکنار کرتا ہے۔

تقویٰ اور پرہیز گاری کے علاوہ روزوں کا عام زندگی میں بھی بڑا فائدہ ہے۔ روزہ انسان کو مساوات کا درس دیتا ہے۔ روزے کی حالت میں بھوکا پیاسا رہنے سے بھوک اور پیاس کا احساس جاگ اُٹھتا ہے اور دوسروں کی بھوک اور پیاس کا احساس ہوتا ہے۔ روزہ امیروں کو مشقت میں ڈال کر ان کو یہ احساس دلاتا ہے کہ تم صرف ایک ماہ بھوک اور پیاس کی سختی برداشت کرتے ہو اور یہی تم پر مشکل بن جاتی ہے۔ ذرا خیال کرو ان غریب لوگوں کا اور ان کے بال بچوں کا جو سارا سال پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھا سکتے، ان پر رحم کرنا تمہارا اخلاقی فرض ہے۔ ایسا کرنا ہی تمہارے لیے باعثِ نجات ہے۔ بصورتِ دیگر تم مومن کہلانے کے حقدار نہیں۔

ابن عباس سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَيْسَ الْمُؤْمِنُ الَّذِيْ يَشْبَعُ وَجَارُهٗ جَائِعٌ اِلٰى جَنْبِهٖ۔

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان، مشکوٰۃ، صفحہ:424)

میں نے رسولِ اکرم ﷺ سے سنا کہ وہ مومن نہیں، جو خود تو پیٹ بھر کر کھانا کھائے اور اس کا ہمسایہ بھوکا رہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ روزہ ہمیں مساواتِ نسلِ انسان کی تربیت دیتا ہے۔ روزوں کے فوائد بے شمار ہیں۔ سب سے بڑا فائدہ انسان کی ذاتی زندگی پر اثر انداز ہوتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ روزے کی حالت میں صبح سے لے کر غروب آفتاب تک بھوکا پیاسا رہنے سے جسم کے بہت سے فاسد مادّے گل سڑ جاتے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ روزہ رکھنے سے جسم کا وہ زائد گوشت گل سڑ جاتا ہے جو خوراک کی زیادتی کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ شکمی امراض زیادہ

کھانے کی بدولت لاحق ہوتے ہیں، اسی لیے حدیث شریف میں زیادہ کھانے سے منع فرمایا گیا ہے اور کم کھانا باعثِ محمود فرمایا گیا ہے۔ سرکار دوعالم ﷺ نے اُم المومنین عائشہ صدیقہ سے ارشاد فرمایا:

دَاوِمِیْ قَرْعَ بَابَ الْجَنَّةِ قَالَتْ بِمَاذَا قَالَ ﷺ بِالْجُوْعِ۔

(احیاء العلوم امام غزالی، جلد اوّل، صفحہ:238)

اے عائشہ! ہمیشہ جنت کے دروازے پر دستک دیتی رہا کرو۔ عرض کی کس چیز سے؟ فرمایا! بھوک سے۔ روزے کی حالت میں انسان کا عقیدہ اپنے رب کے متعلق پائیدار ہوتا ہے کہ رب ہر جگہ موجود ہے۔ رب تعالیٰ سمیع وبصیر ہے۔ اسی عقیدے کی بنا پر روزہ دار بھوک اور پیاس کی شدت کے عالم میں بھی چوری چھپے کھانے سے بھی گریز کرتا ہے، کیونکہ اس پر یہ حقیقت اچھی طرح منکشف ہے کہ گرچہ یہ عمل سب سے مخفی اور پوشیدہ ہے، مگر میرا رب میرے دل کا سارا حال جانتا ہے، اس لیے مجھے اس بات سے باز رہنا چاہیے۔ دوسرے الفاظ میں روزہ اللہ تعالیٰ کی سماعت وبصارت کا ناقابلِ تردید ثبوت مہیا کرتا ہے۔

اَیَّامًا معدودات

روزہ سراپا فوائد ہے اور کسی دوسرے کے لیے نہیں بلکہ روزہ داروں ہی کے لیے فائدہ مند ہے۔ روزے سے نفسِ اتارہ کی کسور ہوتی ہے، مگر دل میں پھر بھی یہ خیال جنم لیتا ہے کہ گرچہ روزہ سراپا فوائد ہے، برکت اور خیر کا منبع ہے، مگر کامل ایک ماہ بھوک اور پیاس کی تکلیف برداشت کرنا بڑا دل گردے کا کام ہے۔ اس مایوس کن حقیقت سے واقف اللہ تعالیٰ اس مایوس کن اور گمراہ خیال کے اثر کو زائل کرنے کی خاطر امت مسلمہ کی دل جوئی کے لیے فرماتا ہے: اَیَّامًا مَّعْدُوْدَاتٍ۔ یعنی گنتی کے دن۔ اے ایماندارو! اپنے دلوں کو تھوڑا مت کرو۔ یہ تکلیف طویل مدت کے لیے نہیں ہے، بلکہ گنتی کے چند دن ہیں جو ایک ایک کرکے گنتے ہوئے جلد ہی ختم ہوجائیں گے۔

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا۔ اس وضاحت پر بھی دماغ میں وسوسہ پیدا ہوتا کہ مانا

کہ یہ تکلیف گنتی کے چند دنوں کے لیے ہے، مگر مسافر اور بیمار لوگ ایک دن کی بھی تکلیف کیسے گوارا کرسکیں گے۔ اس احساسِ مشکل کو رفع کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا أَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ۔

اے ایمان والو! تمہارا رب بڑا رحیم وکریم اور مہربان ہے۔ وہ تم کو تکلیف میں دیکھنا نہیں چاہتا، بلکہ جب تم سخت بیماری میں مبتلا ہوجاؤ، یا شرعی سفر میں ہو تو تمھیں روزہ چھوڑنے کی اجازت ہے، جن کی قضا تم عالم صحت میں ادا کرسکتے ہو۔

وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ۔ اتنی ساری رعایتوں پر بھی دل میں خیال پیدا ہوتا ہے۔ نفس امارہ یہ نکتہ پیدا کرتا ہے کہ چلو مان لیا کہ یہ گنتی میں چند دن ہیں۔ یہ بھی مان لیا کہ بیمار اور مسافر روزہ عالم صحت تک چھوڑنے کے مجاز ہیں، مگر کمزور، لاغر اور بوڑھے افراد سے روزہ کی تکلیف کیونکر برداشت ہوسکے گی۔ اسی وسوسہ کو رد کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ۔

یعنی جو لوگ لاغر، کمزور اور ضعیف العمر ہیں کہ وہ آئندہ زندگی میں بھی تکلیف برداشت نہ کرسکیں گے تو ایسے لوگ صبح وشام مسکین کو پیٹ بھر کھانا کھلادیں یا ہر روزے کے عوض نصف صاع کسی مسکین کو دے دیں۔ ان کو روزہ کا مکمل ثواب ملے گا۔ پھر ارشاد فرماتا ہے:

فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ۔ اگر کوئی زیادہ ثواب حاصل کرنا چاہے تو وہ ایک مسکین کی بجائے دو مسکینوں کو کھانا کھلائے اور نصف کی بجائے پورا دے دے کیونکہ جتنا زیادہ احسان کرے گا، اتنا ہی زیادہ اجر دیا جائے گا۔ پھر ارشاد فرمایا: وَأَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔

اگر تم روزہ رکھو گے تو تمہارے لیے ہی فائدہ مند ہے، کیونکہ روزہ کی فضیلت بہت ہے۔ گرچہ تم سفر میں ہو یا بیمار ہو، کمزور اور لاغر تب بھی روزہ رکھ لو، تو تمہارے لیے ہی بہتر ہے، کیونکہ سفر میں دوسروں کے ساتھ تم روزہ رکھ سکو گے۔ جب کہ اکیلے تمھیں مشکل آئے گی۔

اللہ ہم سب کو روزہ کامل رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

□□□

اٹھارہواں وعظ

روزہ کی فضیلت

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَھُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ۔ (سورۂ زمر)

ترجمہ: صابروں کو ہی ان کا ثواب بھرپور دیا جائے گا بے گنتی۔

مزدور مزدوری اس لیے کرتا ہے کہ مزدوری کا اس کو معاوضہ ملتا ہے۔ اگر مزدوری معقول ہوگی تو فطری اور قدرتی طور پر مزدور اپنے کام کو برضا و رغبت کرے گا اور اگر مزدوری نامعقول ہوگی تو قدرتی طور پر اس کا اثر یہ ہوگا کہ مزدور اپنے کام کو ختم کرنے کے لیے زیادہ دل چسپی نہیں لے گا۔ کوئی بھی مالک کسی بھی کارکن کی مزدوری میں اضافہ اس لیے کرتا ہے کہ ورکر اپنے کام کو دل جمعی، دل چسپی اور رضا و رغبت سے اور احسن طریقے سے انجام دے۔

اسی طرح اسلام نے اگر کسی عبادت کو انسان پر لازم، ضروری اور واجب یا فرض قرار دیا ہے تو اس عبادت اور عمل کے کرنے کا اجر اور ثواب بھی بتایا، تاکہ لوگ اس عمل یا عبادت کے کرنے میں سستی یا کاہلی اور غفلت سے کام نہ لیں، بلکہ جوش، جذبہ اور تندہی سے اس عمل یا عبادت کو سرانجام دیں۔

اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ نے عبادت الصوم ہم مسلمانوں پر فرض فرمائی اور ساتھ ہی اللہ نے قرآن مجید میں اور محمد رسول اللہ ﷺ نے احادیث مبارکہ میں اس عبادت کے ثواب اور اجر پر بھی تفصیل سے روشنی ڈالی تاکہ لوگ اس کو فقط ایک تکلیف دہ عبادت سمجھ کر نہ چھوڑ دیں بلکہ اس تکلیف دہ عبادت کے پرتکلف اور پرتعیش انجام کو دیکھتے ہوئے اس عبادت کو بہ طریق احسن انجام دیں۔ قرآن مجید میں جا بجا اس کے متعلق ارشاد فرمایا گیا ہے۔ چند ایک آیات نذر قارئین ہیں:

پہلی آیت: اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَھُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ۔ (سورۂ زمر)

صابروں کو ہی ان کا بھرپور بے حساب اجر دیا جائے گا۔

فائدہ: صبر کے معانی یہ ہیں کہ اگر کسی برے وقت میں انسان کو تکالیف کا سامنا کرنا پڑے تو ہنستے مسکراتے ہوئے ان تکالیف کو برداشت کرے اور کاتب تقدیر کی رضا پر راضی رہے، جیسا کہ حضرت ایوب علیہ الصلوٰۃ السلام پر مصائب آئے۔ انھوں نے سب برداشت کیے اور اللہ کی رضا پر شاکر رہے۔ حتی کہ ان کے سارے بدن میں کیڑے پڑ گئے، مگر آپ ذرا بھی شاکی نہ ہوئے۔ فقط اتنا عرض کیا: اے باری تعالیٰ! میرے سارے بدن میں کیڑے پڑ جائیں گے مگر میری زبان محفوظ رہے تاکہ اس سے تیری حمد و ثنا بیان کرتا رہوں۔ اللہ اللہ! کیا شان ہے کہ سارے بدن میں کیڑے پڑ گئے اور پھر بھی شکایت نہیں ہے۔

صبر کی ایک مثالِ بے مثال ہمارے پیارے رسول حضرت محمد ﷺ نے طائف کے میدان میں قائم کی کہ جب آپ نے اہلِ طائف کو اسلام کی دعوت دی تو انھوں نے آپ کا مذاق اُڑایا اور آپ پر اتنے پتھر برسائے کہ آپ کا سارا جسم اطہر لہولہان ہو گیا۔ اسی حالت میں فرشتہ جبریل حاضر ہوا اور عرض کی: یارسول اللہ! (ﷺ) اگر حکم ہو تو اس بستی پر ایسا پہاڑ ماروں کہ ساری بستی کو تباہ کردوں، مگر قربان جایئے شانِ رسالت پر، فرمایا: نہیں۔ میں سارے جہانوں کے لیے رحمت بنا کر مبعوث کیا گیا ہوں، زحمت بنا کر نہیں۔ آپ نے ایسے عالم میں ہاتھ اُٹھا کر رحمت خداوندی کے حضور عرض کی کہ یا اللہ! ان کو ہدایت نصیب فرما۔ یہ تیرے پیغمبر کی شان سے واقف نہیں ہیں۔ اس وقت ہمارا موضوعِ سخن حضور ﷺ کی صابریت نہیں ہے، ورنہ ان کی ساری زندگی اوّل تا آخر ایسے ہی بے شمار واقعات سے مزین ہے۔

ہاں تو قارئین کرام، عرض کیا جا رہا تھا: اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَھُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ۔ صابروں ہی کو ان کا بھرپور بے شمار اجر دیا جائے گا۔

ظاہری طور پر روزہ بھی ایک تکلیف دہ امر محسوس ہوتا ہے، کیونکہ عالم روزہ میں صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک بھوکا پیاسا رہنے کی تکلیف برداشت کرنا ہوتی ہے، جس کو روزہ دار اللہ کی رضا کے لیے اپنے نفس پر برداشت کرتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

اِسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ۔ صبر اور نماز کے ساتھ مدد کا حصول کرو۔...

اس مقام پر مفسرین کرام نے صبر کا معنی روزہ بیان کیے ہیں۔

امام غزالی کے نزدیک صبر کے معانی روزہ کے ہیں اور صابرین سے مراد روزہ دار ہیں۔ یعنی امام غزالی کی اس تشریح کے مطابق آیت کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ روزہ داروں کو ان کے روزوں کا ان گنت ثواب دے گا۔ دیگر عبادات کا ثواب دس گنا سے لے کر سات سو گنا ہوسکتا ہے، مگر روزہ کا جو ثواب اور اجر ہو گا وہ کسی حساب کتاب میں نہیں آسکے گا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ روزہ ایک ایسی عظیم عبادت ہے جس کے ثواب کا تخمینہ نہیں لگایا جاسکتا۔

(احیاء العلوم، جلد اوّل، صفحہ: 338)

دوسری آیت: فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔ (سورۂ سجدہ)

کسی نفس کو آنکھ کی اس چھپی ہوئی ٹھنڈک کا علم نہیں جو ان کے کاموں کا صلہ ہے۔

فائدہ: دنیا دارالعمل ہے۔ اس کو آخرت کی کھیتی کہا گیا ہے، یعنی جو کچھ اعمال یہاں کیے جائیں گے ان کا صلہ ہمیں قیامت کے روز اللہ تعالیٰ دے گا اور اگر اعمال نیک ہوں گے تو ان نیک اعمال کا صلہ اللہ تعالیٰ ایسی نعمتوں سے دے گا، جن کا نظارہ کرتے ہی آنکھوں میں ٹھنڈک پڑ جائے گی۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان اعمال سے مراد روزے ہیں۔ (احیاء العلوم، صفحہ: 338)

یعنی روزوں کا صلہ ایسی نعمتیں ہوں گی جو آنکھوں سے کبھی نہ دیکھی ہوں گی۔ ایسی نعمتیں جن کے تذکرے کبھی کانوں میں نہ آئے ہوں گے، جن کا دل نے کبھی تصور بھی نہیں کیا ہوگا۔ ان کا نظارہ کرنے سے آنکھ میں ٹھنڈک پڑ جائے گی۔ **الحمدللہ رب العالمین۔**

تیسری آیت: كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـئًۢا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ۔ (سورۂ حاقہ)

کھاؤ اور نوش کرو۔ یہ صلہ ہے اس کا جو تم نے گزرے دنوں میں آگے بھیجا ہے۔

فائدہ: اس آیت میں گزرے دنوں سے مراد دارالعمل یعنی دنیا ہے اور اس دنیا میں کیے گئے اعمالِ نیک کا صلہ یہ ہے کہ کھانے کے لیے خوش ذائقہ میوہ جات ہوں گے اور پیاس

میں پینے کے لیے شراباً طہورا یعنی پاکیزہ شراب کے بلوریں جام ہوں گے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اور عبدالرحمٰن صفوری رحمۃ اللہ علیہ حضرت وکیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں: ایام الخالیہ سے مراد ایام صیام ہیں۔ (احیاء العلوم، جلد اوّل، صفحہ: 134)

دوسرے الفاظ میں اس آیت مبارکہ کا مطلب یہ ٹھہرا کہ ایام الخالیہ میں یعنی روزوں کے دنوں میں جو شخص رضائے مولا اور حبیبِ خدا کے لیے اچھے اور نیک اعمال کرے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کے صلے میں میوہ ہائے بہشت کھانے کے لیے اور پینے کے لیے پاکیزہ اور خوشبودار شراب عنایت فرمائے گا۔ **الحمدللہ رب العالمین۔**

حکایت: نزہۃ المجالس، جلد اوّل، صفحہ: 135 پر ایک روایت مرقوم ہے کہ قیامت کے دن جب حضرت اسرافیل صُور پھونکیں گے تو روزے دار اپنی قبور سے نکلیں گے تو اللہ تعالیٰ جنت کے نگراں فرشتے رضوان کو حکم دے گا کہ روزے دار بھوکے اور پیاسے ہیں، ان کو ان کی خواہش کے مطابق جنت کے کھانوں سے ان کی تواضع کرو۔ اس وقت رضوان یہ ندا کرے گا: اَيُّهَا الْغِلْمَانُ وَالْوِلْدَانُ۔ اے خادمانِ بہشت! جنت کے طباقوں میں جنت کا کھانا سجا کر لاؤ۔ اس وقت خادمانِ بہشت میوہ جات اور خوش ذائقہ شراب لے کر روزہ دار مرد اور خواتین کا استقبال کریں گے اور کھانے پینے کی اشیا پیش کر کے کہیں گے:

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـئًۢا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ۔

ان روزوں کی برکت سے جو تم نے دنیا میں رکھے۔ اب یہ عمدہ کھانے اور لذیز شراب کھاؤ پیو۔

روزوں کی عظمت اور ان کے عظیم اجر کے متعلق قرآنِ حکیم میں ہی بیان نہیں بلکہ ہمارے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی روزوں کی عظمت اور ان کے عظیم اجر کے متعلق ارشاد فرمایا:

پہلی حدیث: عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ۔

(متفق علیہ، مشکوٰۃ، صفحہ: 173)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس

نے ایمان کی حالت میں اور ثواب سمجھ کر رمضان کے روزے رکھے تو اس کے پہلے کے سارے گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔

سبحان اللہ! رمضان شریف کے روزے رکھنے سے پہلے کے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ یہ معاملہ تو دنیا میں ہے۔ آخرت میں اللہ جانے کیا اجر ہوگا۔

دوسری حدیث: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ عَمَلِ ابْنِ اٰدَمَ یُضَاعِفُ الْحَسَنَةَ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا اِلٰی سَبْعِ مِأَةٍ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی اِلَّا الصَّوْمُ فَاِنَّهٗ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِهٖ یَدَعُ شَهْوَتَهٗ وَطَعَامَهٗ مِنْ اَجْلِیْ، لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ فَرْحَةٌ عِنْدَ فِطْرِهٖ وَفَرْحَةٌ عِنْدَ لِقَاءِ رَبِّهٖ وَلَخُلُوْفُ فَمِ الصَّائِمِ اَطْیَبُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ رِیْحِ الْمِسْكِ وَالصِّیَامُ جُنَّةٌ۔ (مشکوۃ، صفحہ:173)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ ابن آدم کے ہر کام میں اضافہ کیا جاتا ہے، دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، مگر روزہ (کہ اس کا ثواب بے شمار ہے) میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا صلہ دوں گا۔ روزہ دار اپنی خواہش اور کھانا میرے لیے چھوڑتا ہے۔ روزہ دار کے لیے دو خوشیاں ہیں: ایک خوشی افطار کے وقت اور دوسری خوشی اللہ کا دیدار کرنے کے وقت اور روزہ دار کے منہ کی بُو کستوری کی خوشبو سے زیادہ اللہ کے نزدیک پسند ہے اور روزے ڈھال ہیں۔

فائدہ: نیک اعمال کا صلہ اللہ تعالیٰ جتنا چاہے دے دیتا ہے، مگر عمل کرنے والے کی نیت بھی دیکھتا ہے۔ کسی کو دس گناہ کسی کو بیس گنا اور کسی کو سات سو گنا ثواب دیا جاتا ہے۔ عمل میں عامل کے خلوص کے اعتبار سے کمی بیشی ہوتی ہے، جس قدر خلوص زیادہ ہوگا، اجر اسی قدر زیادہ ہوگی اور اخلاص میں جس قدر کمی ہوگی، اتنا ہی ثواب کم ملے گا۔ مگر اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت ملاحظہ فرمائیے کہ روزہ کے بارے میں خلوص وغیرہ کا کوئی جھگڑا ہی نہیں، کیونکہ اس کا ثواب بے شمار ہے، کیونکہ روزہ فقط اور فقط اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی اس کا اجر دینے والا ہے۔ فَاِنَّهٗ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِهٖ. یعنی روزہ مرے لیے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا۔ اس ارشاد کی وجہ یہ ہے کہ دیگر عبادات میں دھوکہ یا فراڈ اور دکھاوا ہوسکتا ہے، مگر

روزہ میں نہیں۔ ہوسکتا ہے کہ کوئی شخص نماز اس لیے پڑھتا ہو کہ لوگ اسے نمازی کہیں اور اسے اچھا سمجھیں۔ زکوٰۃ اس لیے دیتا ہو کہ لوگوں میں اس کی رحم دلی کے چرچے ہوں، حج اس لیے کرتا ہو کہ شہرت ملے اور لوگ اسے الحاج کہہ کر پکاریں، مگر روزہ میں کوئی دکھاوا نہیں ہے، کیونکہ کسی فرد کو پتہ نہیں چلتا کہ فلاں شخص روزے سے ہے یا نہیں۔ یہاں پر ایک اور بات خاص طور پر قابلِ ذکر ہے کہ دیگر عبادات کا ثواب دوسرے لے جاسکتے ہیں، مگر روزہ صرف اللہ کے لیے ہے، اس کا حق کسی دوسرے کو نہیں دیا جائے گا۔

ابن عُیینہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے روز ایک روزہ دار اللہ کے دربار میں حساب کتاب کے لیے پیش ہوگا۔ وہ شخص لوگوں کے حقوق کا مقروض ہوگا۔ حقدار آئیں گے اور اس کی نیکیاں لیتے جائیں گے۔ کوئی اس کی نمازوں کا ثواب لے جائے گا اور کوئی اس کے حج کا ثواب لے جائے گا۔ یہاں تک کہ اس کے پاس صرف روزہ کا عمل باقی رہ جائے گا، مگر ابھی بھی حقوق العباد اس پر واجب ہوں گے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ یہ روزہ تو میرا ہے، اس کا ثواب کسی دوسرے کو نہ دیا جائے گا اور حقداروں کو اپنی طرف سے حق عطا فرمائے گا اور روزے دار کو روزہ کی بدولت جنت میں داخل فرمائے گا۔

یہ مطلب اس وقت ہوگا جب اَنَا اَجْزِیْ بِهٖ پڑھا جائے۔ اگر اَنَا اُجْزٰی بِهٖ پڑھا جائے تو مطلب ہوگا کہ روزہ کی جزا خود میں (اللہ) ہوں، یعنی نماز اور حج کا صلہ جنت ہے، مگر روزے کا صلہ صاحبِ جنت ہے، یعنی اور عبادت سے تو جنت ملے گی، مگر روزہ سے اللہ تعالیٰ ملے گا۔ الحمد للہ رب العالمین۔

لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ

لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ فَرْحَةٌ عِنْدَ فِطْرِهٖ وَفَرْحَةٌ عِنْدَ لِقَاءِ رَبِّهٖ۔

روزہ دار کے لیے دو خوشیاں ہیں: ایک افطار کے وقت اور دوسری اپنے رب کا دیدار کرنے کے وقت۔ افطار کے وقت کی خوشی ظاہر ہے کہ بھوک اور پیاس سے پیٹ اور حلق خشک ہوگئے تھے، پس کھانا کھانے سے بھوک ختم ہوگئی اور پانی پینے سے پیاس بجھ گئی۔ جسم میں

تازگی اور توانائی آ گئی۔ ایک نئی زندگی ملی اور خوشی حاصل ہوئی۔ دوسری خوشی یہ ہے کہ روزہ دار اپنے روزے کی بدولت جنت میں جگہ پالے گا، جہاں اسے تمام قسم کی نعمتیں حاصل ہوں گی اور ان نعمتوں سے اسے خوشی اور لطف ملے گا۔ پھر اسے اللہ کریم کا دیدار ہوگا، جس کی خوشی میں وہ جنت کی تمام خوشیوں کو فراموش کردے گا اور بھول جائے گا۔ فقط اللہ تعالیٰ کے دیدار کی ہی خوشی اسے یاد رہے گی۔

روزہ دار کے منہ کی بو

روزے کی حالت میں بھوکا اور پیاسا رہنے سے منہ میں ایک طرح کی بُو پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ بُو اللہ تعالیٰ کے نزدیک کستوری کی خوشبو سے زیادہ پسندیدہ اور پاکیزہ ہے۔ اس سے مندرجہ ذیل باتیں علم میں آتی ہیں:

1- اللہ تعالیٰ روزِ قیامت روزہ دار کے منہ کی بُو کا بدلہ اس خوشبو سے دے گا جو کستوری کی خوشبو سے بھی زیادہ خوشبودار ہوگی۔

2- جب قیامت کے روز روزہ دار قبور سے نکلیں گے تو ان کے منہ سے ایک ایسی خوشبو نکلے گی جو کستوری سے بہتر ہوگی۔

3- یہ خوشبو بابِ محبت سے بھی ہوسکتی ہے کہ عشق و محبت کی خوشبو ہزارہا کستوریوں کی خوشبو سے بہتر ہے۔ بلاشبہ روزہ دار کے ساتھ اللہ کی محبت ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ کو روزہ دار کے منہ کی بُو مشک اور کستوری کی خوشبو سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

روزہ ڈھال ہے

ارشادِ باری ہوتا ہے: اَلصِّیَامُ جُنَّۃٌ۔ روزہ ڈھال ہے۔

میدانِ کارزار میں سپاہی کے پاس دو اشیا لازمی طور پر ہوتی ہیں: ایک تلوار جو کہ سپاہی دائیں ہاتھ میں رکھتا ہے اور دوسری ڈھال جو کہ بائیں ہاتھ میں ہوتی ہے۔ ڈھال لوہے کی بنی ہوئی ایک حفاظتی خول ہوتی ہے، جس سے انسان اپنا بچاؤ کرتا ہے۔ اس طرح زندگی میں انسان کا ہمہ وقت شیطان سے پالا رہتا ہے۔ شیطان انسان کا سخت ترین دشمن ہے۔ پس اس

کے واروں سے بچنے کے لیے روزہ بہترین ڈھال ہے۔ روزہ سے ایک تو انسان شیطان کے شیطانی حملوں سے محفوظ رہے گا۔ دوسری طرف روزِ قیامت نارِ جہنم سے اپنا بچاؤ کرسکے گا۔

تیسری حدیث: اس حدیث کو بیہقی نے روایت کیا ہے:

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ الصِّیَامُ وَالْقُرْآنُ یَشْفَعَانِ لِلْعَبْدِ یَقُوْلُ الصِّیَامُ اَیْ رَبِّ اِنِّیْ مَنَعْتُہُ الطَّعَامَ وَالشَّھْوَاتِ بِالنَّھَارِ فَشَفِّعْنِیْ فِیْہِ وَیَقُوْلُ الْقُرْآنُ مَنَعْتُہُ النَّوْمَ بِاللَّیْلِ فَشَفِّعْنِیْ فِیْہِ فَیُشَفَّعَانِ۔

یہ حدیث مشکوٰۃ، صفحہ: 173 پر مرقوم ہے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ روزے اور قرآن بندے کی شفاعت کریں گے۔ روزے عرض کریں گے: اے پروردگار! میں نے اس بندے کو کھانے پینے اور خواہشاتِ نفسانی سے روکا ہے، پس اس کے حق میں میری شفاعت قبول فرما۔

قرآن عرض کرے گا: میں نے اس کو رات میں سونے سے روکا ہے، اس کے حق میں میری شفاعت قبول فرما۔ پس شفاعت قبول کی جائے گی۔

فائدہ: روزِ قیامت بڑا سخت دن ہوگا۔ ہر شخص کو اپنی فکر ہوگی۔ کوئی کسی کا دوست اور ساتھی نہ ہوگا۔ ہر کوئی ہر کسی کو چھوڑ جائے گا، ایسے نازک وقت میں بھی روزے اور قرآن انسان کی شفاعت کرکے جنت میں لے جائیں گے۔

چوتھی حدیث: عَنْ سَھْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ فِی الْجَنَّۃِ بَابًا یُقَالُ لَہُ الرَّیَّانُ یَدْخُلُ مِنْہُ الصَّائِمُوْنَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ لَا یَدْخُلُ مَعَھُمْ اَحَدٌ غَیْرُھُمْ یُقَالُ اَیْنَ الصَّائِمُوْنَ فَیَدْخُلُوْنَ مِنْہُ فَاِذَا اٰخِرُھُمْ اُغْلِقَ فَلَمْ یَدْخُلْ مِنْہُ اَحَدٌ۔ (رواہ مسلم)

سہل بن سعد راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جنت میں ایک دروازہ ہے، جس کو ریّان کہا جاتا ہے۔ قیامت کے روز اس دروازے سے روزے دار داخل ہوں گے۔ ان کے علاوہ کوئی بھی اس دروازے سے داخل نہ ہو سکے گا۔ کہا جائے گا: کہاں ہیں روزے

دار؟ پس وہ اس دروازے سے داخل ہوں گے۔ جب آخری روزہ دار داخل ہو جائے گا تو دروازہ بند ہو جائے گا اور کوئی بھی اس میں سے داخل نہ ہو سکے گا۔

فائدہ: جنت کے آٹھ دروازے ہیں، جن میں سے ایک کا نام ریان ہے۔ اس دروازے کی خوبی یہ ہے کہ یہ فقط روزہ داروں کے لیے مخصوص ہوگا اور جو کوئی اس دروازے سے گزرے گا، اس کی پیاس ہمیشہ کے لیے بجھ جائے گی یا اس کو ایسا شربت پلایا جائے گا، جس سے ان کی تشنگی بالکل ختم ہو جائے گی۔ (تفسیر عزیزی، صفحہ:643)

خداوند عظیم ہم سب کو پابندی سے روزہ رکھنے کی توفیق عطا فرمائے، تاکہ ہم بھی اس کی خاص عنایات حاصل کر سکیں اور اس خاص دروازے سے گزر کر جنت میں داخل ہوں۔ آمین! ثم آمین!!

□□□

انیسواں وعظ

سحر و افطار کا بیان اور ترکِ صوم کی برائی

ترکِ صوم کی برائی

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَفْطَرَ یَوْمًا مِنْ رَمَضَانَ مِنْ غَیْرِ رُخْصَةٍ وَلَا مَرَضٍ لَمْ یَقْضِ عَنْهُ صَوْمُ الدَّهْرِ كُلِّهٖ وَاِنْ صَامَهٗ (رواہ ترمذی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص رمضان میں ایک دن بغیر کسی مرض اور رخصت کے افطار کرے تو تمام عمر کے روزے اس کی قضا نہیں بن سکتے، گرچہ وہ روزہ رکھے۔

فائدہ: رمضان شریف کے روزے ہر عاقل و بالغ مسلمان مرد اور خاتون پر فرض ہیں اور ان کا اجر و ثواب بھی ان گنت ہے۔ جو شخص بغیر کسی شرعی عذر اور رخصت کے روزہ چھوڑے، مثلاً بیمار بھی نہ ہو، لاغر اور کمزور بھی نہ ہو، مسافر بھی نہ ہو، ضعیف العمر بھی نہ ہو اور پھر بھی روزہ چھوڑ دے تو اس روزے کی قضا میں اگر ساری عمر بھی روزے رکھے جائیں، تب بھی روزے کی قضا نہ ہو سکے گی۔

بعض علمائے کرام اس حدیث کے ظاہری معانی لیتے ہیں۔ جمہور فقہا کے نزدیک اگر رمضان شریف کا روزہ بغیر کسی عذر کے نہ رکھے اور بعد میں ایک دن روزہ رکھ لے تو قضا پوری ہو جائے گی اور وہ بری الذمہ ہو جائے گا اور اگر کسی نے بحالتِ روزہ جان بوجھ کر کچھ کھایا پیا، یا روزہ توڑ ڈالا تو اس کی قضا ایک کے بدلے دو ماہ کے روزے رکھنے سے مکمل ہو جائے گی۔ مگر وہ برکت ہاتھ نہیں آ سکے گی جو رمضان شریف میں ملتی ہے۔ یہ اسی صورت میں ہے کہ روزہ کی قضا کرے، لیکن اگر بالکل ہی نہ رکھے۔ جیسا کہ اس پر آشوب زمانے میں ہو رہا ہے کہ رمضان شریف میں

نہ روزے رکھتے ہیں اور نہ ہی عمر میں ان کی قضا کرتے ہیں، وہ کھلی ہوئی گمراہی میں ہیں۔

اسلام کی عظیم الشان بلڈنگ کی تعمیر پانچ بنیادوں پر استوار کی گئی ہے۔ اللہ کی توحید کا اقرار کرنا اور حضور ﷺ کی رسالت کی گواہی دینا، اس کے بعد دیگر ارکان یہ ہیں: نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج۔ ایسے مسلمانوں کی تعداد کتنی ہے جو مردم شماری میں مسلم شمار ہوئے، مگر وہ ان چاروں میں سے ایک کے ادا کرنے والے بھی نہیں۔ سرکاری کاغذات میں تو مسلم لکھے جاتے ہیں مگر اللہ کے حضور ان کا شمار کامل مومن میں نہیں ہوتا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ارشاد ملاحظہ ہو:

قَوَاعِدُ الدِّيْنِ ثَلٰثَةٌ عَلَيْهِنَّ بُنِيَ الْاِسْلَامُ مَنْ تَرَكَ وَاحِدَةً مِّنْهُنَّ بِهَا كَافِرٌ حَلَالُ الدَّمِ شَهَادَةُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَالصَّلٰوةِ الْمَكْتُوْبَةُ وَصَوْمِ رَمَضَانَ۔

یہ ارشاد زواجر، جلد اوّل، صفحہ: 158 سے لیا گیا ہے۔ اسلام کا ضابطہ اور دین کی بنیاد تین چیزیں ہیں، جن پر اسلام کی بنیاد رکھی گئی۔ جو کوئی ان میں سے کسی کو بھی چھوڑ دے گا، پس وہ اس کے ساتھ کافر ہے کہ جس کا خون حلال ہے۔ وہ تین چیزیں یہ ہیں: اللہ کی وحدانیت کی گواہی، فرض کردہ نماز اور رمضان شریف کے روزے رکھنا۔

ابن عباس کے نزدیک نماز اور رمضان شریف کو اتنی اہمیت حاصل ہے کہ ان کے یہاں بغیر کسی شرعی عذر کے انھیں چھوڑنے والا کافر ہے اور جناح الامام خلیفۂ اسلام تعزیراتِ اسلامی کی رو سے قتل کر سکتا ہے۔ جمہور علما کے نزدیک یہ روایات اتنی درست نہیں یعنی یہ کہ جو شخص رمضان شریف کے روزوں کی فرضیت سے انکار کرے وہ کافر ہے، لیکن بہر حال بغیر کسی شرعی وجہ روزہ چھوڑنے والے فاسق ہوتے ہیں۔ ان کے فاسق ہونے میں کسی کو کسی قسم کا شک و شبہ نہیں۔

سحری کا کھانا

رمضان شریف کے روزے کے لیے سحری کھانا باعثِ برکت ہے۔ خواہ ایک دو لقمے یا کھجور کے چند دانوں سے بھی سحری کھائی جائے۔ سرکارِ دو عالم کا ارشاد ہے:

تَسَحَّرُوْا فَاِنَّ السُّحُوْرَ بَرَكَةٌ۔ (متفق علیہ، مشکوٰۃ، صفحہ: 175)

سحری کھانے سے پیٹ کو کچھ آسرا ہو جاتا ہے اور بدن میں سارے دن کی بھوک اور پیاس کی تکلیف برداشت کرنے کی تاب آ جاتی ہے۔

نزولِ رحمت

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى الْمُتَسَحِّرِيْنَ۔ (نزہۃ المجالس، جلد: 1، صفحہ: 138)

بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے سحری کھانے والوں پر صلوٰۃ پڑھتے ہیں۔

رمضان شریف کے روزے کے لیے جب انسان سحری کھاتا ہے تو اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے کہ میرا بندہ میرے واسطے روزہ رکھ رہا ہے اور خوش ہو کر اس پر رحمت کا نزول کرتا ہے اور فرشتے بھی اس کے حق میں رحمت کی دعا کرتے ہیں۔

سحری کھانا شعارِ اسلام

سحری کے وقت اُٹھنا اور کھانا کھانا اسلامی شعار ہے جو کہ کسی دوسرے کو عنایت نہیں کیا گیا۔ اہلِ کتاب بھی اس سعادت سے محروم ہیں۔ ہمارے پیارے رسول ﷺ نے فرمایا:

فَصْلُ مَا بَيْنَ صِيَامِنَا وَصِيَامِ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُكْلَةُ السَّحَرِ۔ (رواہ مسلم)

ہم اہلِ اسلام اور اہلِ کتاب کے روزوں میں فرق سحری کا ہے۔ سحری پر اٹھنا اور کھانا اُمت مسلمہ کے لیے یوں بھی ضروری ہے کہ یہ ہمارے پیارے نبی ﷺ کی اور دیگر صحابۂ کرام کی سنت ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ سحری کے وقت بیدار ہوتے تھے اور کھانا تناول فرماتے تھے۔ اس لیے جو کام ہادی برحق ﷺ اور صحابۂ عظام نے کیا ہو ہم اس کام کو چھوڑنے کے مجاز کیسے ہو سکتے ہیں؟ کھانا تناول کرنے کے بعد یہ دعا پڑھے: وَبِصَوْمِ غَدٍ نَّوَيْتُ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ۔

افطار

جب سورج نظروں سے اوجھل ہو جائے تو یہ دعا پڑھتے ہوئے اللہ کے دیے ہوئے رزقِ حلال سے افطار کرے: اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ لَكَ صُمْتُ وَبِكَ اٰمَنْتُ وَعَلٰى رِزْقِكَ اَفْطَرْتُ۔

افطاری سورج کے مکمل غروب ہونے پر کرنا چاہیے۔ مگر اتنی تاخیر بھی نہیں ہونی چاہیے

کہ آسمان پر ستارے جھلمل جھلمل کرنے لگیں، ایسا کرنا خالی از کراہیت نہیں۔ ہمارے پیارے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: لَا یَزَالُ النَّاسُ بِخَیْرٍ مَا عَجَّلُوْا وَلَا یَنْتَظِرُوْنَ بِفِطْرِهِمِ النُّجُوْمَ۔ (کشف الغمہ، صفحہ:201)

لوگ یعنی اُمت ہمیشہ خیر میں رہے گی جب کہ وہ روزہ جلدی افطار کریں اور افطاری میں ستاروں کا انتظار نہ کریں۔

اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

لَا یَزَالُ الدِّیْنُ ظَاهِرًا مَا عَجَّلَ النَّاسُ الْفِطْرَ لِاَنَّ الْیَهُوْدَ وَالنَّصَارٰی یُؤَخِّرُوْنَ۔ (مشکوٰۃ، صفحہ:175، رواہ ابوداؤد وابن ماجہ)

ہمیشہ دین اسلام غالب رہے گا جب کہ لوگ افطار میں جلدی کرتے رہیں، کیونکہ یہود اور نصاریٰ افطار میں تاخیر کرتے ہیں۔

یہ احادیث مبارکہ ہمیں بتاتی ہیں کہ افطاری میں تاخیر باعثِ کراہیت اور عجلت باعثِ برکت ہے۔ مگر ایسی بھی نہ ہونا چاہیے کہ ابھی روزہ کے وقت میں کچھ وقت رہتا ہو اور روزہ افطار کرلیا جائے۔ اس سے ایک تو روزہ کا ثواب جائے گا اور دوسرے سارے دن کی محنت شاقہ ضائع ہوگی۔ ربّ تعالیٰ اس کو قطعاً پسند نہیں کرتا، بلکہ ناراض ہوگا۔

زواجر، جلد اوّل، صفحہ:159 پر ابن خزیمہ اور ابن حبان کی اپنی اپنی صحیحین میں یہ روایت منقول ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ایک رات میں محوِ خواب تھا۔ میں نے دیکھا کہ دو آدمی میرے پاس حاضر ہوئے اور میرے دونوں بازو پکڑ کر مجھے ایک پہاڑ کی طرف لے گئے اور مجھ سے کہا کہ اس پہاڑ پر چڑھیں۔ میں نے کہا میں اس پہاڑ پر نہیں چڑھ سکتا۔ انھوں نے کہا: ہم اس کو آسان کیے دیتے ہیں۔ پس میں نے پہاڑ پر چڑھنا شروع کیا۔ جب میں نے پہاڑ کا نصف راستہ طے کیا تو مجھے کچھ سخت آوازیں سنائی دیں۔ میں نے ان لوگوں سے پوچھا: یہ آوازیں کیسی ہیں؟ انھوں نے عرض کیا: ایسے لوگوں کی آوازیں ہیں جو جہنمی ہیں۔ پھر وہ مجھے آگے لے گئے۔ وہاں ایک قوم پر نظر پڑی کہ گردن کے بل لٹکی ہوئی ہے اور عذاب کے فرشتے ان کی باچھیں چیر رہے ہیں۔ ان چیری ہوئی باچھوں سے خون جاری ہے۔ میں نے دونوں سے پوچھا کہ یہ

لوگ کون ہیں؟ انھوں نے کہا: یہ وہ لوگ ہیں جو وقت سے قبل ہی روزہ افطار کرلیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے فضل کی پناہ میں رکھے اور ہمیں اس بات کی توفیق دے کہ ہم وقت سے پہلے روزہ افطار نہ کریں تاکہ اس دلدوز انجام سے بچ جائیں۔ لہٰذا ہمیں غروب آفتاب کا یقین ہونے پر روزہ افطار کرنا چاہیے۔

روزہ کس چیز سے افطار کرنا چاہیے

صبح کے وقت سحری میں جو جی چاہے کھالے اور افطاری بھی ہر حلال رزق سے جائز ہے، مگر طاق کھجوروں سے افطار کرنا بہت ثواب دہ ہے اور اگر کھجوریں میسر نہ ہوں تو افطاری پانی سے کرنا چاہیے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا:

اِذَا اَفْطَرَ اَحَدُکُمْ فَلْیُفْطِرْ عَلٰی تَمْرٍ فَاِنَّهٗ بَرَکَةٌ فَاِنْ لَّمْ یَجِدْ فَلْیُفْطِرْ عَلٰی مَاءٍ فَاِنَّهٗ طَهُوْرٌ۔ (مشکوٰۃ، صفحہ:175، ترمذی وابوداؤد، وابن ماجہ)

جب تم میں سے کوئی افطار کرے، اسے چاہیے کہ کھجوروں سے افطار کرے کہ اس میں برکت ہے۔ اگر کھجوریں نہ پائے تو پانی پر افطار کرے کہ یہ پاک کرنے والا ہے۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُفْطِرُ قَبْلَ اَنْ یُّصَلِّیَ عَلٰی رُطَبَاتٍ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ فَتُمَیْرَاتٌ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تُمَیْرَاتٌ حَسَا حَسَوَاتٍ مِّنْ مَاءٍ۔ (مشکوٰۃ، صفحہ:175، ترمذی وابوداؤد)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم نماز (مغرب) سے قبل تر کھجوروں سے روزہ افطار کرتے۔ اگر تر کھجوریں نہ ہوتیں تو خشک کھجوروں سے، اگر خشک کھجوریں بھی نہ ہوتیں تو پانی کے چند گھونٹ بھر لیتے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کھجوروں سے روزہ افطار فرماتے تھے۔ اگر کھجوریں نہ ملتیں تو اس مقصد کے واسطے پانی کا استعمال کرتے تھے۔

خداوند عظیم ہم سب کو نبی کریم ﷺ کے فعل کی پیروی کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین! ثم آمین!!

□□□

بیسواں وعظ

روزہ کے آداب ودرجات

قَالَ اَبُوْ عُبَیْدَۃَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ الصِّیَامُ جُنَّۃٌ مَالَمْ یَخْرِقْھَا ۔ (رواہ نسائی، صفحہ:241)

روزہ کے درجات

روزہ کے معانی روکنے کے ہیں۔ مگر اصطلاح میں روزہ سے مراد صبح صادق سے لے کر غروبِ آفتاب تک کھانے پینے اور دیگر خواہشاتِ نفسانی سے باز رہنا روزہ کہلاتا ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ روزہ تین قسم کا ہے: روزے کی ایک صورت یہ ہے کہ پیٹ کو کھانے پینے سے روکنا اور جماع سے اجتناب برتنا، یہ روزے کی عام قسم ہے۔ روزے کی دوسری قسم خاص روزہ کے نام سے موسوم ہے۔ اس روزہ سے مراد کھانے پینے اور جماع کے علاوہ اپنے تمام اعضا کو برائی سے روکنا ہے۔

روزے کی تیسری قسم یہ ہے کہ اپنے آپ کو تمام کاموں سے ناطہ توڑ کر فی الوقع صرف اور صرف اللہ کی طرف متوجہ کرنا۔ یہ روزے کی خاص الخاص قسم ہے اور یہی روزے کی اعلیٰ ترین اور افضل ترین قسم ہے۔ (احیاء العلوم، ج اوّل، صفحہ:241)

روزے کی ان تمام اقسام کا ثواب بھی الگ الگ ہے۔ عام روزہ پر عام ثواب اور خاص روزہ پر خاص ثواب اور خاص الخاص پر خاص ثواب سب سے زیادہ اور بے شمار ثواب ملتا ہے۔ حدیث شریف اس بات کی شاہد ہے:

قَالَ اَبُوْ عُبَیْدَۃَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ الصِّیَامُ جُنَّۃٌ مَالَمْ یَخْرِقْھَا ۔ (نسائی، جلد اوّل، صفحہ:241)

ترجمہ: حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو

فرماتے ہوئے سنا کہ روزہ ڈھال ہے، جب تک اس کو پھاڑا نہ جائے۔

فائدہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کی روشنی میں ہم پر یہ بات واضح ہوتی ہے کہ روزہ، روزہ دار کے لیے ڈھال ہے۔ ڈھال ہونے سے مراد یہ ہے کہ جس طرح آدمی دشمن کے حملوں سے ڈھال کے ذریعے اپنی جان کا بچاؤ کرتا ہے، اسی طرح مسلمان اپنے ایمان کی حفاظت اور شیطان کے مکر سے بچنے کے لیے روزہ سے ڈھال کا کام لیتا ہے۔ اس طرح مسلمان گناہوں اور وسوسوں سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ روزہ ڈھال ہے، اس سے یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ روزہ دوزخ کی آگ سے بچائے گا۔ اگر کوئی گنہگار دوزخ میں بدقسمتی سے چلا بھی گیا تو دوزخ کی آگ سے محفوظ کرنے کے لیے روزہ ڈھال ہے، بشرطیکہ روزہ پھٹ نہ جائے۔ اگر پھٹ گیا تو پھر مومن کے کسی کام نہ آسکے گا۔ روزہ کیوں کر پھٹ سکتا ہے، کیا یہ کوئی ڈھول ہے جو پھٹ جاتا ہے۔ روزہ سے پھٹنے کے متعلق کسی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) روزہ کس شے سے پھٹ جاتا ہے۔ ارشاد ہوا: جھوٹ اور غیبت روزے کو پھاڑ دیتے ہیں۔

بعض علمائے کرام ظاہری حدیث منقول کرتے ہیں کہ جس طرح کھانے پینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، اسی طرح جھوٹ اور غیبت سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ مگر جمہور علما نے اس کی وضاحت یوں کی ہے کہ جھوٹ اور غیبت سے روزہ ٹوٹتا نہیں، ہاں اس سے روزے کی نورانیت جاتی رہتی ہے۔

اس کی مثال ایسے ہی ہے کہ سخت بھوک لگی ہو تو پانی کا شربت پینے سے بھوک ختم نہیں ہوجاتی۔ البتہ بدن میں تازگی اور توانائی کا احساس ضرور جاگ اٹھتا ہے۔ اسی طرح اس کے بالکل برعکس معاملہ یہاں ہے کہ جھوٹ بولنے سے روزہ ٹوٹتا نہیں البتہ اس کی نورانیت ختم ہو جاتی ہے۔

روزے کی اعلیٰ ترین قسم یہ ہے کہ انسان کھانے پینے اور جماع سے اجتناب ہی نہ برتے بلکہ اللہ کی طرف متوجہ ہونے کے لیے اپنے ہر عضو کو روزے کا پابند کرے تاکہ روزہ صحیح سلامت رہے اور اجر وثواب بھرپور ملے۔

آنکھ کا روزہ

آنکھ کے روزے سے مراد یہ ہے کہ ان نگاہوں کی بصارت سے اللہ تعالیٰ کی کاریگری دیکھے اور یہ کہے: اے مولا! تو نے یہ سب اشیا بلا مقصد پیدا نہیں کیں بلکہ ان میں تیری عظمت کی ہزار ہا حکمتیں اور نشانیاں موجود ہیں۔ آنکھوں کے روزے سے مراد یہ ہے کہ ان کی بصارت سے قرآن حکیم کی سورتوں کو ملاحظہ کرے۔ بصارت کو بے فائدہ ناولوں کی تحریروں میں ضائع نہ کریں۔ آنکھ سے کسی برائی کا مشاہدہ نہ کرے اور آنکھ سے نہ ہی خوبصورت خواتین اور بچوں کو بغیر ضرورت کے دیکھے، کیونکہ اس سے نفس کے بہکنے کے امکانات ہیں۔ نیز سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِبْلِیْسُ لَعَنَۃُ اللہِ فَمَنْ تَرَکَھَا خَوْفاً مِنَ اللہِ اٰتَاہُ اللہُ عَزَّ وَجَلَّ اِیْمَاناً یَجِدُ حَلَاوَتَہٗ فِیْ قَلْبِہٖ۔ (احیاء العلوم، جلد اوّل، صفحہ: 214)

ابلیس ملعون کے تیروں میں سے ایک تیر نظر ہے، جو اللہ کے خوف سے اس سے پناہ مانگے تو اس کو اللہ تعالیٰ ایسا نورانی ایمان عطا فرماتا ہے، جس کی حلاوت اور خوف وہ اپنے دل میں محسوس کرے گا۔

نظر پر پورا پورا کنٹرول ہونا چاہیے، کیونکہ یہی سب بربادیوں کی جڑ ہے۔ نہ نظر کسی غیر محرم خاتون پر پڑے گی، نہ دل میں وسوسے جنم لیں گے اور نہ ہی ہمارے دل میں اسے اپنی ہوس کا نشانہ بنانے کی خواہش کروٹیں لیں گی۔

زبان کا روزہ

زبان کے روزے سے مراد یہ ہے کہ زبان کو ہر لمحہ اللہ کی یاد میں محو رکھنا چاہیے۔ کلمۂ طیبہ، تلاوتِ کلام پاک، درود شریف اور توبہ و استغفار وردِ زبان رہنا چاہیے۔ زبان کو جھوٹ، غیبت، لغو، فضول اور بے ہودہ باتوں سے بچایا جائے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ:

وَاِذَا کَانَ یَوْمُ صَوْمِ اَحَدِکُمْ فَلَا یَرْفُثْ وَلَا یَصْخَبْ فَاِنْ سَابَّہٗ اَحَدٌ اَوْ قَاتَلَہٗ فَلْیَقُلْ اِنِّیْ امْرَءٌ صَائِمٌ۔ (مشکوٰۃ، صفحہ: 173)

جب کسی کا روزہ ہو تو بے ہودہ بکواس نہ کرے اور نہ ہی چیخے۔ اگر کوئی اسے گالی دے یا جھگڑے، کہہ دینا چاہیے کہ میں روزہ دار ہوں۔

فائدہ: روزہ دار کو ہرزہ گوئی، بکواس، گالی گلوچ سے پرہیز کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ یہاں تک ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی تم سے گالی گلوچ کرے اور جھگڑے تو بھی تم لڑنے جھگڑنے اور ہرزہ گوئی سے اجتناب برتو۔ اگر دوسرا سمجھ بوجھ رکھتا ہے تو اس سے کہہ دو کہ میں تمھیں ایسی بے ہودہ باتیں نہیں کہہ سکتا، کیونکہ میں روزے میں ہوں۔ اس پر بھی دوسرا باز نہ آئے تو پھر خود کو سمجھائے کہ چونکہ میرا روزہ ہے، اس لیے مجھے ایسی باتوں سے پرہیز کرنا چاہیے۔ نیز روزہ دار کو غیبت سے بچنے کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ حضرت سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ: اَلْغِیْبَۃُ تُفْسِدُ الصَّوْمَ۔ غیبت روزہ کے نور کو لے جاتی ہے۔

احیاء العلوم، جلد اوّل، صفحہ: 241 پر حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول منقول ہے کہ:

خَصْلَتَانِ یُفْسِدَانِ الصِّیَامَ الْغِیْبَۃُ وَالْکِذْبُ۔

یعنی جھوٹ اور غیبت دو ایسی خصلتیں ہیں جو روزے کی نورانیت کو ضائع کر دیتی ہیں۔

حکایت: آج سے چودہ سو سال قبل جب خورشیدِ رسالت اپنی تمام تر ضیا پاشیوں کے ساتھ جبینِ فلک پر ضوفشاں تھا، ایسے عالم میں دو خواتین نے روزہ رکھا۔ جب دن کا آخری حصہ رہ گیا تو ان کو شدید بھوک اور پیاس کے غلبے نے نڈھال کر دیا اور وہ قریب المرگ ہو گئیں۔ انھوں نے کسی کو رسول اللہ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں بھیجا۔ آپ نے ایک پیالہ بھیجا اور فرمایا کہ اس میں قے کریں۔ جب حکم کے مطابق انھوں نے قے کیں تو اس میں گوشت کے لوتھڑے اور خون کے قطرے نکلے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ انھوں نے قادرِ مطلق کی عطا کی ہوئی حلال روزی سے روزہ رکھا، مگر حرام کھاتی رہیں، یعنی غیبت کرتی رہیں۔ یعنی انھوں نے دوسرے کے گوشت کے لوتھڑے اور خون کے قطرے پیے ہیں۔ بالفاظ دیگر غیبت دوسروں کا گوشت کھانے اور خون پینے کا دوسرا نام ہے۔

احیاء العلوم، جلد اوّل، صفحہ: 241 کی اس روایت سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ غیبت اور دوسرے گناہوں کا ارتکاب کرنے سے اس کا براہِ راست اثر روزے پر پڑتا ہے، جس کی

وجہ سے روزہ کی تکلیف ناقابلِ برداشت ہوجاتی ہے جب کہ اس کے برعکس نیکوکاروں کو روزہ کی سختی محسوس بھی نہیں ہوتی۔

تعریفِ غیبت

حضرت محمد ﷺ نے اپنے صحابہ کو جمع کر کے پوچھا: کیا تم جانتے ہو کہ غیبت کیا شے ہوتی ہے اور اس کی حقیقت کیا ہے؟ صحابۂ کرام نے عرض کیا: نادانوں سے زیادہ اللہ اور اس کے رسول جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: کسی کی عدم موجودگی میں اس کے متعلق ایسی بات کا تذکرہ کسی دوسرے سے کرنا جو اس کو ناگوار گزرے، غیبت کہلاتی ہے۔ صحابۂ کرام نے عرض کیا: اگر وہ بات یعنی بیان کی جانے والی بات فی الوقع دوسرے میں موجود ہو تو؟ آپ نے فرمایا: اگر وہ بات اس میں موجود ہے تو یہ غیبت ہے اور اگر وہ شخص اس بات کا حامل نہیں تو وہ بہتان ہے جو کہ غیبت سے بڑھ کر گناہ ہے۔ (مسلم، مشکوٰۃ، صفحہ:241)

اسی طرح بحالتِ روزہ جھوٹ سے بچنا چاہیے، کیونکہ کذب کرنے سے سوائے بھوک اور پیاس کے کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: مَنۡ لَّمۡ يَدَعۡ قَوۡلَ الزُّوۡرِ وَالۡعَمَلَ بِهٖ فَلَيۡسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِيۡ اَنۡ يَّدَعَ طَعَامَهٗ وَشَرَابَهٗ۔ (مشکوٰۃ، صفحہ:167)
جو شخص جھوٹ اور بُرے اعمال نہ چھوڑے، اللہ تعالیٰ کو اس کے بھوکا پیاسا رہنے کی پرواہ نہیں۔

مشکوٰۃ، صفحہ:42 پر مرقوم ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ دو قبروں کے پاس سے گزر رہے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ ان کو عذاب دیا جارہا ہے۔ ایک کو عذاب دینے کی وجہ یہ ہے کہ وہ غیبت کیا کرتا تھا اور دوسری قبر کا مردہ پیشاب کے بارے میں محتاط نہ رہتا تھا۔

اس حدیث سے تین چیزوں کی وضاحت ہوتی ہے: اوّل یہ کہ غیبت کی برائی ثابت ہوتی ہے۔ دوم یہ کہ پیشاب کے سلسلے میں احتیاط نہ برتنے کی برائی کا ذکر ہے کہ اس سے عذاب ہوتا ہے۔ سوم یہ کہ ہمارے پیارے رسول اللہ ﷺ کے علمی کمال کی روشن دلیل ملتی ہے کہ قبروں میں مُردوں کا مخفی حال بتادیا کہ ان کو عذاب ہورہا ہے۔ اس کو علمِ غیب کہتے ہیں اور اس سے

بڑھ کر علمِ غیب یہ ہے کہ برسوں کے مرے ہوئے مُردوں کی برائیوں کی خبر دے رہے ہیں کہ ان کو فلاں برائی کے ارتکاب کرنے کے سلسلے میں عذاب ہورہا ہے۔ الحمد للہ رب العالمین۔

کان کا روزہ

جس طرح نظروں اور زبان کا روزہ ہے، اسی طرح کان کا روزہ بھی ہے۔ بحالتِ روزہ قرآن مجید کی تلاوت سے سماعت کو مستفید کرنا چاہیے، بکواس اور جھوٹی باتیں سننے سے گریز کرنا چاہیے، کیونکہ جھوٹ بولنے کے ساتھ ساتھ جھوٹ سننا بھی گناہ ہے۔ جھوٹ بول کر انسان ناجائز منافع حاصل کرتا ہے۔ اس واسطے خداوند عظیم نے جھوٹ بولنے والے کو حرام خور فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

سَمّٰعُوۡنَ لِلۡكَذِبِ وَ اَكّٰلُوۡنَ لِلسُّحۡتِ۔

ترجمہ: جو جھوٹ سنتے ہیں اور حرام کھاتے ہیں۔

غیبت سننے سے کان کو بچانا چاہیے۔ اگر دوسرا کسی کی غیبت کرنے لگے تو اس کو کہہ دے کہ بھیا! تم کیوں کسی کی غیبت کرتے ہو؟ علاوہ ازیں میرا روزہ ہے، اس لیے میں تمہاری باتیں سننے سے معذرت کرتا ہوں۔

تیسرے یہ کہ غیبت سننا بھی غیبت کرنے کی برائی کے برابر ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اَلۡمُغۡتَابُ وَالۡمُسۡتَمِعُ شَرِيۡكَانِ فِي الۡاِثۡمِ۔ (احیاء العلوم جلد:1، صفحہ:242)
غیبت کرنے والا اور غیبت سننے والا دونوں گناہ میں شریک ہیں اور گنہگار ہیں۔ آج کل ہم مسلمان روزے تو رکھتے ہیں مگر سارا دن صبح سے شام تک ٹیپ ریکارڈ میں فلمی اور فحش گانے سنتے ہیں اور اپنے روزے کو پھاڑ ڈالتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے کانوں کی حفاظت کرنے کا حوصلہ عطا فرمائے۔

ہاتھ پاؤں کا روزہ

ہاتھ کا روزہ یہ ہے کہ اپنے ہاتھوں سے اچھے اعمال کرے۔ ان ہاتھوں سے قرآن مجید پکڑے اور علمائے کرام سے مصافحہ کرے اور ہوسکے تو یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرے۔ ہاتھ

کے نیچے جتنے بال آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ اس کے اتنے درجے بلند کرے گا اور اتنی ہی نیکیاں عطا کرے گا۔ اپنے ہاتھ سے کسی پر ظلم نہ کرے، نہ رشوت قبول کرے، نہ کسی کا مال چرائے، نہ کسی کی چیز پر ہاتھ رکھے اور پاؤں کا روزہ یہ ہے کہ اپنے پاؤں پر چل کر کسی برائی کے کام کی طرف نہ جائے۔ پاؤں سے چل کر مسجد میں جائے اور اپنے پاؤں کو محتاجوں کے کام میں لائے کہ ان سے ان کا کوئی کام کردے۔ اپنے پاؤں کو غلاظت اور گندگی سے پاک رکھے اور ان کو ہر بُرے کام کے ارتکاب سے باز رکھے۔

پیٹ کا روزہ

کھانے پینے سے پرہیز کرنا پیٹ کا روزہ ہے، مگر اصل روزہ یہ ہے کہ حلال کمائی اور رزقِ حلال سے روزہ رکھے اور حلال کمائی سے روزہ افطار کرے۔ اگر کسی شخص نے حرام کی کمائی مثلاً چوری، ڈاکہ، فریب دھوکہ اور ریاکاری سے حاصل کیے ہوئے مال سے روزہ رکھا اور افطار کیا تو اس شخص کا حال یہ ہے کہ مرض سے بچنے کے لیے دوائی کا استعمال کیا، مگر دوائی میں ذرا سا زہر ملا لیا تو وہ دوائی خواہ کتنی بھی عمدہ ہوگی، مگر چونکہ اس میں زہر کی ملاوٹ ہے، اس لیے اس دوائی کا کھانے والا ضرور ہلاک ہوگا، اسی طرح افطار کا حال ہے کہ افطاری حلال کمائی کے رزق سے کرنا چاہیے اور پیٹ بھر کر نہیں کھانا چاہیے۔ پیٹ بھر کر کھانے سے روزے کا مقصدِ اعلیٰ فوت ہو جائے گا، کیونکہ جب پیٹ کو کسی شے کی طلب ہی نہیں ہوگی تو دوسروں کے بھوک اور پیاس کا احساس کیسے ہوگا اور دل میں دوسرے کے لیے ہمدردی کے جذبات کیسے اجاگر ہوں گے۔

ٖم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: مَا مَلَأَ اٰدَمِيٌّ وِعَاءً شَرًّا مِّنْ بَطْنِهٖ۔

ٖ کا بھرنا ... نہیں جتنا کسی پیٹ کا بھرنا ناپسند ہے۔

ٖسی یہ بات اس۔ ... وئی شے تمہارے برتن میں ہی پڑی پڑی خراب ہو جائے اور دوسرا بھوکا رہے۔

يَحْسَبُ اِبْنُ اٰدَمَ اُكُلَاتٍ يُقِمْنَ صُلْبَهٗ۔

ابن آدم کے لیے کمر سیدھی رکھنے کے لیے چند لقمے ہی کافی ہیں۔

فَاِنْ لَا مَحَالَةَ فَثُلُثٌ لِطَعَامِهٖ وَ ثُلُثٌ لِشَرَابِهٖ وَ ثُلُثٌ لِنَفْسِهٖ۔

اگر کھانے پر بالکل تُل جائے تو ایک تہائی طعام اور ایک تہائی پانی اور ایک تہائی کی جگہ سانس لینے کے لیے رکھ چھوڑے تاکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی قربت اور معرفت کا ذریعہ بن سکے۔

الغرض ہم کو اپنے تمام اعضا کا روزہ رکھنا چاہیے، کیونکہ تمام اعضا کے روزہ رکھنے سے ہی اکمل اور کامل روزہ ہوگا، ورنہ سارا دن بھوکے اور پیاسے تڑپنے کے سوا کچھ بھی ہاتھ نہ آئے گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے: كَمْ مِنْ صَائِمٍ لَيْسَ لَهٗ مِنْ صِيَامِهٖ اِلَّا الظَّمَأُ وَ كَمْ مِنْ قَائِمٍ لَيْسَ لَهٗ مِنْ قِيَامِهٖ اِلَّا السَّهَرُ۔ (مشکوٰۃ، صفحہ:177)

بہت سے روزے دار ایسے ہیں کہ ان کو بھوک اور پیاس کے سوا کوئی ثواب نہیں ملتا۔ یعنی بعض اصحاب روزہ تو رکھتے ہیں مگر اپنے اعضا کو برائیوں سے نہیں بچاتے، اس لیے ان کا ثواب ضائع ہو جاتا ہے اور رات کو ان کا تراویح پڑھنا بھی ضائع ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو نیک اعمال کی توفیق دے۔

□□□

اکیسواں وعظ

شبِ قدر کے فضائل

أَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝ وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۝ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ ۝ تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِم مِّن كُلِّ أَمْرٍ ۝ سَلَامٌ هِيَ حَتَّىٰ مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝ (سورۂ قدر)

ترجمہ: بے شک ہم نے اس کو شبِ قدر میں نازل کیا اور تمھیں کیا خبر کہ شبِ قدر کیا ہے۔ شبِ قدر ہزار ماہ سے بڑھ کر ہے۔ اس میں فرشتے اور روح الامین اللہ کی اجازت سے ہر حکم لے کر زمین پر اُترتے ہیں۔ سلامتی ہے اس رات طلوعِ فجر تک۔

وجہ تسمیہ اور بزرگی شبِ قدر

رمضان شریف اوّل تا آخر رحمتوں کا خزینہ ہے۔ اس مبارک مہینے میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کا دریا جوش میں ہوتا ہے، مگر شب قدر سارے رمضان شریف کی سردار ہے، کیونکہ یہ مرجع برکات اور پیام حسنات وخیرات ہے۔ یہی وہ افضل اور مقدس رات ہے، جس میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کا دریا جوش میں آجاتا ہے۔ دریائے رحمت میں طغیانی آجاتی ہے، جو ہر گنہگار کے ہر گناہ کو خس وخاشاک کی طرح بہا کر لے جاتی ہے اور بنجر کھیتی کو سرسبز وشاداب کرنے کے لیے دریا کی تند وتیز لہروں کو دور دور تک پھینکتی ہے، تاکہ کوئی بھی کھیتی خشک نہ رہنے پائے۔ یہ وہ مقدس رات ہے جس کی شان میں قرآن مجید میں پوری سورۂ قدر نازل کی گئی اور اس کا نام شب قدر یا لیلۃ القدر یعنی قدر اور عزت والی رات رکھا گیا ہے، کیونکہ اسی مقدس رات میں اللہ کے بندوں کی اصلیت کا علم ہوتا ہے اور ان کے مراتب سے ملائکہ واقف ہو

جاتے ہیں۔ اس رات کا نام شبِ قدر اس لیے بھی ہوسکتا ہے کہ قدر کے معانی بزرگی کے بھی ہیں اور اس رات کو دیگر راتوں پر بزرگی اور برتری حاصل ہے، اس لیے اس کا نام لیلۃ القدر رکھا گیا۔

عام زندگی میں یہ قاعدہ ہے کہ کسی ایک فرد کو دیگر افراد پر ترجیح دیتے وقت کئی باتوں کا خیال رکھا جاتا ہے، مثلاً اس کی تعلیم دوسروں سے زیادہ ہے۔ اس کی قابلیت دوسرے سے زیادہ ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح لیلۃ القدر کو دوسری راتوں سے افضل قرار دیتے وقت چند باتیں ذہن میں آتی ہیں: سب سے پہلی بات یہ کہ اس رات کو دوسری راتوں سے اس لیے افضل قرار دیا گیا ہے کہ اس رات میں سرشام طالبِ سحر کے لیے اللہ کی خصوصی رحمت کا نزول ہوتا ہے، اور تجلی الٰہی بندگانِ خدا پر خاص توجہ دیتی ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اس رات کی عبادت میں ایک عجیب دلکش اور خوش کن کیفیت اور لذت پیدا ہوتی ہے، کیونکہ اس رات میں ملائکہ اور سردارِ ملائکہ روح الامین اللہ تعالیٰ کے حکم سے نیک اور صالح بندوں کی قدم بوسی اور زیارت کے لیے حاضر ہوتے ہیں۔ تیسری وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ رشد وہدایت کا منبع قرآن مجید اسی مقدس رات میں نازل ہوا، جو کہ عظیم تر سعادت ہے۔ شب قدر کی فضیلت کی چوتھی وجہ یہ ہے کہ اسی مقدس شب میں تخلیق ملائکہ انجام پائی۔ پانچویں یہ کہ اسی رات میں جنت کو باغات سے مزین کیا گیا۔ چھٹی وجہ یہ ہے کہ اسی مقدس رات میں حضرت آدم کی آفرینش کے سامان اکٹھا کیے گئے۔

مندرجہ بالا خصوصیات کی بنا پر شب قدر کو دیگر راتوں سے برتری اور بندگی عطا کی گئی۔ اس رات کے تقدس کے کیا کہنے۔ اس رات میں دریاؤں کے نمکین پانی میں مٹھاس کی ملاوٹ ہوجاتی ہے۔

صحیح روایت ہے کہ عثمان ابن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلام نے آپ سے عرض کیا: اے آقا! مجھے کشتی بانی کرتے ایک عرصہ گزرا۔ میں نے دریا کے پانی میں ایک عجیب بات محسوس کی، جس کو میری عقل تسلیم کرنے سے منکر ہے۔ آپ نے پوچھا: وہ کیا عجیب بات ہے؟ عرض کیا: اے آقا! ہر برس میں ایک ایسی رات آتی ہے کہ جس میں دریا کے پانی میں

مٹھاس کی ملاوٹ ہو جاتی ہے۔ آپ نے غلام سے فرمایا کہ اس بار خیال رکھنا جیسے ہی رات میں پانی مٹھاس آلودہ ہو جائے تو مجھے مطلع کرنا۔ جب رمضان کی ستائیسویں رات آئی تو خادم نے آقا سے عرض کی: آقا! آج دریا مٹھاس کی ملاوٹ سے تابدار ہے۔ (تفسیرِ عزیزی، صفحہ:257)

شبِ قدر کے مخفی ہونے کی وجہ

کسی بڑی شخصیت کی کسی خاص مقصد کے لیے آمد اور روانگی عام لوگوں سے مخفی رکھی جاتی ہے۔ اسی طرح شبِ قدر کو مخفی رکھا گیا ہے۔ جیسا کہ جمعہ کے دن میں ایک ایسی ساعت آتی ہے، جس میں مانگی ہوئی ہر دُعا بالضرور اللہ کے فضل و کرم سے پوری ہوتی ہے اور ہر دن پانچ نمازوں میں ایک نماز دوسری نمازوں سے زیادہ افضل ہے۔ مگر یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ کون سی نماز کو افضلیت حاصل ہے اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کے ایک سو ایک ناموں میں سے ایک نام کو افضلیت حاصل ہے، جس کو اسم اعظم کہتے ہیں۔ مگر درست طور پر معلوم نہیں کہ کون سا نام اسم اعظم ہے۔ اسی طرح شب قدر رمضان کے آخری عشرہ میں موجود ہے، مگر درست طور پر معلوم نہیں کہ کون سی رات قدر کی رات ہے۔ اس کو مخفی رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ لوگ نیکی اور خیر کے کاموں میں غفلت، سستی، لاپرواہی نہ برتیں، بلکہ جوش، جذبے اور لگن سے نیک کام انجام دیں۔ (تفسیر عزیزی، صفحہ:258، پارہ:30)

اگر شبِ قدر کی وضاحت کر دی جاتی کہ فلاں رات کو ہے تو آج کل کے لطیف مزاج لوگ روزے سے چھٹی لے لیتے اور کہتے کہ جی! شب قدر میں جاگ کر معافی مانگ لیں گے۔

سورۂ قدر کی شانِ نزول

ایک مرتبہ حضرت محمد ﷺ تشریف فرما تھے۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی خدمت اقدس میں حاضر تھے۔ عبادت کا ذکر چل رہا تھا۔ باتوں باتوں میں بنی اسرائیل کے ایک شخص شمعون نامی کا تذکرہ چل پڑا کہ وہ ہزار ماہ ربّ تعالیٰ کی راہ میں لڑتا اور جب رات ہوتی تو وہ ساری رات قیام و سجود میں گزارتا۔ صحابۂ کرام نے پیارے رسول ﷺ کی بارگاہ

میں عرض کیا: یارسول اللہ! ہم عبادات میں بنی اسرائیل کے عابد جیسا مقام اور مرتبہ حاصل نہیں کر سکتے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہم کو بہت تھوڑی عمر عطا ہوئی ہے۔ ساٹھ ستر سے کسی کی بھی عمر زیادہ ہو ہی نہیں پاتی۔ لہٰذا ہم بنی اسرائیل کے اس عابد جیسا مقام اور مرتبہ کیسے حاصل کر سکیں گے۔ علاوہ ازیں ہماری قلیل عمروں میں سے کچھ حصہ عالم نیند میں گزر جاتا ہے اور کچھ بیماریوں کی بھینٹ چڑھ جاتا ہے اور عبادات کے لیے بڑا تھوڑا وقت ملتا ہے۔ لہٰذا بنی اسرائیل کے لوگ عبادت میں ہم سے بڑھ جائیں گے۔ یہ سن کر ہمارے پیارے رسول ﷺ کے رُخِ انور کا رنگ متغیر ہو گیا۔ دل میں حزن و ملال کے سائے لہرا گئے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے جبریل فرشتہ کو نبی ﷺ کی بارگاہ میں بھیجا اور سورۂ قدر نازل فرما کر ارشاد فرمایا: اے میرے پیارے حبیب! اگر تیری اُمت کا جامِ حیات بہت جلد چھلک جاتا ہے تو میں نے سال میں ایک ایسی رات عنایت فرما دی ہے کہ اس رات میں عبادت کرنا ہزار ماہ کی عبادت سے افضل ہوگا۔ (تفسیر عزیزی، ص257)

تفسیرِ عزیزی میں حضرت عبد العزیز محدث دہلوی نے اس سورہ کا شانِ نزول یوں بھی بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے اپنی اُمت اور دوسری اُمتوں کی عمروں میں توازن کیا۔ معلوم ہوا کہ دوسری امتوں کو اللہ تعالیٰ نے بڑی طویل عمریں دی ہیں، مگر آپ کی امت کی عمریں نہایت قلیل ہیں۔ قلب مقدس میں خیال پیدا ہوا کہ میری امت دوسری امت سے نیک اعمال میں نہیں بڑھ سکے گی، کیونکہ دوسروں کی عمریں طویل ہیں اور میری امت کی عمریں قلیل ہیں۔ یہ گمان کر کے آپ کے چہرۂ اقدس پر رنج کے آثار نمودار ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کی تسلی کی خاطر وحی نازل فرمائی: اے محبوب! اس خیال کو دل سے نکال دو۔ میں نے تمہاری اُمت کو شبِ قدر عنایت فرمائی ہے، جس میں کی گئی عبادت ہزار مہینوں کی عبادت سے بڑھ کر ہوگی۔

سورۂ قدر کی مختصر تفسیر

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے: اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ ۚ بے شک ہم نے اس

کو نازل کیا یعنی رات قدر کے۔ قرآن مجید پہلے لوحِ محفوظ میں لکھا ہوا تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ اب نبی کریم پر نازل کرنا چاہیے۔ لہٰذا لوحِ محفوظ سے قرآن مجید بیت العزت پر اُتارا گیا اور 23 سال کے عرصے میں ضرورت پڑنے پر نبی کریم ﷺ پر نازل ہوتا رہا۔

قرآن مجید اللہ کی مکمل کتاب ہے۔ اس میں شک وشبہ کی معمولی بھی گنجائش نہیں ہے۔ عملی زندگی کا کوئی گوشہ اور حکمت کا کوئی نقطہ قرآن حکیم سے ماورا نہیں۔ اس میں ہر قسم کے مسائل کا صحیح اور درست حل موجود ہے۔ یہ ہر لحاظ سے مکمل اور کامل کتاب ہے۔ ایسی بابرکت اور عظیم کتاب کا شب قدر میں نزول ہونا ہی شب قدر کی عظمت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ مزید برآں اللہ تعالیٰ کا کلام شبِ قدر کی عظمت کا شاہد ہے۔ اس پر بھی حق تعالیٰ جل شانہ نے مزید ارشاد فرمایا: وَمَآ اَدْرٰكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۔ تمھیں کیا معلوم کہ شب قدر کیا ہے۔ تم نادان ہو، کم علم ہو، نہیں جانتے۔ شب قدر کی اصلیت اور ماہیت کیا ہے۔ اس کی فضیلت کا تم کیا اندازہ کر سکو گے۔ یہ بڑی عظیم رات ہے۔ آگے چل کر اللہ تعالیٰ خود ہی وضاحت فرماتا ہے:

لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ۔ شب قدر بہتر ہے ہزار مہینوں سے، چونکہ شب قدر عبادت کے لیے مختص ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ شب قدر میں کی گئی عبادت ہزار مہینوں کی عبادت سے بھی بڑھ کر ہے۔ یعنی ایک رات کی عبادت کا ثواب ہزار ماہ کی عبادت کے ثواب سے بڑھ کر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کرم سے کوئی بعید نہیں کہ وہ کئی ہزار ماہ کی عبادات کا ثواب عنایت فرمائے۔

تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ كُلِّ اَمْرٍ سَلٰمٌ ۔

اس رات میں فرشتے اور جبریل امین رب کی اجازت سے ہر حکم لے کر زمین پر نازل ہوتے ہیں۔

امام رازی لکھتے ہیں کہ جب اللہ نے تخلیق آدم کی تکمیل کی تو ملائکہ نے بارگاہ ربانی میں عرض کیا: الٰہی! تو نے اس کو کیوں پیدا کیا؟ یہ زمین میں جا کر لڑائی جھگڑا کرے گا۔ فساد برپا کرے گا اور اپنے مقاصد کی خاطر دوسروں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگے گا۔ کیا عبادت کے لیے ہم فرشتوں کی تعداد کم ہے؟ رب کریم نے ارشاد فرمایا: اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۔ میں وہ جانتا ہوں جس سے تم لاعلم ہو۔ آج شب قدر میں فرشتوں کو بھیج کر جواب کی تفصیل عملی

طور پر دکھائی جا رہی ہے۔ اے فرشتو! دیکھو تم کہتے تھے کہ یہ زمین پر جا کر فساد اور خون ریزی کرے گا۔ دیکھو، یہ میری عبادت میں مصروف ہیں۔ اپنے گناہوں سے استغفار کر رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر فرشتے اپنے کہے ہوئے الفاظ واپس لیں گے اور معذرت طلب کریں گے اور خدا کی عبادت میں محو رہنے والے بندگان کے لیے سلامتی کی دعا کریں گے: هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۔ سلامتی ہے وہ طلوعِ فجر تک۔ یعنی ساری رات میں ہر طرف خیریت ہی خیریت ہے۔ یہ رات سانپ، بچھو، دیگر کیڑے مکوڑے، بلاؤں، آفتوں اور شیطانوں سے بالکل محفوظ ہے۔ یہ رات مکمل طور پر سلامتی کی ضامن ہے۔ اس رات میں روح الامین فرشتوں کے ہمراہ جھنڈے لے کر زمین پر اُترتے ہیں۔ ایک جھنڈا نبی کریم کے روضۂ انور پر گاڑتے ہیں۔ دوسرا کعبہ پر۔ ایک جھنڈا بیت المقدس پر اور چوتھا اور آخری جھنڈا زمین و آسمان کے درمیان لہرا دیتے ہیں۔ پھر جبریل تمام فرشتوں کو انسانی عالم میں پھیل جانے کا حکم دیتے ہیں اور وہ کسی گھر کو ایسا نہیں چھوڑتے، جس میں وہ داخل نہ ہوتے ہوں۔ جس گھر میں جو شخص یادِ الٰہی میں مصروف ہوتا ہے، فرشتے اس کو سلام کہتے ہیں۔ اس سے مصافحہ کرتے ہیں۔ مصافحہ کرتے وقت انسان پر رقت طاری ہو جاتی ہے، مگر یہ کیفیت وہی محسوس کرتا ہے جو صدقِ دل سے یادِ الٰہی میں مشغول ہو۔

قرآن مجید کی اس ظاہراً چھوٹی سی سورہ میں شب قدر میں قرآن مجید کے نزول کے علاوہ اس کی اصلیت اور اس کی ہزار حکمتیں بیان کی گئی ہیں۔ ہمارے پیارے رسول ﷺ نے بھی اس رات کی عظمت کے بارے میں ارشاد فرمایا: مَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ اِيْمَانًا وَّ اِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ ۔ (بخاری، جلد اوّل، صفحہ: 270)

جو شخص شبِ قدر میں ایمان اور ثواب حاصل کرنے کی غرض سے قیام کرے تو اس کے سارے پہلے کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

فائدہ: قیام کرنے کا مطلب یہ ہے کہ کھڑا ہوا۔ اور قیام نماز میں کیا جاتا ہے۔ یعنی حکم دیا گیا کہ اگر تم اپنی بخشش کروانا چاہتے ہو تو اسی رات میں قیام کرو۔ یعنی نماز پڑھو، تلاوتِ کلام مجید کرو، تسبیح وتہلیل میں وقت صرف کرو۔ اس واسطے قیام نہ کرو کہ لوگ دیکھ کر کہیں کہ یہ

شخص بڑا نیک ہے۔ ساری رات عبادت کرتا ہے۔ اس طرح یہ دکھاوا بن جائے گا اور اللہ دکھاوے کے کاموں کو پسند نہیں فرماتا۔ اس لیے شب قدر میں خلوصِ نیت سے اپنے گناہوں کی بخشش کے لیے کھڑا ہونا چاہیے، تاکہ اللہ تعالیٰ ہمارے پہلے کے سارے گناہ معاف کردے۔

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ دَخَلَ رَمَضَانُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ هٰذَا الشَّهْرَ قَدْ حَضَرَكُمْ وَفِيْهِ لَيْلَةٌ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ مَنْ حُرِمَهَا فَقَدْ حُرِمَ الْخَيْرَ كُلَّهُ وَلَا يُحْرَمُ خَيْرَهَا اِلَّا كُلُّ مَحْرُوْمٍ ۔ (ابن ماجہ، مشکوۃ، صفحہ:173)

بعض لوگ بلکہ اکثر لوگ شبِ قدر جیسی عظیم المرتبت رات بھی غفلت اور سستی میں گنوا دیتے ہیں۔ ذرا سی دیر کے لیے اپنی نیند قربان کرکے 80 برس کی عبادت کا ثواب حاصل کیا جا سکتا ہے۔ مگر ہمیں تو نیند پیاری ہے۔ اگر ہماری نیند پوری نہ ہوئی تو ہمیں بخار چڑھ جائے گا اور بخار چڑھنے سے ہمارے کاروبار پر اثر پڑے گا۔ ہماری صحت کمزور ہوجائے گی۔ لہٰذا ہم اس رات میں جاگنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے۔ اگر ہمارے دلوں میں تڑپ اور جذبہ ہوتا تو ایک رات کیا اپنی ساری زندگی کا ایک ایک لمحہ اللہ کی رضا جوئی کے حصول کے لیے جاگتے، مگر ہم میں جوش وجذبہ اور دین اسلام کی تڑپ موجود نہیں ہے۔ ہمارا احساس مرچکا ہے۔ ہمارے دلوں پر غفلت کی دبیز تہیں جم چکی ہیں۔ ہمارے ضمیر مردہ ہوچکے ہیں۔ ہماری غیرت دم توڑ چکی ہے۔ مجموعی طور پر ہم مرچکے ہیں۔ یہ کیسی زندگی ہے کہ ایک ساتھ مر رہے ہیں اور جینے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ ہم تباہی کے مہیب گڑھوں کی طرف جان بوجھ کر بڑے شوق کے عالم میں بڑھے چلے جارہے ہیں۔ ہم اپنے اسلاف کے عظیم الشان کارناموں سے مرتب ہونے والی تاریخ کے چہرے پر سیاہ کالک ملنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ ہمیں فقط اور فقط اپنا مفاد عزیز ہے۔ اس کے لیے خواہ کتنے ہی دوسرے مسلمانوں کے مفاد کو پس پشت ڈالنا پڑے، کتنے افراد کی عزت وناموس کا چراغ گل کرنا پڑے۔ ہمیں اپنا ذاتی، ظاہری اور عارضی مفاد اس قدر عزیز ہے کہ ہم اس کے لیے دوسروں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگنے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ ہم تاریخ کی پیشانی پر کلنک کا ٹیکہ لگانے میں مصروف عمل ہیں۔ اغیار کو طعنہ دینے

والے آج خود نفسا نفسی کے عالم میں مبتلا ہیں۔ ہم مسیحائی کرنے والے تھے، مگر آج خود ہمیں کسی مسیحا کی ضرورت ہے۔ ہم دوسروں کی محفل میں چراغ جلانے والے تھے۔ آج ہماری محفل میں مہیب اندھیرے اپنا ڈیرہ ڈالے ہوئے ہیں۔ ہماری شمع جس سے اغیار بھی جلا حاصل کرتے تھے، آج وہی شمع بھڑک رہی ہے، مگر اس کی روشنی بہت کم ہے۔ اتنی کم ہے کہ ہمارے اردگرد پھیلے ہوئے اندھیرے میں نظر ہی نہیں آرہی اور ان مہیب اندھیروں میں ہم ٹھوکروں پر ٹھوکریں کھاتے ہوئے قعر مذلّت میں بڑی تیزی سے گرتے چلے جارہے ہیں۔

خداوند عظیم سے پرخلوص اور عاجزانہ دعا ہے کہ خداوند عظیم ہمیں ایمان کی روشنی سے سرفراز فرمائے تاکہ ہمارے اردگرد پھیلے ہوئے مہیب اندھیرے ختم ہوجائیں اور ہم اپنا سفر بخیر وخوبی طے کریں۔ آمین! ثم آمین!

شبِ قدر کون سی رات ہے

شبِ قدر کے تعین میں علمائے کرام میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض علمائے کرام اس رات کو سال کے دائرے میں شمار کرتے ہیں کہ کبھی وہ رمضان میں آتی ہے اور کبھی غیر رمضان میں آتی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ رمضان شریف میں آتی ہے اور خاص طور پر اسی کے ساتھ ہے۔ یہاں پر بھی علمائے کرام الجھن کا شکار ہیں کہ اگر شب قدر رمضان شریف کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں پوشیدہ ہے۔ 21,23,25,27 اور 29 تاریخ۔ ان تاریخوں میں سے کسی ایک میں بھی شب قدر ہوسکتی ہے اور کسی سال 21 کو آتی ہے تو کسی سال 23 اور کسی سال 25 کو آتی ہے۔ 21 سے لے کر 29 تک کی طاق راتوں میں پھرتی رہتی ہے۔

حضرت عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ شب قدر رمضان شریف کی 27 ویں رات ہوتی ہے۔ اپنے بیان کی درستگی کے لیے انھوں نے دو طرح سے وضاحت فرمائی ہے: اوّلاً یہ کہ لیلۃ القدر کا لفظ 9 رحرفوں پر مشتمل ہے۔ یہ کلمہ ساری سورۂ قدر میں تین مرتبہ استعمال کیا گیا ہے۔ اسی طرح ۳ کو 9 سے ضرب دینے سے 27 حاصل ہوتا ہے جو اس بات کا غماز ہے کہ شب قدر 27 ویں کو ہوتی ہے۔ دوسری توجیہ یہ پیش کرتے ہیں کہ یہ سورہ 30 الفاظ سے

مزین ہے۔ ستائیسواں کلمہ بھی ہے، جس کا مرکز لیلۃ القدر ہے۔ گویا خداوند عظیم کی طرف سے عقل مندوں اور اللہ والوں کے لیے یہ اشارہ ہے کہ رمضان شریف کی 27ویں رات کو شب قدر ہوتی ہے۔ (تفسیر عزیزی، صفحہ:259)

شب قدر کے تعین کے سلسلے میں علامہ شعرانی فرماتے ہیں کہ لیلۃ القدر کسی خاص تاریخ کو مخصوص نہیں ہے، بلکہ تمام دنوں کے راتوں میں آتی ہیں۔ اس امر سے فقط وہ لوگ ہی واقف ہو سکتے ہیں جو اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ اللہ کی یاد میں گزارتے ہیں، جن کو اپنا مفاد عزیز نہیں، بلکہ وہ اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے اپنا تن، اپنا من، اپنا دھن، اپنا وقت اور اپنی زندگی فلاحِ انسانیت کے لیے وقف کردیتے ہیں۔ وہ لوگ جو اللہ کے دوست ہیں، وہ لوگ جن کو باطنی بصارت عنایت کی گئی ہے، جس بصارت سے وہ آنے والے مہیب مظہرات کو دیکھ لیتے ہیں، جس بصارت سے وہ گنہگاروں اور عاصیوں کی تقدیر بدل ڈالتے ہیں، جس سے وہ چوروں کو بھی مقام ابدالیت عطا کردیتے ہیں، اسی بصارت سے وہ شبِ قدر کا آغاز معلوم کرلیتے ہیں۔

(کشف الغمہ، جلد اوّل، صفحہ:214)

علاماتِ شب قدر

ہر شے کی پہچان کے لیے کچھ نشانیاں ہوتی ہیں۔ مثلاً بارش ہونا ہو تو آسمان پر سیاہ ابر چھا جاتے ہیں اور جب قیامت قریب آئے گی تو لوگ شراب کا استعمال بکثرت کریں گے۔ سورج مشرق کی بجائے مغرب سے طلوع ہونا شروع ہوجائے گا۔ اسی طرح شب قدر کی پہچان کے لیے بھی کچھ نشانیاں مخصوص ہیں، جن سے پتہ چل جاتا ہے کہ یہ رات شب قدر کی ہے۔ اس کی چند علامتیں مخصوص ہیں جو شب قدر کی آمد کا اعلان ہوتی ہیں۔

کشف الغمہ، جلد اوّل، صفحہ:241 پر امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ مرقوم کرتے ہیں کہ شب قدر صاف اور شفاف ہوگی، نہ گرمی کی حدّت ہوگی اور نہ سردی کی شدت، موسم معتدل ہوگا، ہوا نہ ہوگی، فلک پر بادل نہ ہوں گے۔ اس رات بارش بھی نہ ہوگی اور نہ ہی شیاطین کو مارنے کے لیے ستاروں کو کسروں میں تبدیل کیا جائے گا۔ اس رات کی صبح کو خورشید بغیر شعاع کے

طلوع ہوگا۔

علمائے کرام نے فرمایا ہے کہ جب شب قدر تشریف لاتی ہے تو اس کی برکت سے سمندروں اور دریاؤں کے پانی میں مٹھاس کی ملاوٹ ہوجاتی ہے۔ ماسوائے انسان و جنات کے کائنات کا ہر ذرہ اللہ کی بزرگی کے اعتراف میں اللہ کے حضور سجدہ ریز ہوجاتا ہے، مگر ان باتوں کا علم ہر کس و ناکس کو نہیں ہوتا، بلکہ جو اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے ہوتے ہیں، ہر وقت محوِ معاش رہنے والوں کو اس رات کے حالات کا علم کیسے ہوسکتا ہے۔ کیونکہ یہ اس قابل ہی نہیں ہوتے۔ ان میں قوتِ ظرف ہی نہیں ہوتی کہ ان کو یہ نظارے دکھلائے جاسکیں۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں: ؎

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں
راہ دکھائیں کسے رہرو منزل ہی نہیں

اللہ تعالیٰ تو ہر کسی کو قلبی بصارت عطا کرنے کے لیے تیار ہے، مگر کوئی قلبی بصارت حاصل کرنے کے لیے اپنے ہونٹوں سے صدا بلند تو کرے، کوئی ہم سے مانگے تو سہی، مگر افسوس کہ کوئی طالب ہی نہیں ہے۔

شب قدر کا فائدہ

اس رات کے بے شمار فوائد ہیں۔ اس مقدس رات میں اللہ تعالیٰ ہر فرد کی مغفرت قبول فرماتا ہے۔ اس مقدس رات میں عبادت کا ثواب ہزار ہا گنا زیادہ کردیا جاتا ہے۔ ثواب اور مغفرت کے علاوہ اس رات کا فائدہ یہ بھی ہے کہ اس رات میں ایک گھڑی ایسی آتی ہے، جس میں مانگی ہوئی ہر دعا ہدفِ اجابت کا سینہ چاک کرتی ہوئی سینہ چاکانِ چمن سے سینہ چاکانِ چمن کا وصال کرجاتی ہے۔ اس رات میں ہم کو ایسی دعا لبوں پر لانی چاہیے جو دونوں جہانوں میں انسان کے لیے فائدہ دے۔ اس رات میں اللہ تعالیٰ کی رحمت پر آس رکھتے ہوئے اپنے گناہوں کی بخشش اور رضائے الٰہی کے حصول کے لیے دعا مانگنا چاہیے، کیونکہ حدیث شریف سے اسی بات کا اشارہ ملتا ہے: عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْهَا قَالَتْ يَا رَسُوْلَ

اللہ اَرَأَیْتَ اِنْ عَلِمْتُ اَیَّ لَیْلَةَ الْقَدْرِ، مَا اَقُوْلُ فِیْهَا قَالَ قُوْلِی اللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ۔ (رواہ احمد وابن ماجہ وترمذی، مشکوۃ، صفحہ:182)

ترجمہ: حضرت عائشہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتی ہیں کہ آپ نے عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے بتایئے کہ اگر مجھے شبِ قدر کا علم ہوجائے تو میں اس میں کیا دعا مانگوں؟ فرمایا: یہ دعا کرنا کہ: اے مولا! تو معاف کرنے والا ہے اور معافی کو دوست رکھنے والا ہے، مجھے معاف کردے۔

نوافلِ لیلۃ القدر

شبِ قدر بڑی عظیم البرکت ہے۔ اس میں نوافل کی ادائیگی باعثِ سعادت ہے، مگر کتابوں میں مندرجہ ذیل طریقے درج ہیں:

1- چار رکعت نوافل اس طرح پڑھے کہ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ اور سورۂ تکاثر ایک دفعہ اور سورۂ اخلاص تین مرتبہ پڑھے۔ اس کے دو فائدے ہوں گے: اوّل بوقتِ مرگ سکرات میں آسانی ہوگی۔ دوسرے عذابِ قبر سے محفوظ و مامون رہے گا۔ (نزہۃ المجالس، جلد1، صفحہ:129)

2- دو رکعت نمازِ نفل ادا کرے۔ اس ترکیب سے کہ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ ایک بار اور سورۂ اخلاص سات بار پڑھے۔ دوسری رکعت کے بعد تشہد پڑھے اور سلام پھیرنے کے بعد اپنی جگہ پر بیٹھ کر سات مرتبہ استغفر اللہ کا ورد کرے۔ ابھی جگہ چھوڑنے بھی نہ پائے گا کہ اللہ کی رحمت اس پر اور اس کے والدین پر جلوہ فگن ہوجائے گی۔ (تفسیر یعقوب پرتی)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس مقدس رات میں جاگ کر عبادت کرنے کی توفیق عطا فرمائے، تاکہ ہم بھی تجلیات الٰہی سے سرشار ہوسکیں۔ آمین

□□□

بائیسواں وعظ

فضیلتِ اعتکاف اور صدقۂ فطر کی واجبیت

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِی الْمَسٰجِدِ۔ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ۔ (سورۂ بقرہ، پارہ:2)

ترجمہ: اور خواتین سے مباشرت نہ کرو، جب تم مسجد میں اعتکاف کرو۔ یہ اللہ کی حدود ہیں اور اللہ اپنی نشانیاں یوں ہی لوگوں سے بیان کرتا ہے تاکہ وہ متقی بن جائیں۔

اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ اعتکاف کے متعلق ارشاد فرماتا ہے اور ساتھ ہی اعتکاف کرنے یعنی متقی بننے کے چند ضابطے اور اصول بھی ارشاد فرمائے تاکہ لوگوں کو متقی بننے میں آسانی رہے اور دقت پیش نہ آئے۔

تعریفِ اعتکاف

وہ مسجد جہاں اذان اور جماعت کے ساتھ نماز ادا کی جاتی ہو۔ اس میں اللہ کی رضا حاصل کرنے کا مقصد لے کر قیام کرنا اعتکاف کہلاتا ہے اور اعتکاف کرنے والا معتکف کہلاتا ہے۔

اقسامِ اعتکاف

اعتکاف کی تین اقسام ہیں:

اوّل یہ کہ منت مانی ہو کہ خداوند عظیم کے فضل واحسان سے فلاں کام بخیر وخوبی انجام پاجائے یا میرا فلاں عزیز بیماری سے نجات حاصل کرکے ہمکنار ہو تو میں اللہ کے فضل اور احسان کا شکر ادا کرنے کے لیے اتنے دن تک اعتکاف کروں گا۔

دوسری قسم سنتِ مؤکدہ کہلاتی ہے۔ یعنی بیسویں رمضان کو سورج غروب ہوتے وقت

اعتکاف کی نیت کرتے ہوئے مسجد میں موجود ہو اور پورے عشرے میں اعتکاف کرے، یعنی مسجد میں ہی قیام کرے اور عید الفطر کا چاند دیکھ کر اتمام اعتکاف کرے۔

اعتکاف کی تیسری قسم نفلی اعتکاف کی ہے۔ یعنی غیر مشروط ہے، نہ روزہ ہونا لازمی ہے اور نہ ہی خاص وقت مقرر ہے بلکہ مسجد میں داخل ہوتے وقت یہ نیت کرے کہ میں اللہ کی رضا جوئی کے لیے اتنے وقت تک مسجد میں قیام کر رہا ہوں جب تک وہ مسجد میں نماز، تسبیح و تہلیل اور تلاوتِ کلام مجید میں محو رہے گا، معتکف رہے گا اور جب مسجد سے چلا جائے گا تو اعتکاف بھی ختم ہو جائے گا۔ یہ اعتکاف عارضی طور پر ہوتا ہے۔

مسئلہ: اعتکاف کی دوسری قسم جو کہ سنت مؤکدہ ہے، یہ سنت علی الکفایہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اگر سارے شہر یا سارے گاؤں میں سے ایک شخص بھی معتکف ہو جائے گا تو اس کا اعتکاف سب گاؤں والوں کی طرف سے بھی ہوگا۔ اگر سب چھوڑ دیں تو سب سے جواب طلبی ہوگی۔ (درمختار)

جس طرح نمازِ جنازہ میں ہے کہ اگر چند لوگ بھی نمازِ جنازہ ادا کریں تو یہ سب اہلِ شہر کی طرف سے ادا ہو جاتی ہے اور اگر کوئی بھی ادا نہ کرے تو سب سے جواب طلبی ہوگی۔

فضیلتِ اعتکاف

معتکف یعنی اللہ کی رضا جوئی حاصل کرنے کے لیے مسجد میں قیام کرنے والا اپنے اس عمل سے یہ ظاہر کرتا ہے کہ اس نے اپنی زندگی میں ہی اپنے سب گھر بار کو چھوڑ کر اللہ کے گھر میں بسیرا کر لیا۔

ہماری عام اور معاشرتی زندگی میں یہ قاعدہ ہے کہ اگر کسی ذی وقار اور صاحب حیثیت کے ہاں کوئی شخص مہمان بن کر جائے تو وہ اس کی عزت و توقیر کرتا ہے، خواہ جانے والا اس کا دشمن ہی کیوں نہ ہو، تو پھر خداوند عظیم جو کہ تمام داتاؤں کا داتا ہے، اگر اس کے گھر میں کوئی مسلم جا کر پناہ طلب کرے تو کیا خداوند عظیم اس کی خاطر مدارت نہیں کرے گا۔ جب ایک عام شخص اپنے ہاں آنے والوں کی عزت و توقیر کرتا ہے تو خداوند عظیم اپنے ہاں آنے والے کی عزت و توقیر کیوں نہ فرمائے گا؟

اعتکاف کی فضیلت کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے کئی مواقع پر گوہر افشانی فرمائی، ایک مرتبہ فرمایا: قَالَ الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنِ اعْتَكَفَ عَشْرَ رَمَضَانَ كَانَ كَحَجَّتَيْنِ وَعُمْرَتَيْنِ۔ (کشف الغمہ، جلد اوّل، صفحہ:212)

ترجمہ: حضرت علی کے صاحبزادے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسولِ مقبول ﷺ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ رمضان کے آخری عشرے میں معتکف ہونا دو حج اور دو عمرہ کرنے کے برابر ہے۔

ایک اور موقع پر یہ ارشاد فرمایا: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اعْتَكَفَ مَا بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ فِيْ مَسْجِدِ جَمَاعَةٍ لَمْ يَتَكَلَّمْ اِلَّا بِصَلٰوةٍ وَّقُرْاٰنٍ كَانَ حَقًّا عَلَى اللهِ اَنْ يَّبْنِيَ لَهٗ قَصْرًا فِي الْجَنَّةِ۔ (کشف الغمہ، جلد اوّل، صفحہ:212)

ترجمہ: پیارے رسول ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص مسجد میں مغرب سے لے کر عشاء تک معتکف رہے (یعنی اللہ کی رضا کے لیے قیام کیے رہے) اور نماز و قرآن مجید کی تلاوت کے سوا کلام نہ کرے تو اللہ پر لازم ہے کہ اپنے کرم سے اس (معتکف) کے لیے جنت میں محل تیار کرے۔

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنِ اعْتَكَفَ يَوْمًا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللهِ جَعَلَ اللهُ بَيْنَهٗ وَ بَيْنَ النَّارِ ثَلَاثَ خَنَادِقَ اَبْعَدُ مِمَّا بَيْنَ الْخَافِقَيْنِ۔

ترجمہ: ہمارے پیارے رسول ﷺ ارشاد فرمایا کرتے تھے جو شخص رضائے حق کے لیے ایک دن بھی مسجد میں قیام کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے اور دوزخ کے درمیان تین خندقوں کی آڑ بنا دے گا، جن کی مسافت آسمان و زمین کی مسافت سے بہت زیادہ ہے۔

مشکوٰۃ، صفحہ:183 پر فضیلتِ اعتکاف کے متعلق ابن عباس سے روایت ہے، جس کو ابن ماجہ نے روایت کیا ہے: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي الْمُعْتَكِفِ هُوَ يَعْتَكِفُ الذُّنُوْبَ وَيُجْرِىْ

لَهٗ مِنَ الْحَسَنَاتِ كَعَامِلِ الْحَسَنَاتِ كُلِّهَا۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ کی رضا کے لیے مسجد میں قیام کرنے والے (معتکف) کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ معتکف اعتکاف کی بدولت گناہوں سے باز رہتا ہے اور نیکیوں کا اتنا ثواب حاصل کرتا ہے جیسے اس نے تمام نیکیاں ہی کی ہیں۔

فائدہ: نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد میں دو بڑے فائدے پوشیدہ ہیں، جن کی وضاحت فرمائی گئی کہ معتکف اعتکاف کی برکت سے گناہوں سے محفوظ رہتا ہے۔ یہ فائدہ اتنا بڑا ہے کہ اس کے برابر کوئی دوسرا فائدہ نہیں، کیونکہ جب انسان گناہوں سے محفوظ رہے گا تو اللہ تعالیٰ کا مقرب ہوگا۔ جب اللہ کا مقرب ہوگا تو اس پر اللہ کی خصوصی رحمتوں کا نزول ہوگا۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اعتکاف کے عالم میں ہونے کی وجہ سے انسان بہت سے نیک اعمال میں شریک نہیں ہوسکتا (مثلاً نمازِ جنازہ، مریض کی عیادت اور مظلوم کی اعانت وغیرہ) مگر اللہ کی رحمت ملاحظہ ہو کہ معتکف حضرات کو ان سب نیک اعمال کا بھرپور ثواب ملتا ہے۔

مسئلہ: اعتکاف کرنے کے لیے مسلمان مرد کو مسجد کے ایک گوشے میں بیٹھنا چاہیے۔ جب کہ خاتون اپنے گھر کی مسجد میں اعتکاف کرے۔ اگر گھر میں مسجد نہ ہو تو گھر کا ایک گوشہ اس مقصد کے لیے استعمال کرے۔

معتکف مرد اور خاتون بغیر کسی شرعی اور طبعی عذر کے اپنی جگہ سے باہر نہ نکلیں، ورنہ ان کا اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔ مثلاً رفع حاجت کے لیے اپنی جگہ چھوڑنے کے مجاز ہیں، مگر بغیر وجہ اپنی جگہ چھوڑیں گے تو ان کا اعتکاف ٹوٹ جائے گا، کیونکہ ان کا یہ عمل فقط اللہ کی رضا کے لیے نہیں رہے گا بلکہ اس میں ان کی اپنی رضا بھی شامل ہوجائے گی اور اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔

صدقۂ فطر کی واجبیت کی حکمت

گرامی قدر! اُلجھنیں انسانی زندگی کا حصہ ہیں، لیکن خداوند عظیم نے ہر الجھن کا حل بھی تجویز فرمادیا۔ مثلاً بیماری میں دوا پلادی، اس طرح بعض اوقات جھوٹ ہرزہ گوئی سے روزہ

بیمار پڑ جاتا ہے، تو روزے کی بیماری دور کرنے کے لیے صدقۂ فطر واجب قرار دیا گیا تاکہ روزے کی صحت بحال رہے اور ہمیں پورا پورا فائدہ رہے۔

صدقۂ فطر کے واجب ہونے کی ایک دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ عید کا دن خوشیوں اور مسرتوں کا دن ہے۔ ہر مسلمان کا دل خوشی سے معمور ہوگا۔ اس خوشی اور مسرت کے موقع پر گھروں میں عمدہ عمدہ پکوان تیار کیے جائیں گے۔ طرح طرح کی لذیذ ڈشیز تیار کی جائیں گی۔ لوگ عمدہ کپڑے زیب تن کر کے نمازِ عید کی ادائیگی کے لیے مسجدوں میں جائیں گے، مگر عمدہ پکوان کے ساتھ طرح طرح سے پرمزہ ڈشیز پکوان اور عمدہ کپڑے سلوانا امیروں کے لیے آسان ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور احسان سے ان کے پاس دولت ہے، مگر مفلس و نادار لوگ ایسی خوشیوں سے محروم رہتے ہیں۔ معمولی کھانے کا انتظام کرنا بھی ان کے بس میں نہیں۔ چہ جائیکہ وہ عمدہ عمدہ کھانے اور اپنے بال بچوں کے لیے عمدہ کپڑے سلوا سکیں۔ معاشرے کی اس ناہمواری کو ختم کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے متمول اور صاحبِ ثروت لوگوں پر صدقۂ فطر واجب قرار دیا تاکہ غریب لوگ اپنے بال بچوں کے لیے کھانے وغیرہ کا انتظام کرسکیں۔ عید کے پرمسرت موقع پر وہ کسی احساسِ کمتری کا شکار نہ ہونے پائیں اور دوسرے افراد کی طرح وہ بھی عید سعید کی خوشیوں میں دوسرے کے ہم رکاب ہوسکیں۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَكٰوةَ الْفِطْرِ طُهْرَةً لِّلصِّيَامِ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ وَطُعْمَةً لِّلْمَسَاكِيْنِ۔

(رواہ ابوداؤد و مشکوٰۃ، صفحہ: 160)

دیلمی و خطیب و ابن عساکر حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بندے کا روزہ زمین و آسمان کے درمیان اس وقت تک معلق رہتا ہے جب تک کہ صدقۂ فطر ادا نہ کرے۔

صدقۂ فطر کے کچھ مسائل

صدقۂ فطر ہر مسلمان پر جو کہ آزاد ہے، صاحبِ نصاب ہے اور نصاب ایسا کہ حاجتِ

اصلیہ سے فارغ ہو تو اس پر صدقۂ فطر واجب ہے۔ صدقۂ فطر گھر کے تمام افراد کی طرف سے ادا کرنا چاہیے، کیونکہ اس میں مرد و خاتون، عاقل و بالغ اور بہت زیادہ مالدار ہونے کی کوئی شرط نہیں۔

درِ مختار میں ہے کہ مرد صاحبِ نصاب پر اپنی نابالغ اولاد کا صدقۂ فطر واجب ہے۔ نیز صدقۂ فطر سے روزہ شرط نہیں۔ بلکہ صدقہ اس پر بھی واجب ہے، جس نے بلا عذر یا باعذر روزے نہیں رکھے۔ اسی کتاب میں ہے کہ مرد پر اپنی اہلیہ اور بالغ اولاد کا صدقۂ فطر واجب نہیں خواہ وہ اپاہج ہوں اور ان کے تمام نان و نفقہ اس کے ذمّے ہوں۔

صدقۂ فطر کی مقدار گیہوں یا اس کا آٹا، نصف صاع۔ اگر گیہوں اور آٹا نہ ہو تو ستّو بمقدار نصف صاع۔ اگر یہ تینوں اشیا نہ ہوں تو ان کے بدلے میں کھجور بمقدار پورا صاع صدقۂ فطر کے لیے واجب ہے۔

انسان کی طبیعت جدّت طراز ہے۔ پہلے زمانے کے اُصول اور خیالات اب قدیم اور فرسودہ خیال کیے جاتے ہیں، ان کے لیے نئے قوانین اور نئے اصول وضع کر لیے جاتے ہیں۔ نئے ضابطے بنا لیے جاتے ہیں۔ زمانے کی اقدار تبدیل کر دی جاتی ہے۔ اس طرح پہلے زمانے میں نصف صاع کی مقدار کسی اور حساب سے شمار کی جاتی تھی، مگر آج کے زمانے میں ہمارے یہاں تولوں کے اعتبار سے ساڑھے چار سیر احتیاط ہے اور پورے صاع کی مقدار ۹ سیر فی کس ہوگی۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو صدقۂ فطر پورا پورا ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

□□□

بیسواں وعظ

فضیلتِ یومِ جمعہ

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ (سورۂ جمعہ، آیت:9)

قرآن مجید کے اٹھائیسویں پارے کی مندرجہ بالا آیت مقدسہ کا ترجمہ یہ ہے کہ:

اے اہلِ ایمان! جب جمعہ کے دن نماز کے لیے اذان ہو تو اللہ کے ذکر کے لیے بڑھو اور خرید و فروخت ترک کر دو، یہ تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم دانا ہو۔

شانِ نزول

ہمارے پیارے رسول حضرت محمد ﷺ مسجد میں اپنی تشریف آوری کا اعلان فرمایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ یوں ہوا کہ آپ ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے، لوگ خرید و فروخت میں مشغول ہو گئے اور صرف 12/افراد آپ ﷺ کے ہمراہ رہ گئے۔ اسی سبب یہ آیت مقدسہ نازل ہوئی۔ (تذکرۃ الواعظین، صفحہ:34)

فرضیتِ صلوٰۃِ جمعہ کی حکمت

حضرت محمد ﷺ اسلام جیسے مقدس اور عظیم دین کو لائے۔ دین اسلام نے ایک دن میں پانچ مرتبہ نماز فرض قرار دی اور نماز باجماعت کی بھی بڑی سختی سے تاکید فرمائی، مگر جماعت کو اس قدر لازمی قرار نہیں دیا کہ اگر انسان جماعت میں شامل نہ ہو سکے تو نماز کی ادائیگی ہی نہ کر سکے، لیکن ہفتے بھر میں ایک دن ایسی نماز فرض قرار دی، جس کی ادائیگی کی خاطر جماعت میں حاضر ہونا لازمی قرار دیا۔ اگر جماعت میں شامل ہو کر نماز کی ادائیگی کی تو ٹھیک، ورنہ نماز کی ادائیگی مشکوک ہوگی۔

ہفتہ بھر میں ایک نماز کی ادائیگی کی خاطر جماعت میں شامل ہونے کی لازمی پابندی مقرر کرنے میں حکمت یہ ہے کہ اہلِ اسلام ہفتہ میں ایک دن ایک مرکز میں جمع ہوں۔ ایک دوسرے کو اپنے واقعات وحالات سے آگاہ کرتے رہیں۔ ایک دوسرے کے رنج وغم کو اپنا رنج وغم خیال کریں، نیز مسلمانوں کو اسلام کے مسائل سے آگاہی ہو۔ لوگوں میں باہمی محبت فروغ پائے اور غیر مسلم اقوام اسلام کے رعب ودبدبے تلے رہیں۔ اسی وجہ سے ہفتہ بھر میں ایک نماز کی جماعت لازمی قرار دی اور ہفتہ بھر کے دنوں میں سیاسی مقصد کے واسطے جمعہ کا دن منتخب کیا گیا اور دن کی مناسبت سے نماز کا نام نمازِ جمعہ رکھا گیا۔

فضائلِ یومِ جمعہ

خداوند کریم کو سب دنوں سے پیارا دن جمعہ ہے۔ اپنے آخری کلام قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے جمعہ کا ذکر بڑے اہتمام سے کیا ہے۔ جمعہ کی فضیلت کا اس بات سے بھی پتہ چلتا ہے کہ اس کا ذکر قرآن مجید میں بڑی دھوم دھام سے آتا ہے۔ علاوہ ازیں ہمارے پیارے رسول حضرت محمد ﷺ نے بھی جمعہ کی فضیلت کے بارے میں ارشاد فرمایا:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةُ الْجُمُعَةِ اَغَرُّ وَيَوْمُ الْجُمُعَةِ اَزْهَرُ ۝ (رواہ البیہقی، مشکوٰۃ، صفحہ:21)

رسولِ پاک ﷺ کا ارشاد ہے کہ جمعہ کی رات روشن اور جمعہ کا دن چمک دار ہے۔

عَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَكْثِرُوا الصَّلٰوةَ عَلَيَّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَاِنَّهٗ مَشْهُوْدٌ يَشْهَدُهُ الْمَلَائِكَةُ وَاِنَّ اَحَدًا لَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ اِلَّا عُرِضَتْ عَلَيَّ صَلٰوتُهٗ حَتّٰى يَفْرُغَ مِنْهَا قَالَ قُلْتُ وَبَعْدَ الْمَوْتِ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى الْاَرْضِ اَنْ تَاْكُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَاءِ فَنَبِيُّ اللّٰهِ حَيٌّ يُرْزَقُ ۝
(رواہ ابن ماجہ، مشکوٰۃ، صفحہ:121)

ابودردا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جمعہ کے روز مجھ پر درود کی کثرت کرو۔ بے شک وہ گواہی دیا گیا ہے، جس میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔

کوئی ایک بھی مجھ پر درود نہیں پڑھتا، مگر وہ مجھ کو پیش کیا جاتا ہے، یہاں تک کہ فراغت حاصل کرے۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: بعد از موت بھی؟ فرمایا: لاریب اللہ نے زمین پر انبیا کے اجسام کو کھانا حرام کر دیا ہے۔ پس اللہ کا نبی زندہ ہوتا ہے۔ (اسے) رزق دیا جاتا ہے۔

جمعہ کی فضیلت کے بارے میں ایک اور حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یوں روایت کی ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُ يَوْمٍ طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ يَوْمُ الْجُمُعَةِ فِيْهِ خُلِقَ اٰدَمُ وَفِيْهِ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ وَفِيْهِ اُخْرِجَ مِنْهَا وَلَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ اِلَّا فِيْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ ۝ (رواہ مسلم، مشکوٰۃ، صفحہ:119)

حضور ﷺ نے فرمایا کہ بہترین دن جس پر سورج طلوع ہوتا ہے، جمعہ کا دن ہے۔ اسی دن آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تخلیق ہوئی۔ اسی دن جنت میں داخل کیے گئے اور اسی دن جنت سے نکالے گئے اور اس دن کے سوا قیامت قائم نہ ہوگی۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر سے ایک حدیث مروی ہے جو یوم جمعہ کی فضیلت کی عکاس ہے۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَمُوْتُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ اَوْ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ اِلَّا وَقَاهُ اللّٰهُ فِتْنَةَ الْقَبْرِ ۝ (رواہ احمد، ترمذی مشکوٰۃ ص121)

حضرت محمد ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات کو انتقال کرے، اللہ اس کو عذابِ قبر سے محفوظ رکھتا ہے۔

نزہۃ المجالس، جلد اوّل، صفحہ:107 پر حضرت ابویعلیٰ انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت مرقوم ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جمعہ کے دن اور رات میں چوبیس گھنٹے ہوتے ہیں اور ہر گھنٹے میں اللہ تعالیٰ چھ لاکھ آدمی جہنم سے آزاد کرتا ہے، جن پر دوزخ لازمی ہو چکی ہوتا ہے۔

سبحان اللہ! ایک گھنٹہ میں چھ لاکھ کی دوزخ سے آزادی۔ اگر چوبیس کو چھ سے ضرب دیں تو حاصل ضرب ایک سو چوالیس لاکھ ہوتا ہے۔ گویا جمعہ کے دن ایک سو چوالیس لاکھ افراد جہنم سے رہائی پاتے ہیں۔

تذکرۃ الواعظین، صفحہ: 35 پر مرقوم ہے کہ زردان اپنے استاذِ محترم کے ہمراہ حضرت رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا: جب جمعہ کے دن کی آمد ہوتی ہے تو بحکم خداوند قدوس تمام ملائکہ بیت المعمور میں جمع ہوتے ہیں۔ حضرت جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام چاندی کے سفید روشن مینارے پر چڑھ کر اذان دیتے ہیں۔ حضرت میکائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام یاقوت کے سرخ مینارے پر کھڑے ہو کر ملائکہ سے خطاب کرتے ہیں۔ حضرت اسرافیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نمازِ جمعہ پڑھاتے ہیں۔ حضرت عزرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام تکبیر کہتے ہیں۔ نماز سے فراغت کے بعد بلند آہنگی سے حضرت جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام کہتے ہیں: اے ملائکہ! گواہ رہنا، میں نے اپنی اذان کا ثواب محمد ﷺ کی اُمت کے مؤذن کو بخشا۔ حضرت میکائیل کہتے ہیں: اے ملائکہ! گواہ رہنا، میں نے اپنے خطبہ کا ثواب محمد ﷺ کی اُمت کے خطبہ پڑھنے والوں کو بخش دیا۔ اسرافیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کہتے ہیں: اے فرشتو! گواہ رہنا، میں نے اپنی امامت کا ثواب محمد ﷺ کی اُمت کے اماموں کو بخشا۔ حضرت عزرائیل کہتے ہیں: اے ملائکہ! گواہ رہنا، میں نے اپنی تکبیرات کا ثواب محمد ﷺ کی اُمت کے تکبیر خوانوں کو بخشا۔ پھر تمام ملائکہ کہتے ہیں: اے فرشتگانِ خدا! گواہ رہنا، ہم نے اپنی نماز کا ثواب محمد ﷺ کی امت کے مقتدیوں کو بخشا۔ حق تعالیٰ فرشتوں کو ندا دیتا ہے۔ تم ہمارے حضور اپنی سخاوت کا اظہار کرتے ہو، حالانکہ سخاوت اور جود وکرم کا سرچشمہ تو ہم ہیں۔ ہم تو سب کو گواہ کرتے ہیں کہ ہم نے اپنے برگزیدہ بندے حضرت محمد ﷺ کی تمام امت کو بخش دیا ہے اور روزِ محشر ہم بغیر حساب وکتاب داخل جنت کریں گے۔

جمعہ کے روز غسل کرنا، خوشبو لگانا، اچھے لباس زیب تن کرنا باعثِ ثواب ہیں۔ ہفتہ بھر میں جمعہ ایک دن ایسا مقرر کیا گیا ہے، جس دن مسلمانوں نے اجتماع کی صورت میں اپنے خالق حقیقی کی عبادت کے لیے جامع مسجد میں جمع ہونا ہوتا ہے۔ جمعہ کا دن عید کا دن ہوتا ہے، اس لیے اس دن غسل کرنا، خوشبو لگانا، عمدہ اور صاف ستھرے کپڑے زیب تن کرنا بہت اچھی بات ہے۔ علاوہ ازیں اگر بدن میلا ہوگا تو میل کی وجہ سے جسم کے مساموں سے نکلنے والا پسینہ بدبودار ہوگا، جس سے دوسرے نمازیوں کی طبع پر یہ بات گراں گزرے گی۔ اس واسطے

ہمارے پیارے رسول احمد مجتبیٰ محمد مصطفی ﷺ شبِ اسراء کے دولہا حضرت محمد ﷺ نے اپنی اُمت کے لوگوں کو روزِ جمعہ غسل کرنے اور خوشبو لگانے کا حکم دیا ہے۔ جمعہ کے روز غسل کرنا اور خوشبو لگانا صرف اسی لحاظ سے ہی ضروری نہیں کہ اس سے دیگر نمازیوں کی طبائع پر کوفت ہوگی بلکہ جمعہ کے دن غسل کرنے سے آخرت میں بھی بے شمار فوائد ہیں:

عَنْ سَلْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَغْتَسِلُ رَجُلٌ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَيَتَطَهَّرُ مَا اسْتَطَاعَ مِنْ طُهْرٍ وَيُدْهِنُ مِنْ دُهْنِهِ اَوْ يَمَسُّ مِنْ طِيْبِ بَيْتِهِ ثُمَّ يَخْرُجُ فَلَا يُفَرِّقُ بَيْنَ اِثْنَيْنِ ثُمَّ يُصَلِّيْ مَا كُتِبَ لَهُ ثُمَّ يَنْصُتُ اِذَا تَكَلَّمَ الْاِمَامُ اِلَّا غُفِرَ لَهُ مَا بَيْنَهُ وَ بَيْنَ الْجُمُعَةِ الْاُخْرٰى ۝ (رواہ البخاری، مشکوٰۃ، صفحہ:133)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص جمعہ کے دن غسل کرے اور پاکیزگی حاصل کرے اور مقدور بھر اپنا تیل استعمال کرے، پھر اپنے گھر سے خوشبو لگائے، پھر مسجد کی طرف جائے اور دو اشخاص میں تفرقہ نہ ڈالے اور پھر نماز پڑھے جو اس کے لیے مقرر کی گئی ہے، جس وقت امام خطبہ پڑھے تو چپ ہو جائے تو اس کے پچھلے جمعہ سے لے کر اس جمعہ تک سرزد ہونے والے گناہ بخشے جاتے ہیں۔

اسی طرح حضرت اوس بن اویس روایت کرتے ہیں:

قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ غَسَّلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَ اغْتَسَلَ وَبَكَّرَ وَابْتَكَرَ وَمَشٰى وَلَمْ يَرْكَبْ وَدَنَا مِنَ الْاِمَامِ وَاسْتَمَعَ وَلَمْ يَلْغُ كَانَ لَهُ بِكُلِّ خُطْوَةٍ عَمَلُ سَنَةٍ اَجْرُ صِيَامِهَا وَ قِيَامِهَا ۝ (رواہ الترمذی و ابوداؤد ونسائی وابن ماجہ، مشکوٰۃ، صفحہ:122)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص جمعہ کے روز نہلائے اور خود نہائے اور اوّل وقت (مسجد میں) آئے اور خطبہ کے آغاز میں شرکت کرے اور پیدل آئے، سواری پر نہ آئے اور امام کے نزدیک رہے۔ خطبہ سنے اور لغو کام نہ کرے تو اس کے لیے ہر قدم کے بدلے سال بھر کا عمل ہے۔ ایک سال کے روزے اور راتوں کے قیام کا اس کے لیے اجر ہے۔

فائدہ: حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے: مَنْ غَسَّلَ یعنی کہ جو نہلائے۔ اس کے تین مطالب ہو سکتے ہیں۔ سب سے پہلے یہ ہو سکتا ہے کہ اپنے کپڑوں کو غسل دے، یعنی ان کو دھوئے۔ دوسرے یہ کہ کسی دوسرے فرد کے لیے نہانے کے اسباب اور سامان مہیا کر دے، یعنی دوسرے کے لیے پانی، صابن اور تیل کا انتظام کر دے۔ تیسرے یہ کہ اپنی اہلیہ سے صحبت کرے تا کہ اس کو غسلِ جنابت کی حاجت ہو۔ اس سے ایک تو یہ ہوگا کہ دل میں زنا کا خیال نہیں آئے گا اور دوسرے نماز میں خوب دل لگے گا۔

نزہۃ المجالس، جلد: اوّل، صفحہ: 111 پر حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول منقول ہے کہ جب مرد اور خاتون غسل کرتے ہیں تو ان کے جسم سے بہنے والے پانی کے ہر قطرے سے ایک فرشتہ تخلیق کیا جاتا ہے جو مرد اور عورت کے لیے تا محشر استغفار کرتا رہے گا۔

اسی طرح جمعہ کے روز عمدہ یعنی صاف ستھرے کپڑے زیب تن کرنا ثواب ہے۔ نزہۃ المجالس، جلد اوّل، صفحہ: 112 کی ایک روایت کے مطابق حضور ﷺ جمعہ کے دن نئے کپڑے زیب تن فرماتے۔

جمعہ کے روز بالخصوص اور دیگر ایام میں بالعموم سفید کپڑے پہننا محبوب عمل ہے:

اِلْبِسُوْا مِنْ ثِیَابِکُمُ الْبَیَاضِ فَاِنَّھَا اَطْیَبُ وَاَطْھَرُ وَ کَفِّنُوْا فِیْھَا مَوْتَاکُمْ ۰ (رواہ الترمذی، نزہۃ المجالس، صفحہ: 112)

سفید لباس پہنو کیونکہ وہ عمدہ اور زیادہ پاکیزگی والا ہوتا ہے اور ان ہی سے اپنے مُردوں کو کفن دو۔

اس طرح دیگر ایام میں بالعموم سر پر ٹوپی اور جمعہ کے روز بالخصوص دستار باندھنا افضل ہے۔ ہمارے پیارے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلٰی اَصْحَابِ الْعَمَائِمِ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ ۰

بے شک اللہ کے ملائکہ اور خود اللہ دستار باندھنے والوں پر صلوٰۃ پڑھتے ہیں۔

مندرجہ بالا حدیث کشف الغمہ، صفحہ: 142 اور نزہۃ المجالس، صفحہ: 112 پر مرقوم ہونے کے علاوہ احیاء العلوم، جلد اوّل، صفحہ: 187 پر بھی درج ہے۔

مشکوٰۃ، صفحہ: 122 پر مرقوم ہے کہ آنحضور ﷺ جمعہ کے روز خطبہ دینے کے لیے اپنے سرِ اقدس پر سیاہ عمامہ اوڑھتے اور اس کی دونوں طرفین اپنے شانوں کے درمیان لٹکاتے۔

اس طرح نزہۃ المجالس، جلد اوّل، صفحہ: 112 پر ایک روایت یوں مرقوم ہے کہ جو شخص دستار باندھ کر نماز پڑھے، اس شخص کی نماز بغیر دستار نماز پڑھنے والے کی نماز سے 25 گنا زیادہ درجہ افضل ہوتی ہے اور دستار باندھ کر جمعہ پڑھنے والے کا جمعہ بغیر دستار باندھنے والے کے جمعہ پڑھنے کے جمعہ سے 70 درجہ افضل ہے۔

جمعہ کے روز گردنیں پھلانگنا منع ہے

جمعہ کے روز بعض دوست احباب دیر سے آتے ہیں اور اگلی صف میں جگہ حاصل کرنے کے لیے لوگوں کی گردنیں پھلانگ کر آگے جاتے ہیں۔ ایسا کرنا گناہ اور ناجائز ہے، کیونکہ اس سے دوسرے نمازیوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ بے شک اگلی صف میں بیٹھنے کا ثواب زیادہ ہوتا ہے لیکن اس زیادہ ثواب کے لیے یہ بھی تو ضروری نہیں کہ دوسروں کو تکلیف دی جائے۔ اگر لازمی طور پر زیادہ ثواب حاصل کرنا ہے تو جلدی اور پہلے آنے کی کوشش کرنا چاہیے۔ بصورت دیگر مسجد میں جس جگہ اور جہاں جگہ مل جائے، وہیں بیٹھ جانا چاہیے، خواہ اگلی صف ہو یا پچھلی۔

ہمارے پیارے رسول ﷺ کا ارشاد ہے: مَنْ تَخَطّٰی رِکَابَ النَّاسِ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ اتَّخَذَ جِسْرًا اِلٰی جَھَنَّمَ ۰ (رواہ الترمذی، صفحہ: 122، مشکوٰۃ)

جس نے جمعہ کے دن لوگوں کی گردنوں کو پھلانگا گویا اس نے جہنم کی طرف پل بنایا۔

اسی طرح زواجر، جلد اوّل، صفحہ: 123 پر حضرت عبد اللہ بن بسر سے روایت منقول ہے:

قَالَ جَاءَ رَجُلٌ یَتَخَطّٰی رِکَابَ النَّاسِ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ وَالنَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَخْطُبُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِجْلِسْ فَقَدْ اٰذَیْتَ ۰

حضرت عبد اللہ بن بسر سے روایت ہے کہ ایک شخص جمعہ کے روز لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہوا آیا۔ نبی کریم ﷺ خطبہ پڑھ رہے تھے۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ بیٹھ جاؤ۔ تم

نے (لوگوں کو) اذیت دی۔

مندرجہ بالا احادیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جمعہ کے روز گردنیں پھلانگنا ممنوع ہے۔ گو کہ اگلی صف میں بیٹھنے سے زیادہ ثواب حاصل ہوتا ہے، لیکن یہ اسی صورت میں ہے کہ پہلے آکر اگلی صف میں نشست حاصل کی جائے۔ بصورت دیگر اگلی صف میں جگہ حاصل کرنے کے لیے لوگوں کی گردنیں پھلانگنا ممنوع ہے، بلکہ اس سے بجائے ثواب کے گناہ ہوتا ہے۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ جمعہ کے روز سویرے سویرے پاکی حاصل کرکے یعنی بغلوں کے بال اور موئے زیرِ ناف صاف کرکے، نہادھوکر صاف ستھرے کپڑے پہن لیں اور جمعہ کی اذان ہوتے ہی خرید وفروخت چھوڑ کر اللہ کے ذکر کے لیے مسجد میں جاکر اگلی صف میں جگہ حاصل کرلیں اور زیادہ ثواب حاصل کریں اور جمعہ کے دن مسجد میں خوشی خوشی حاضر ہوں۔

انیس الواعظین، صفحہ: 200 پر مرقوم ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن آنے سے خوش ہوتا ہے، اللہ اس کی خوشی سے ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے، جس کے ۱۰ رلاکھ سر ہوتے ہیں۔ ہر سر میں دس لاکھ چہرے اور ہر چہرے میں دس لاکھ دہن ہوتے ہیں اور ہر دہن میں دس لاکھ زبانیں ہوتی ہیں اور ہر زبان میں دس لاکھ نعمت ہیں۔ قیامت تک وہ فرشتہ اللہ کی تسبیح کرتا ہے اور اس کی تمام عبادات کا ثواب اس خوشی کرنے والے کو ملتا ہے اور اللہ اس کو خوشی دے گا، ملال کے دن میں جس کے بعد اس کو کبھی غم نہ ہوگا۔

قارئین کرام! اگر دس لاکھ سر ہوں اور ہر سر میں دس لاکھ چہرے ہوں تو اس حساب سے دس کھرب چہرے ہوئے اور اگر ہر چہرے میں دس لاکھ دہن ہوں تو مجموعی دہن کی تعداد دس سنکھ ہوئی جو کہ انسان کی گنتی کا آخری اسٹیج ہے اور اگر ہر دہن میں دس لاکھ زبانیں ہوں تو زبانوں کی مجموعی تعداد ایک کروڑ سنکھ ہوئی۔ گویا ایک کروڑ سنکھ زبانوں سے اللہ خداوند تعالیٰ کی تسبیح وتہلیل کا ثواب اس خوشی کرنے والے کو ملتا ہے۔

سبحان اللہ! کیا شان ہے جمعہ کے مبارک دن کی۔ انسانی ذہن تصور بھی نہیں کرسکتا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق بخشے کہ ہم جمعہ کے روز نہادھوکر نمازِ جمعہ کے لیے حاضر ہوں۔ آمین!

□□□

چوبیسواں وعظ

جمعۃ الوداع کی تعلیم

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآءِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ یَعِظُکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ ۝ (سورۂ نحل، پارہ: 14)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ انصاف، نیکی اور رشتے داروں سے احسان کرنے کا حکم فرماتا ہے اور بے حیائی و بری باتوں سے منع فرماتا ہے اور سرکشی سے۔ تمھیں نصیحت فرماتا ہے کہ تم دھیان کرو۔

برادرانِ اُمتِ مسلمہ! خداوند عظیم کے سوا کائنات کی ہر شے فانی ہے۔ ستاروں سے لے کر سورج تک، نہروں سے لے کر سمندروں تک، زمین سے لے کر آسمان تک، ریت کے معمولی ذرّے سے لے کر بلند وبالا پہاڑوں تک، نالی میں رینگنے والے حقیر ترین حشرات سے لے کر اشرف المخلوقات انسان تک، کائنات کی ہر شے فانی ہے۔ جو شے بھی اس جہاں میں آئی اسے ایک نہ ایک روز ختم ہونا ہے۔

فرعون زمین پر بڑا بن بیٹھا۔ اس نے اپنے آپ کو خدا کا سمجھ لیا اور خود کو لافانی سمجھنے لگا۔ اپنی جھوٹی خدائی کی بلند وبالا عمارت تعمیر کردی۔ اچانک ایک طرف سے اللہ کے پیغمبر حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام سچائی کی تلوار ہاتھ میں لیے نمودار ہوئے اور آنِ واحد میں خدائی دعویدار فرعون کی جھوٹی خدائی کے ٹکڑے ٹکڑے کردیے اور یہ ثابت کردیا کہ فرعون جیسے بڑے بھی فانی ہیں۔ اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حق وصداقت کی آندھی بن کر نمرود کے ظلم و ستم کی آگ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بجھا کر یہ ثابت کردیا کہ کائنات کی ہر شے فانی ہے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے یزید کے ظلم وستم اور جھوٹ کے خلاف سر دے کر ثابت کردکھایا کہ

کائنات کی ہر شے فانی ہے۔

واقعی کائنات کی ہر شے فانی ہے۔ ہر روز سر شام فلک پہ لاکھوں ستارے جھلملاتے ہیں اور صبح ہونے سے قبل ہی چشم تماشا کو حیران چھوڑ کر روپوش ہو جاتے ہیں اور اس حقیقت کی طرف اشارہ کر جاتے ہیں کہ کائنات کی ہر شے فانی ہے۔ ہر روز سورج بڑی آن بان سے کرۂ فلک پر طلوع ہوتا ہے اور دس بارہ گھنٹے عالم انسانیت کو اپنی عظمت سے مرعوب کرنے کے بعد غروب ہو جاتا ہے۔ موسم بھی بڑی طراری کے ساتھ آتے ہیں، مگر جلد ہی حوادثِ زمانہ سے گھبرا کر گزر جاتے ہیں۔ انسان بھی اس دنیا میں آتا ہے، اس کے آنے پر بڑی خوشیاں منائی جاتی ہیں، مٹھائیاں تقسیم کی جاتی ہیں، باجے اور اسپیکر بجائے جاتے ہیں، مگر چند ہی دن گزار کر انسان سب کو روتا دھوتا چھوڑ کر اس دنیا سے کوچ کر جاتا ہے۔ اس وقت اسے حکیم لقمان کی گولیاں بھی نہیں بچا سکتیں۔ کیونکہ دنیا میں قیام کرنے کے لیے اس کا وقت پورا ہو چکا ہے۔ وقت بڑی عجیب چیز ہے۔ یہ گزرتا ہی رہتا ہے۔ لاکھ کوشش کریں، کروڑہا جتن کریں، مگر یہ نہیں رکتا بلکہ گزرتا ہی رہتا ہے اور اپنے ساتھ مختلف اوقات میں مختلف اشیا لے جاتا ہے، مگر بعض اوقات بعض چیزیں انسان کے لیے لاتا بھی ہے۔

یہ وقت کی ہی مہربانی ہے کہ اس کی گردش سے رحمتوں کا مہینہ تشریف لاتا ہے، مگر ایک طرح سے افسوس کی بات ہے کہ وقت کی گردش کے سامنے رمضان شریف بھی نہیں ٹھہرتا، بلکہ چند دن رہ کر گزر جاتا ہے۔

خداوند عظیم کا یہ نورانی، محترمی، مکرمی ماہ ایک مہمان کی حیثیت سے ہمارے گھر آیا ہوا تھا، جس کی وجہ سے رحمت کے دروازے کھل جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازوں پر قفل لگ جاتے ہیں۔ اب یہ مہینہ رخصت ہونے کو ہے، اس کے ساتھ ہی رحمت کے دروازے بند ہو جائیں گے اور دوزخ کے دروازوں کے قفل کھل جائیں گے۔ پہلے تو رحمت کے دروازے کھلے تھے جو چاہے اس میں بن پوچھے داخل ہو سکتا تھا، مگر اب یہ بند ہو چکے ہیں۔ اب انھیں کھولنے کے لیے ان پر دستک دینا ہوگی۔ دوزخ کے دروازوں کو بند کرنے کے لیے ہمیں سخت جدو جہد کرنا پڑے گی۔ ورنہ یہ ہمیں اپنے اندر نگلنے کے لیے بھیانک جبڑے کھولے ہوئے ہے اور ادھر رحمت کے

دروازے بھی بند ہو چکے ہیں اور ہم بھاگ کر اس میں بھی داخل نہیں ہو سکتے۔ اس مبارک مہینہ میں شیاطین پابہ سلاسل تھے، وہ ہم پر اپنے شیطانی وار نہیں کر سکتے تھے، مگر اب وہ آزاد ہیں۔ ان کے شیطانی واروں سے بچنے کے لیے ہمیں دانتوں پسینہ آجائے گا۔ اس مبارک مہینہ میں معاشرے میں فسق و فجور کی ظلمتیں خلوص اور نیک دلی کی روشنی میں بدل چکی تھی۔ صرف اس روشنی کے پھیلنے کی دیر تھی کہ سارے عالم میں چراغاں ہو جاتا ہے۔ اب یہ متبرک اور مقدس مہینہ ہم کو داغِ مفارقت دیے جا رہا ہے۔ یہ مہینہ چونکہ اللہ کی طرف سے آیا تھا، اب اللہ کی طرف لوٹ جائے گا اور اللہ سے بتائے گا کہ اس کے بندوں میں سے کس کس نے مہمانداری کے اُصولوں کی پاس داری کرتے ہوئے اس کی عزت وتوقیر کی اور کس کس نے بے اعتنائی برتی۔ جس کسی نے رمضان شریف کی عزت وتوقیر میں ایک لمحہ کے لیے غفلت نہ برتی ہوگی، یہ رمضان شریف کا مہینہ ایسے شخص کے لیے رحمت باری میں بخشش کی سفارش کرے گا اور جس کسی نے رمضان شریف سے بے اعتنائی کا رویہ اپنایا، اس سے منھ موڑا، اس کو گراں خیال کیا، رمضان شریف کا مہینہ ایسے لوگوں سے قطعاً خوش نہیں ہوگا اور خداوند عظیم کے حضور اس کی شکایت کرے گا اور ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ شکایت کرنے پر غیض وغضب میں آجائے اور پھر ایسے لوگوں کا مقدر تباہی وبربادی اور ذلت کے سوا کیا رہ جائے گا۔

ہم وقت کے از حد ممنون ہیں کہ اس کی گردش ہمارے لیے ایک مہینہ کو لاتی ہے جو رحمتوں کا خزینہ ہے، جو ہمارے لیے باعثِ نجات ہے۔ اسلام ایک مکمل ضابطے کا نام ہے۔ ہر سال اللہ وحدہٗ لاشریک اس ضابطے کی وضاحت کے لیے رمضان شریف کو بھیجتا ہے تاکہ لوگ ضابطے سے روشناس ہو جائیں اور اس پر عمل کر کے اپنے لیے نجات کے سامان کریں۔

ضابطے کی تشریح

یوں ہی رمضان شریف کا قمر اپنی تابانیوں سے اہلِ جہاں کو ضوفشاں کرنے کے لیے فلک پر آویزاں ہوتا ہے تو سارے عالم کے مسلمانوں میں جوش وخروشِ ایمانی کی ایک تیز لہر دوڑ جاتی ہے۔ ہر شخص شاداں وفرحاں رمضان شریف کے استقبال کی تیاریوں میں مصروف

ہو جاتا ہے اور اپنے روزمرہ کی مصروفیات سے مندرجہ ذیل تبدیلیاں لاتا ہے:

1- افراطِ صلوٰۃ
2- رغبتِ تلاوت قرآن مجید
3- کھانے پینے سے اجتنابیتِ شکم
4- عملِ زوجیت سے گریز

افراطِ صلوٰۃ

اُمت محمد یہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر دن میں پانچ مرتبہ نماز فرض قرار دی گئی ہے۔ رمضان شریف میں پنج گانہ نماز کے علاوہ ہر شب کو بیس رکعت نماز تراویح سُنّت قرار دی گئی۔ عام دنوں کی بہ نسبت رمضان شریف میں 20 رکعتوں کی زیادتی ہو جاتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ رمضان شریف ہمیں نماز پڑھنے کی طرف رغبت دلاتا ہے اور ہر روز بلاناغہ ہمیں اس کی مشق کرواتا ہے تاکہ ہمیں نماز پڑھنے کی عادت پڑ جائے اور ہم روزانہ پنج گانہ نماز کو گراں اور ثقیل خیال نہ کریں بلکہ شوق اور وارفتگی سے نماز ادا کریں۔

گویا رمضان شریف سے ہمیں یہ درس ملتا ہے کہ اگر ہم رمضان شریف کے احترام میں نمازِ تراویح باقاعدگی سے ادا کرتے رہے تو ہمیں نماز کی ادائیگی میں مشکل نہ رہے گی اور رمضان شریف گزر جانے کے بعد بھی سارا سال پنج گانہ نماز کی ادائیگی بہ احسن طریقے سے انجام دیں گے، کیونکہ نماز ہی ذریعۂ نجات ہے۔ نماز ہی ہماری فلاح و بہبود کی ضامن ہے۔ مگر ہم مسلمان بڑے خود غرض، مطلب پرست اور موقع پرست ہیں۔ ادھر رمضان رخصت ہوا اور اُدھر ہم نے پورے سال کے لیے نماز اور مسجد کو الوداع کہا اور اس کی ایک بڑی ہی نامعقول دلیل دیتے ہیں کہ جی ہم نے رمضان شریف میں ایک نماز پڑھ کر سات سو نمازوں کا ثواب حاصل کر لیا ہے، اس لیے اب ہمیں سارا سال نماز ادا کرنے کی ضرورت نہیں۔

صد افسوس! ہمارے مسلمان کتنی بے معنی سی سوچ کے حامل ہیں۔ نماز کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے کہ نماز ہی کفر اور اسلام کے درمیان فرق ہے۔ نماز ہی وہ وصف ہے جس کی بنا پر کافر اور مسلم میں امتیاز ہوتا ہے۔

خالقِ دو جہاں، مالک دو جہاں، احکم الحاکمین، مالک یوم الدین نے ارشاد فرمایا ہے:

اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَلَا تَکُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ۔

قائم کرو نماز اور مشرکوں میں سے نہ ہو۔

یعنی اگر ہم نماز قائم نہ کریں گے تو ہم مشرکوں میں ہو جائیں گے، جن کا ٹھکانہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم ہے۔

عام زندگی میں یہ قاعدہ ہے کہ اگر کوئی کام از حد ضروری اور اہم ہے تو اس کی ادائیگی کے لیے مالک اپنے ملازم سے زور دے کر بار بار تاکید کرتا ہے تاکہ کہیں وہ کام رہ نہ جائے۔ اس طرح ہمارے رب کریم نے ہمیں نماز قائم کرنے کے لیے قرآن مجید میں سات سو مرتبہ ارشاد فرمایا۔ ہمارے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بھی نماز کے بارے میں بڑی تاکید فرمائی اور اسے دین کا ستون قرار دیا:

اَلصَّلٰوۃُ عِمَادُ الدِّیْنِ فَمَنْ اَقَامَهَا فَقَدْ اَقَامَ الدِّیْنَ وَمَنْ تَرَکَهَا فَقَدْ هَدَمَ الدِّیْنَ۔

ترجمہ: نماز دین کا ستون ہے، جس نے نماز کو قائم کیا، اس نے دین کو قائم کیا اور جس نے اس کو ترک کیا، اس نے گویا دین کو گرا دیا۔

دین اسلام کی بلند و بالا اور پُرشکوہ عمارت نماز کے سہارے قائم ہے۔ ذرا سا بھی نماز اِدھر اُدھر ہو تو اسلام کی عظیم الشان عمارت میں دراڑیں پڑ جائیں گی اور جس عمارت میں دراڑیں پڑ جائیں وہ عمارت دھڑام سے گر جایا کرتی ہے۔ اس لیے مسلمان بھائیو! آیئے ہم سب آج رمضان المبارک کے جمعۃ الوداع میں اللہ کے حضور حاضر ہو کر خداوند عظیم کو حاظر و ناظر جان کر یہ وعدہ کریں کہ ہم سب حتی الوسع نماز قائم کریں گے اور ذرا بھی غفلت سے کام نہ لیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس وعدے کا پاس کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

تلاوتِ قرآن مجید

رمضان شریف کا مہینہ تشریف لایا، گویا خزاں کے دن گزر گئے اور بہاریں اپنے جلو میں کوئل کی کوکو لیے آن موجود ہوئیں۔ گلستانِ گوش گوئل کی کوکو اور پپیہے کی سریلی باتوں سے

جھوم اٹھا۔ ہر گھر اور مسجد میں کوئل اور پپیہے کی نغمگی سے لطف اندوز ہو کر گلستانِ گوش کو فردوسِ گوش بنایا جانے لگا۔ گلستانِ ہستی کے جس گوشے میں نکل جائیں، جس قریہ میں چلے جائیں، اس گوشے اور اس قریے سے دل فریب نغمے پھوٹ رہے ہوں گے اور وہ نغمے آج کل کے بے ہودہ فلمی نغموں میں سے نہیں۔ معاذ اللہ! بلکہ وہ نغمے قرآن مجید کے مقدس نغمے ہیں، جن کے سننے اور کہنے سے انسان کے نامۂ اعمال میں نیکیوں کا اضافہ ہوتا ہے۔ فلمی نغموں کی طرح نہیں کہ جن کے سننے اور کہنے سے انسان کے نامۂ اعمال کی سیاہی مزید گہری ہو جاتی ہے۔ یہ وہ نغمے بھی نہیں، جن کے رکھنے والے آج کل کے لوفرانہ سوچ رکھنے والے شاعر ہیں بلکہ یہ تو وہ نغمے ہیں جن کو خداوند عظیم نے اپنے پیارے محبوب ﷺ کے لیے تخلیق کیا۔ یہ وہ نغمے نہیں جن سے صرف نفسانی خواہشات بھڑکتی ہیں، بلکہ یہ تو وہ نغمے ہیں جو نہ صرف قلب ونظر بلکہ انسان کی روح تک کو سکون بخش کر خوشی سے سرشار کر دیتے ہیں۔ روح کو کیف ومستی کا عالم عطا کر دینے والے ان ہی مقدس نغموں سے سارا گلستانِ ہستی گونج اُٹھتا ہے۔ ہر لسانِ گل پر ان ہی مقدس نغموں کے بول ہوتے ہیں۔ فضا عجیب نغمگی سے معمور ہوتی ہے۔ ہر طرف یہی مقدس نغمے زبان زدِ عام ہوتے ہیں جو کہ ہمیں سبق دیتے ہیں کہ رمضان شریف کے علاوہ بھی ہم ان نغموں کو گنگناتے رہیں، کیونکہ قرآن مجید کے ان نغموں کا ایک حرف گنگنانے سے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ اگر ہم پورا نغمہ نہیں گنگنا سکتے تو کم از کم نغمے کا کچھ حصہ ہی ہر روز گنگنا لیا کریں گے تا کہ خداوند عظیم کے حضور کچھ منہ لے کے جائیں۔

عَنْ عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهٗ ۝ (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے بہتر وہ شخص ہے جو خود قرآن سیکھے اور اس کی تعلیم دے۔

نبی کریم ﷺ نے عزت وتوقیر اور عظمت وبڑائی کا ایک حصار مقرر کر دیا ہے۔ مادی دنیا کے کم عقل انسان خود ساختہ معیار بنائے پھرتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ عظمت اور بڑائی کا حامل وہ شخص ہے جس کے پاس بے شمار دولت ہے، جس کی کاریں ہیں، جس کا بزنس وسیع

ہے۔ کسی کی سمجھ میں یہ آیا کہ آج عزت وتوقیر اس کی ہے جو عنانِ حکومت کا علمبردار ہے، جس کے پاس وزارت کی مضبوط کرسی ہے۔ کسی نے عزت وتوقیر کا معیار یہ بتایا کہ جس کے پاس بے شمار زمینیں ہیں۔ کسی نے یہ کہا کہ عزت اس کی ہے جس نے کالج سے گریجویٹ کی ڈگری لی ہے، جس نے وکالت کی موٹی موٹی کتابوں میں مغز ماری کی ہے، جس نے پی ایچ ڈی کی سند لی ہے، مگر افسوس کہ ساری دنیا ہی دھوکہ کھا گئی۔ یہ ہر چمکتی ہوئی چیز کو سونا سمجھ بیٹھی۔ ہر کسی نے اپنی سمجھ کے مطابق عزت وتوقیر کے الگ الگ معیار مقرر کر لیے۔

ہمارے رسول حضرت محمد ﷺ نے فرمایا: دنیا والو! تم غلطی پر ہو، تم نے عزت کے معیار کو غلط سمجھا ہے۔ عزت اس کی نہیں، جس کے پاس کاریں ہیں، جس کے پاس کوٹھیاں ہیں، جس کے پاس زمینیں ہیں۔ عزت اس کی بھی نہیں جس نے کالج میں ۱۶ سال ضائع کر کے ایم اے کی ڈگری اور وکالت کا ڈپلومہ حاصل کیا ہے، بلکہ اس کی عزت ہے، عظیم وہ ہے، بڑائی اس میں ہے کہ جس نے قرآن مجید کی تعلیم حاصل کی اور پھر دوسروں کو بھی اس کی تعلیم دی۔ یہی عزت کا معیار ہے۔ یہی عزت کا اسٹینڈرڈ ہے۔ (رواہ احمد الترمذی ابوداؤد)

مشکوٰۃ، صفحہ:184 پر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول منقول ہے:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَالُ لِصَاحِبِ الْقُرْاٰنِ اِقْرَاْ وَارْتَقِ وَرَتِّلْ كَمَا كُنْتَ تُرَتِّلُ فِي الدُّنْيَا فَاِنَّ مَنْزِلَكَ اٰخِرُ اٰيَةٍ تَقْرَأُهَا ۝

رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ قرآن پڑھ اور ترتیل سے پڑھ، جیسا کہ دنیا میں ترتیل سے پڑھتا تھا۔ بے شک تیری منزل آخری آیت پر ہوگی، جس کو تو پڑھے گا۔

آہستہ آہستہ اور ٹھہر ٹھہر کر قرآن پڑھنا چاہیے

جو لوگ اس دنیا میں قرآن مجید کی تلاوت سچے دل سے کرتے رہے ہوں گے، قیامت کے دن اللہ ایسے لوگوں سے کہے گا کہ قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہوئے پل صراط سے گزر جاؤ اور جس جگہ تم آخری آیت تلاوت کرو گے، وہ جگہ تمہاری منزل بنا دی جائے گی۔

اب بھی وقت ہے کہ ہم حیاتِ معاص سے تائب ہو جائیں اور سچے دل سے نماز

پڑھیں اور روزانہ بلا ناغہ قرآن مجید پڑھا کریں۔ اگر ہم خود ہی قرآن مجید کی تلاوت سن کر سکتے ہوں تو ہمیں چاہیے کہ کم از کم اپنی اولاد کو زیورِ تعلیم القرآن سے آراستہ و پیراستہ کر دیں قیامت کے روز اللہ تعالیٰ انعام کے طور پر ہمارے سروں پر نورانی تاج جما کر ہمیں آراستہ و پیراستہ فرمائے گا۔ الحمد للہ رب العالمین۔

رواہ ابوداؤد واحمد، مشکوٰۃ، صفحہ: 186 پر حضرت معاذ جہنی سے روایت ہے:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَأَ الْقُرْاٰنَ وَعَمِلَ بِمَا فِيْهِ اُلْبِسَ وَالِدَاهُ تَاجًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ضَوْءُهٗ اَحْسَنُ مِنْ ضَوْءِ الشَّمْسِ فِيْ بُيُوْتِ الدُّنْيَا لَوْ كَانَتْ فِيْكُمْ فَمَا ظَنُّكُمْ بِالَّذِيْ عَمِلَ بِهٰذَا۔

رسول اللہ صلی اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے قرآن پڑھا اور اس میں موجود باتوں پر عمل کیا تو قیامت کے دن اس کے والدین کو ایسا تاج پہنایا جائے گا، جس کی روشنی سورج کی روشنی سے تیز ہوگی، جب کہ وہ دنیا کے گھروں میں۔ پھر جس نے خود عمل کیا تو اس کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے، وہ کس منصب پر فائز ہوگا۔

والدین کے حقوق پر اللہ تعالیٰ نے بڑا زور دیا ہے۔ اگر ہم ساری زندگی بھی ان کی فرماں برداری کرتے رہیں گے تو ان کے معمولی سے احسان کا بدلہ نہیں چکا سکیں گے کہ روزانہ قرآن مجید کی تلاوت کیا کریں، تاکہ قیامت کے دن ہمارے والدین کے سروں پر نورانی کرنوں کا تاج رکھا جائے:

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَوْ جُعِلَ الْقُرْاٰنُ فِيْ اِهَابٍ ثُمَّ اُلْقِيَ فِي النَّارِ مَا احْتَرَقَ۔

(رواہ الدارمی، مشکوٰۃ، صفحہ: 186)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ اگر قرآن مجید کو کسی چمڑے میں رکھ کر آگ میں پھینکا جائے تو وہ جلنے سے محفوظ رہے گا۔

فائدہ: محدثین کرام نے اس حدیث کے دو مطلب بیان فرمائے ہیں۔ چھوڑی یعنی چمڑے سے مراد عام چمڑا ہے، یعنی شیر، بیل، گائے، بکری وغیرہ کا چمڑا اور آگ سے عام آگ مراد ہے، جن

سے گھروں اور ہوٹلوں میں کھانا تیار کیا جاتا ہے۔ ایسی صورت میں معانی یہ نکلتے ہیں کہ اگر قرآن مقدس کو کسی بھی جانور کے چمڑے میں بند کر کے آگ میں ڈالا جائے تو آگ قرآن مجید کو جلانے کی جرأت نہیں کر سکتی۔ یہ قرآن مجید کا خاص کرشمہ ہے، جو نبی کریم ﷺ کی عظمت کی دلیل ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ چمڑے سے مراد انسان کے جسم کی کھال ہو اور اس میں قرآن مجید ہو، تو دوزخ کی آگ میں پھینکا جائے تو دوزخ کی آگ بھی جرأت نہیں کر سکتی، وہ اسے کوئی گزند نہیں پہنچا سکتی۔ جس شخص کے سینے میں قرآن مجید محفوظ ہوگا، اگر کسی دوسرے گناہ یا جرم کی پاداش میں اسے دوزخ میں ڈالا بھی گیا تو قرآن مجید کی برکت سے آگ اس کو کوئی گزند نہیں پہنچائے گی۔

قرآن مجید اللہ کا نازل کردہ ایک نادر الوجود نسخہ ہے، اس کے ہوتے ہوئے کسی دوسری کتاب یا کسی دوسری قسم کے لٹریچر کا مطالعہ کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ یہ تمام قسم کے کلاموں سے افضل ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا:

فَضْلُ كَلَامِ اللّٰهِ عَلٰى سَائِرِ الْكَلَامِ كَفَضْلِ اللّٰهِ عَلٰى خَلْقِهٖ۔

ترجمہ: قرآن مجید تمام کلاموں سے ایسے افضل ہے جیسے اللہ تعالیٰ تمام مخلوق سے۔

قرآن مجید اللہ کی پاک اور آخری کتاب ہے، جو ہمارے پیارے رسول ﷺ پر نازل ہوئی تا کہ اُمتِ محمدیہ اس پر عمل کر کے اپنے نجات کے سامان تیار کرے۔ اس مقدس کتاب میں زندگی کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ انسانی زندگی کا کوئی مسئلہ خواہ ذاتی ہو، انفرادی ہو یا اجتماعی، معاشی ہو یا سیاسی، ایسا نہیں جس کا حل قرآن مجید میں موجود نہ ہو۔ کتاب زندگی کے تمام گوشوں کو بڑی وضاحت سے اُجاگر کرتی ہے۔ اس کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے سے انسان دنیاوی اور اُخروی زندگی میں کامیاب ہو سکتا ہے۔ قرآن مجید علم الٰہی کا خزانہ ہونے کے علاوہ بے مثل بھی ہے، جس کا مقابل آج تک نہ ہو سکا اور نہ قیامت تک ہو سکے گا۔ جس طرح اللہ تعالیٰ بے مثل ہے، اسی طرح اس کا کلام بھی بے مثل ہے۔

قرآن مجید ایک ایسی کتاب ہے، جس پر عمل پیرا ہو کر ہم کبھی گمراہ نہیں ہو سکتے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر آنحضور ﷺ نے فرمایا:

مسلمانو! میں تمہارے لیے دو اشیا چھوڑے جا رہا ہوں۔ اگر تم ان پر عمل کرو گے تو کبھی

گمراہ نہیں ہوگے۔ ایک اللہ کے رسول ﷺ کی سنت اور دوسری شے اللہ کی پاک کتاب قرآنِ حکیم ہے۔ پس اگر ہم قرآن شریف پر عمل پیرا رہے تو کبھی گمراہ نہیں ہوں گے اور سیدھی راہ پر چلیں گے، سیدھی راہ پر چلنے والوں کو اللہ تعالیٰ انعام واکرام سے نوازتا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید کی سورۂ فاتحہ میں ہے:

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ، صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ○

ہمیں چلا سیدھے راستے پر۔ اس راستے پر جس پر چل کر لوگوں نے انعام حاصل کیے۔

پس سیدھی راہ پر چلنے کو خداوند عظیم انعام سے نوازتا ہے اور جس شخص پر اللہ کی نعمتوں کی نوازش ہو، اس جیسا خوش بخت اور کون ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن مجید پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آج کل کے ہمارے نوجوانوں میں گمراہی ہے۔ وہ قرآن مجید کے ہوتے ہوئے بھی فحش لٹریچر کا مطالعہ کرتے ہیں۔ فلمی گانے اور فلم کورس پڑھتے ہیں، بلکہ بڑے شوق سے یاد کرتے ہیں اور بازار سے ان کے کیسٹ بھرواتے ہیں تاکہ جب جی چاہے اپنی پسند کا گانا سنا جاسکے۔ افسوس صد افسوس! یہی ہمارے وہ نوجوان ہیں جنھوں نے آگے چل کر ملک وقوم کی باگ ڈور سنبھالنا ہے، اسلام کے سچے غازی بننا ہے۔

کیا یہ اسلام کی کوئی خدمت انجام دے سکتے ہیں۔ کیا ہم ان سے کوئی توقعات وابستہ کرسکتے ہیں؟

اے کاش! ہمارے ان جیالوں کی طرز سوچ بدل جائے۔ فلمی گانوں کی بجائے قرآن مجید کی سورتیں یاد کریں تاکہ ہمارے نامۂ اعمال کی سیاہی کچھ ہلکی ہوجائی ہے اور ہم اللہ کی رحمت کے اُمیدواروں کی صف میں شامل ہوجائیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن مجید پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

کھانے پینے سے اجتناب

ضابطے کی تیسری شق جس کی رمضان شریف وضاحت فرماتا ہے، وہ ہے شکم یعنی پیٹ کو

کھانے پینے کی اشیا سے روکنا۔

غذا انسانی زندگی کے لیے ایک اہم جزو ہے۔ زندہ رہنے کے لیے ہر ذی روح کو غذا کی ضرورت ہوتی ہے، مگر غذا اگر زیادہ مقدار میں استعمال کی جائے تو یہ غذا کی بجائے زیاں بن جاتی ہے۔

رمضان شریف میں انسان صبح سے لے کر شام تک کھانے پینے کی اشیا سے اپنے شکم کو محروم رکھتا ہے، جس سے پیٹ کو کم غذا کی عادت پڑ جاتی ہے اور انسان زیادہ کھانے کے نقصانات سے محفوظ ہوجاتا ہے، مگر اصل بات یہ ہے کہ رمضان شریف میں انسان اپنے پیٹ کو اشیائے خورد جو کہ حلال ہوتی ہیں، سے بھی محروم رکھتا ہے۔ دیگر ایام میں اپنے پیٹ کو کم از کم حرام اور مشتبہ اشیا سے بچائے رکھے، نہ کہ پیٹ کا دوزخ پُر کرنے کے لیے حلال وحرام کا خیال بھی نہ رکھے اور پیٹ کو بھنگ، شراب، چرس، چوری اور مالِ حرام اور ایسی ہی دیگر ممنوعہ صفات کے مال سے نہ بھرے، بلکہ حلال کمائے اور حلال کھائے، کیونکہ یہی تقویٰ ہے۔ یہ ایمان کی نشانی ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے رُسلِ عظام کے لیے حلال کھانے اور حلال کمانے کا حکم صادر فرمایا

يٰاَيُّهَا الرَّسُوْلُ كُلُوْا مِنَ طَيِّبَاتٍ وَاعْمَلُوْا ○

اے رسولو! حلال کھاؤ اور اچھے عمل کرو۔

رزقِ حلال اور اچھے اعمال کی اتنی اہمیت ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو اس کا حکم دے رہا ہے، فقط یہی نہیں، اُمت مسلمہ کے لیے بھی ارشاد فرمایا:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبَاتٍ مَا رَزَقْنٰكُمْ ○

اے ایمان والو! ہمارے دیے ہوئے رزقِ حلال سے کھاؤ۔

مگر آج ہمارے مسلمان گمراہ ہوچکے ہیں، اپنی راہیں کھوچکے ہیں، ہوسِ زر نے ان کو دیوانہ بنا رکھا ہے، مال کی حرص میں یہ چوری کرتے ہیں، جرائم کی پردہ پوشی کرکے اس کے بدلے میں رشوت وصول کرتے ہیں۔ ذخیرہ اندوزی کرتے ہیں اور ملاوٹ تو ہمارے تاجروں کا فرضِ اوّلین ہے۔ مال جمع کرنے کی حرص میں ہم اسمگلنگ جیسے گھناؤنے جرم کا

ارتکاب کرنے سے بھی نہیں پیچھے ہٹتے۔ اپنے ملک کی جڑیں کھوکھلی کرتے ہیں۔ مال جمع کرنے کے لیے ہم اپنے ضمائر تک بیچ ڈالتے ہیں۔ چاندی کے یہ چند کھنکتے ہوئے سکّے جو دنیا ہی میں رہ جائیں گے، ہم ان کے لیے دوسروں کے حقوق پر ڈاکہ کیوں ڈالتے ہیں؟ ہم اپنے دل کی صدا کو کیوں دباتے ہیں، ہم اپنے ضمیر کیوں بیچ ڈالتے ہیں، ہمارے ان گناہوں کا بدلہ ہمیں آخرت میں ہی نہیں بلکہ اس دنیا میں بھی ملے گا۔ جب سخت بیمار ہوں، یا کسی بڑی مصیبت میں پھنس جائیں تو یہ عیاش بدمعاش، چور، ڈاکو، حرام خور، اللہ کے حضور طویل دعائیں مانگتے ہیں۔ صرف اس لیے کہ جلد از جلد صحت یاب ہوکر کسی کے حقوق کو پامال کریں۔ ملک کی جڑیں کھوکھلی کریں۔ ایسے بدنیت افراد کی دعائیں کیونکر ہدفِ اجابت کا سینہ چاک کرسکتی ہیں۔ حدیث پاک میں ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ایسے شخص کا تذکرہ فرمایا جو کہ طویل مسافت طے کرکے آیا ہو۔ اس کے بال پراگندہ اور غبار سے اَٹے ہوئے ہوں، وہ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہے: يَارَبِّ يَارَبِّ وَ مَطْعَمُهٗ حَرَامٌ وَ مَشْرَبُهٗ حَرَامٌ وَ مَلْبَسُهٗ حَرَامٌ وَغُذِيَ بِالْحَرَامِ فَاَنّٰى يُسْتَجَابُ لِذَالِكَ۔

یہ حدیث مشکوٰۃ شریف، صفحہ: 241 پر مرقوم ہے اور اس کو مسلم نے روایت کیا ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے کہ: اے میرے رب، اے میرے رب: حالانکہ اس کا کھانا حرام اور پینا حرام، اس کا لباس اور اس کی غذا حرام ہے، تو اس کی دعا کیسے قبول کی جائے گی؟

یہ الفاظ رحمۃ للعالمین سرورِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہیں، جن کی عظمت میں کسی کو کلام نہیں، وہ عظیم پیغمبر فرما رہے ہیں کہ لباس، طعام، مشروب اور غذا حرام کھانے والے کی دعا اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتا۔

حرام خور کے لیے دوزخ لازم ہے۔ جو شخص حرام کھانے سے صحت مند ہو وہ کبھی جنت میں داخل نہ ہوسکے گا۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ لَحْمٌ نَبَتَ مِنَ السُّحْتِ وَكُلُّ لَحْمٍ نَبَتَ مِنَ السُّحْتِ كَانَتِ النَّارُ اَوْلٰى بِهٖ۔ (رواہ احمد وبیہقی، صفحہ: 242)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ وہ گوشت جنت میں داخل نہ ہوگا جو حرام سے پیدا

ہوگا اور یہ گوشت جس کی پیدائش حرام سے ہو قابلِ دوزخ ہے۔ گویا حرام کھانے میں ہمارے جسم میں جو گوشت پیدا ہوگا وہ جنت میں نہیں جائے گا بلکہ اسے دوزخ میں اذیت دی جائے گی۔ حرام کے متعلق حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ارشاد فرماتے ہیں: مَنِ اشْتَرٰى ثُوْباً بِعَشَرَةِ دَرَاهِمَ وَفِيْهِ دِرْهَمٌ حَرَامٌ لَمْ يَقْبَلِ اللّٰهُ تَعَالٰى لَهٗ صَلٰوةً مَا دَامَ عَلَيْهِ۔ اگر کوئی شخص 10 درہم سے کپڑا خریدے جس میں سے ایک درہم حرام کا ہو، جب تک کپڑا اس پر رہے گا، اللہ تعالیٰ اس کی نماز قبول نہیں کرے گا۔

اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم حرام کے مال سے ہر ممکن طور پر پرہیز کریں اور حرام کھانے سے بچیں اور اپنے اہل وعیال کو بھی اس کی ترغیب دیں اور یہی کوشش کریں کہ ہمارا ہر لمحہ رزقِ حلال کمانے میں صرف ہو، کیونکہ حلال کمانے والوں کو اللہ تعالیٰ اپنا دوست فرماتا ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ اگر کوئی شخص نمازِ عشاء ادا کرنے کے بعد محوِ خواب ہونے کی بجائے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرے اور تسبیح وتہلیل ونوافل میں صبح فجر تک مصروف ومشغول رہے، تو اللہ تعالیٰ اس کو بہت سا ثواب دیتا ہے، لیکن اس کے مقابل نمازِ عشاء ادا کرنے کے بعد سو جانے والے شخص کو اس جاگنے والے کی بہ نسبت زیادہ ثواب دیتا ہے بشرطیکہ سونے والا رزقِ حلال سے اپنی اور اپنے بچوں کی پرورش کرتا ہو۔

سبحان اللہ! ماشاء اللہ، الحمد للہ رب العالمین، کیا شانِ باری ہے کہ اللہ تعالیٰ رزقِ حلال کمانے والے کو ساری رات حالتِ بیداری کی عبادت سے بھی زیادہ ثواب عنایت کرتا ہے۔ اسی طرح ایک دوسری حدیث ہے: الكاسب حبيب الله۔ رزقِ حلال کمانے والا اللہ کا دوست ہے۔

اپنے ہاتھوں سے محنت کرنا اور خون پسینہ ایک کرکے روزی کمانا اور اپنے بچوں کی اور اپنی پرورش کرنا اللہ کے نزدیک ایک بڑا محبوب عمل ہے۔ رزقِ حلال کمانے والے کو اللہ اپنا دوست رکھتا ہے اور قیامت کے دن رزقِ حلال کمانے والے کے لیے اللہ تعالیٰ جنت کے آٹھوں دروازے کھول دے گا کہ جس دروازے سے چاہے جنت میں داخل ہوجائے۔

سبحان اللہ! رزقِ حلال کی کتنی برکت ہے۔ ہمارے پیارے رسول ﷺ کے رفیق ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حرام وحلال کے متعلق بڑی احتیاط برتا کرتے تھے۔

تذکرۃ الواعظین، صفحہ: 258 پر حضرت زید بن ارقم سے ایک حکایت منقول ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک غلام تھا، جس کی ڈیوٹی یہ تھی کہ ہر شام کو کھانا پہنچایا کرتا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھانا تناول فرمانے سے قبل اس غلام سے دریافت فرما لیا کرتے تھے کہ یہ کھانا حلال طریقے سے حاصل ہوا ہے یا حرام طریقے سے۔ جب کھانے کی طرف سے اطمینان ہو جاتا تو کھانا تناول فرماتے۔ ایک مرتبہ وہ غلام کھانا لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اس غلام سے بن پوچھے ایک لقمہ اُٹھا کر داخلِ دہن کر لیا۔ غلام نے عرض کیا: اے آقا! آج سے قبل تو آپ کھانا تناول فرمانے سے قبل کھانے کے متعلق اطمینان فرما لیا کرتے تھے کہ آیا یہ حلال طریقے سے حاصل کیا گیا ہے کہ اس کے حصول میں حرام طریق شامل ہیں۔ مگر آج آپ نے خلافِ معمول کھانے کے متعلق استفسار نہیں فرمایا۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ چونکے اور فرمایا: افسوس کہ شدتِ بھوک کی وجہ سے مجھے پوچھنا یاد نہ رہا۔ اب بتاؤ، یہ کیسا کھانا ہے؟ غلام نے عرض کیا: زمانۂ جاہلیت میں مَیں نے ایک شخص کے لیے صفائی وغیرہ کا کام کیا تھا، جس کا معاوضہ اس شخص نے آئندہ زمانے میں دینے کا وعدہ کیا تھا۔ آج بائی چانس میرا اُدھر سے گزر ہوا تو میری اس پر نظر پڑی۔ میں نے دیکھا کہ وہاں شادی ہے اور دعوتِ طعام ولیمہ ہے۔ یہ دیکھ کر میں نے ان کو ان کا وعدہ یاد دلایا اور انھوں نے مجھے یہ کھانا دیا ہے۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بے چین ہو گئے۔ روئے اقدس کا رنگ متغیر ہو گیا۔ آپ قے کرنے لگے کہ وہ لقمہ حرام جو پیٹ میں چلا گیا ہے، کسی طور سے باہر نکل جائے، لیکن وہ لقمہ باہر نہ نکلا۔ اس کوشش اور محنت سے آپ کے روئے تاباں کی تابانی ختم ہو گئی۔ لوگوں نے عرض کیا: آپ گرم پانی نوش فرمائیں تو وہ لقمہ نکل آئے گا۔ چنانچہ آپ نے گرم پانی پی کر قے شروع کی، حتیٰ کہ وہ لقمہ آپ کے حلق سے نکل گیا۔ لوگوں نے عرض کیا: آپ نے یہ ساری محنت اور مشقت صرف ایک لقمے کے لیے اٹھائی۔ آپ نے جواب میں فرمایا: ہاں، کیونکہ آقائے نامدار احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ شبِ اسرا کے دولہا ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جنت ایسے

لوگوں پر حرام کر دی ہے جو حرام طریقے سے غذا حاصل کرتے ہیں اور اپنے شکم کو حرام سے بھرتے ہیں۔

یہ حال ہے ہمارے پیارے رسول ﷺ کے رفیق ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کہ ایک لقمۂ حرام اندر جانے سے کتنی اذیت برداشت کرتے ہیں، مگر ایک ہم ہیں کہ حرام و حلال کی تمیز کو یکسر ختم کر چکے ہیں۔ نہ حرام کا خیال کرتے ہیں اور نہ حلال کا۔ ہوسِ زر نے ہماری عقلوں پر پردے ڈال رکھے ہیں اور ہم دن رات حرام کمانے اور کھانے میں لگے رہتے ہیں۔ کیا قیامت کے دن ہم اللہ تعالیٰ کی شفقت کی امید رکھیں گے۔ خداوند عظیم ہم سب کو رزقِ حلال کمانے اور کھانے کی توفیق بخشے کہ جس سے ہماری نجات ہو سکتی ہے۔

عملِ زوجیت اور لواطت سے اجتناب اور گریز

ضابطے کی چوتھی شق یہ ہے کہ انسان اپنے نفسِ امارہ کو جماع اور خواہشِ جماع سے روکے۔ بحالتِ روزہ اپنی منکوحہ سے بھی جماع کرنا ممنوع ہے تا کہ مسلمان غیر رمضان میں اپنے نفس پر قابو رکھے اور زنا جیسی ذلیل لعنت سے محفوظ رہے۔ زنا کی خواہش بڑی شدت سے انسان کے دل میں کروٹ لیتی ہے۔ جوانی کا نیا جوش ہوتا ہے۔ جذبے منہ زور ہوتے ہیں اور پھر یہی جوش اور یہی جذبے زنا جیسی حرکت کا ارتکاب کرنے پر اُکساتے ہیں اور انسان کو عقل و دانش سے بیگانہ کرتے ہیں۔ اس لیے رمضان شریف میں عملِ زوجیت سے منع فرمایا گیا ہے کہ انسان رمضان شریف میں اپنی سوچ کو قابو رکھنے پر قادر ہو جائے اور زنا جیسی بے حیائی سے اپنا دامن بچائے رکھنے کا عادی ہو جائے۔ کیونکہ زنا بہت بُری شے ہے اور اس سے بڑھ کر کوئی بے حیائی نہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے: لَا تَقْرَبُوا الزِّنَآ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَسَآءَ سَبِيْلًا ۝ قریب نہ جاؤ زنا کے، کیونکہ وہ بے حیائی اور راہِ بد ہے۔

مشکوٰۃ، صفحہ: 18 پر زنا کے متعلق نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان منقول ہے کہ جب انسان زنا کرتا ہے، تو اس سے ایمان خارج ہو جاتا ہے اور سائبان کی طرح اس کے سر پر آ کر کھڑا ہو

جاتا ہے۔ ہمارے پیارے رسول ﷺ نے کتنی سختی سے وعید فرمائی ہے کہ جب انسان زنا کرے تو اس سے ایمان نکل جاتا ہے اور جب آدمی سے ایمان خارج ہوجائے تو آدمی ایمان سے خارج ہوجاتا ہے۔

اگرچہ محدثین کرام نے اس سے مراد نورِ ایمانی لیا ہے۔ کتنے نوافل کا ثواب ہوگا ہمیں اپنا ایمان نور سے خالی کرنے کا۔ سوائے اس کے ہمارے نامۂ اعمال کی سیاہی بلیک سے اور بلیک ہوجائے گی۔ اللہ تعالیٰ ہم پر نگاہِ رحمت نہیں ڈالے گا۔ ہم بے حیا اور گمراہ بن جائیں گے۔ مگر افسوس صد افسوس! کہ ہمارے نوجوان جوانی کو دیوانی اور مستانی کہہ کر خود ہی اپنے جنسی جذبات کو ہوا دیتے ہیں اور جوانی کے منہ زور جذبوں کے آگے بڑی خوشی کے ساتھ سرِ تسلیم خم کردیتے ہیں، اس سے انھیں کیا حاصل ہوتا ہے؟ فقط دولمحوں کی جھوٹی خوشی اور دولمحوں کی عارضی مسرت۔ اس کے بدلے میں قیامت۔ کے دن جب سوال ہوگا تو اس وقت یہ کیا جواب دیں گے۔ آج بڑا ہی اُلٹا زمانہ آچکا ہے کہ جہاں نئی تہذیب نے اپنے قدم رکھے، وہیں زِنا کے بارے میں نت نئے اور مفید قوانین وضع ہونے لگے کہ ٹیکس دو اور زنا کرلو۔ کیونکہ اس سے ملک وملت کو فائدہ ہوتا ہے۔ اولاً یہ ٹیکس سے حکومت کی معاشی حالت سنبھلے گی اور دوئم یہ کہ ملک میں ہنرمند اور پیارے بچوں کی فراوانی اور ارزانی ہوگی۔ جو آگے چل کر ایک نہ ایک دن ملک کے روشن اور سنہرے مستقبل کو رات میں سیاہی کی طرح تاریک کردیں گے اور زمانے میں بدنام ہوکر پیدا ہوا کریں گے۔ قوم کو بُری راہوں پر چلنا سکھائیں اور ان کو بے ہودگی کی تعلیم دیں گے اور اس طرح یہ قانون بھی نافذ کیا جاتا ہے کہ اگر زنا خوشی سے ہو تو زنا نہیں بلکہ وہ عین ثواب ہے۔ شاید وہ یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ دوسری کی خوشی کی خاطر کچھ کرنا انسانیت کی عظمت کی نشانی ہے۔ لیکن اگر ٹیکس ادا کیے بغیر اور بالجبر زنا کیا تو یہ قانوناً اور شرعاً حرام قرار پاتا ہے، کیونکہ ایسے زِنا ملک وملت کو کوئی فائدہ نہیں پہنچاتے اور پھر دوسروں کی دل آزاری بھی تو ہوتی ہے۔

افسوس صد افسوس! کاش اے کاش! انھیں کہیں سے کوئی بندۂ خدا عقل کی پڑیا لادے، جس سے ان کے دماغوں اور ضمائر پر چھائی ہوئی دُھند کان کی طرح پھٹ جائے اور قلب د

نظر میں نورِ ایمانی سما جائے۔ کوئی ان سے پوچھے کہ جس کام کو اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے وہ کس طرح جائز ہوسکتا ہے، خواہ اس کو کسی شکل میں کیوں نہ کیا جائے۔ پھر یہی نہیں اس کے علاوہ یہ لوگ ایک انسانیت سوز بعید از اخلاق اور خلافِ فطرت فعل کا ارتکاب کرتے ہیں، یعنی خواتین اور لڑکیوں کو چھوڑ کر لڑکوں سے لواطت کرتے ہیں اور لوگ لعنت کا طوق اپنے گلے میں ڈالتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے ایسے لوگوں کے متعلق ارشاد فرمایا: مَلْعُوْنٌ مَنْ عَمِلَ عَمَلَ قَوْمِ لُوْطٍ۔

یعنی لواطت کرنے والوں پر خدا کی لعنت ہے۔ (نزہۃ المجالس، جلد دوم، صفحہ:8)

لواطت ایک ذلیل فعل ہے۔ بعید از اخلاق اور انسانیت سوز فعل کے مرتکب حضرات کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ فعل ان کی اپنی صحت وتندرستی کے لیے بھی خطرناک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قوم لوط کو صرف اس بنا پر تباہ وبرباد کیا تھا کہ وہ قوم لواطت بازی کیا کرتی تھی۔ رمضان المبارک ہمیں زِنا اور لواطت سے بچنے کی ترغیب دیتا ہے۔ خداوند عظیم سے التجا ہے کہ وہ ہمیں اس ضابطے پر پورا پورا عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں اپنے دامانِ رحمت کے سائے میں رکھے، نیز ہر قسم کی بے حیائی سے بچائے۔ آمین، ثم آمین۔

□□□

پچیسواں وعظ

نمازِ جمعہ کی فرضیت اور ترکِ جمعہ کی وعید

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ وَذَرُوا الْبَیْعَ ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ (سورۂ جمعہ، پارہ:28)

ترجمہ: اے اہلِ ایمان! جمعہ کے دن جب نماز کے لیے اذان ہو تو اللہ کے ذکر کے لیے بڑھو اور خرید و فروخت ترک کر دو۔ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے، اگر تم دانا ہو۔

جمعہ عین فرض ہے

درمختار میں ہے کہ جمعہ کی فرضیت نمازِ ظہر سے مؤکد ہے اور جس کسی نے اس کا انکار کیا، اس نے کفر کیا، کیونکہ نمازِ جمعہ کی فرضیت نصِ قطعی سے ثابت ہے اور نصِ قطعی کا انکار کرنے والا کافر ہوتا ہے۔ کلام مجید میں خود اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ جب اذان ہو جائے، اللہ کی طرف بلایا جائے۔ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ ۝ جمعہ کے دن فَاسْعَوْا ۝ دوڑو، بڑھو، سعی کرو۔ اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ ۝ اللہ کے ذکر کی طرف۔ اللہ کو یاد کرنے کے لیے وَذَرُوا الْبَیْعَ اور خرید و فروخت ترک کر دو، لین دین بند کر دو۔ ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ ۝ یہی تمہارے حق میں بہتر ہے، اسی میں تمہاری بھلائی ہے۔ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ اگر تم دانا ہو۔ اگر تم علم رکھتے ہو۔ اگر تم جاننے والے ہو۔ یعنی پوری آیتِ مقدسہ کا مفہوم یہ ہوا: اے اہلِ ایمان! اے دین اسلام کے پیرو کار لوگو! اے خدا کی وحدانیت اور محمد ﷺ کی رسالت کا اقرار کرنے والو! جمعہ کے دن جب اذان ہو جائے، تمہیں اللہ کی طرف بلایا جائے تو تم خرید و فروخت بند کر کے، لین دین ترک کر کے، اللہ کے نام مبارک کا ذکر کرنے کے لیے دوڑو،

بھاگو، بڑھو، سعی کرو اور تمہیں ضرور ایسا کرنا چاہیے، کیونکہ ایسا کرنا ہی تمہارے واسطے، تمہارے حق میں دانائی ہے۔ تمہیں علم ہے اور تم جاننے والے ہو۔

ذکر اللہ کے معانی مفسرین کی کثرت نے "خطبۂ جمعہ" لیے ہیں۔ یہاں پر امر کا صیغہ وارد ہوا ہے۔ حکمیہ طور پر تاکید کی گئی ہے اور صیغۂ امر، صیغۂ حکم یا حکمیہ تاکید وجوبیت کے لیے ہوتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ یہ بات لاریب سچ ہوئی کہ جمعہ کی نماز فرض ہے، جس کی ادائیگی لازمی ہوتی ہے، جس کی ادائیگی سے کسی کو چھوٹ نہیں ہوتی۔ لہٰذا نمازِ جمعہ کی فرضیت سے انکار کرنے والا کافر اور لادین ہوتا ہے۔ اور اذان سے مراد پہلی اذان ہے نہ کہ دوسری۔ پہلی اذان سن کر خرید و فروخت بند کر دینی چاہیے، لین دین، کاروبار، کھانا وغیرہ سب چھوڑ دینا چاہیے۔ جیسے ہی جمعہ کی اذان ہو، دکانیں فوری طور پر بند کر دینا چاہئیں۔ کھیتی باڑی ترک کر دینا چاہیے۔ غرض کہ ہر وہ کام جس کے ادا کرنے کی بنا پر نمازِ جمعہ کے لیے تاخیر ہو، فوری ترک کر کے مسجد میں اللہ کی یاد میں محو ہو جانے کے لیے بڑی تیزی سے بھاگتے ہوئے پہنچنا چاہیے، کیونکہ یہی حکمِ ربی ہے، جس سے سرتابی کرنا سخت گناہ ہے۔ ہمارے پیارے رسول حضرت محمد ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

اِذَا كَانَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ وَقَفَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ عَلٰى بَابِ الْمَسْجِدِ يَكْتُبُوْنَ الْاَوَّلَ فَالْاَوَّلَ وَمَثَلُ الْمُهَجِّرِ كَمَثَلِ الَّذِيْ يُهْدِيْ بَدَنَةً ثُمَّ كَالَّذِيْ يُهْدِيْ بَقَرَةً ثُمَّ كَبْشًا ثُمَّ دَجَاجَةً ثُمَّ بَيْضَةً فَاِذَا خَرَجَ الْاِمَامُ طَوَوْا صُحُفَهُمْ وَيَسْتَمِعُوْنَ الذِّكْرَ ۝ (متفق علیہ)

جب جمعہ کا دن ہوتا ہے تو ملائکہ مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ وہ سب سے قبل آنے والے کو پھر اس کے بعد آنے والے کو لکھتے رہتے ہیں۔ سویرے آنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے کسی نے اونٹ قربان کیا، پھر اس کی مثال جیسے کسی نے گائے کی قربانی دی، پھر مینڈھے کی، پھر مرغی بعد ازاں انڈے کی قربانی کی۔ جس وقت امام آتا ہے، ملائکہ اپنے کاغذات تہہ کرتے ہیں اور ذکر یعنی خطبۂ سماعت کرتے ہیں۔

فائدہ: جمعہ کے دن سب سے قبل مسجد میں آنے کا یہ اجر ہے کہ اونٹ کی قربانی پیش

کرنے کا ثواب حاصل ہوتا ہے۔ نہ اس پر کوئی خرچ آتا ہے اور نہ ہی اس میں کچھ دقت ہوتی ہے۔ بس صرف اور صرف یہی کرنا ہے کہ جلدی اور سب سے قبل مسجد میں جمعہ کی نماز کے لیے آئے اور بیٹھے بٹھائے جنت میں اونٹ قربان کرنے کا ثواب حاصل کرلیا، مگر افسوس صد افسوس کہ آج کے اس پر خطر دور میں ہم مسلمان اسلام سے اس قدر بے گانہ ہوچکے ہیں کہ ہمیں نہ اللہ کے ارشاد کی پرواہ ہے اور ہم حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد مبارک پر بھی عمل نہیں کرتے۔

اوّل تو ہم جمعہ پڑھتے ہی نہیں۔ اگر پڑھنے کی زحمت گوارہ کرلیں تو ایسے وقت میں آتے ہیں جب کہ انڈے کی قربانی کا وقت بھی نکل جاتا ہے اور ملائکہ اپنے کاغذات فائلوں میں بند کرکے خطبہ سننے میں محو ہوتے ہیں۔ دراصل آج ہم مسلمانوں کے ضمائر پر شدید غفلت طاری ہوچکی ہے۔ ہمارے ضمائر پر تاریکی کے دبیز بادل چھائے ہوئے ہیں اور ہم مذہب اسلام سے بہت ہی دور جاچکے ہیں۔

آج بیت المقدس پر یہود قابض ہیں۔ مسلمانوں کے قابل ہزار احترام مقام خانۂ کعبہ پر مفسدین قبضہ کرنے کی ناپاک جسارت کرتے ہیں۔ آج ایران کو امریکہ فوجی طاقت کی دھمکی دے رہا ہے۔ آج افغانستان میں امریکہ اپنی من مانی کررہا ہے۔ وہاں انسانیت کا چہرہ مسخ کیا جارہا ہے۔ اخلاقیات کی دھجیاں اُڑائی جارہی ہیں۔ مجاہدین کا قتل عام کیا جارہا ہے۔ مساجد کو شہید کیا جارہا ہے۔ مسلمانوں کے مذہبی مقامات کی بے حرمتی کی جارہی ہے۔ یہ سب کچھ کیوں ہے؟ کس لیے ہے؟ یہ سب کچھ اس لیے ہے اور اس کا سبب فقط یہ ہے کہ ہم مسلمان اپنے اسلاف کی روایات کو فراموش کرچکے ہیں۔ ہم اسلام سے منہ موڑ چکے ہیں۔ ہم قرآن مجید کی پاکیزہ تعلیمات کو نظر انداز کرچکے ہیں۔ ہم اندھادھند یورپ کی تقلید کرنے کے شوق میں تباہی و بربادی کی جانب گامزن ہیں اور گزرنے والے ہر لمحے کے ساتھ جہالت کے عمیق کنوئیں میں گرتے جارہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم دنیاوی اُمور میں تو ٹکے ٹک کے لیے سرگرداں رہتے ہیں اور دینی اُمور میں اونٹ کی قربانی جتنے ثواب کو بھی پسند نہیں کرتے۔

ایک بزرگ کا ارشاد ہے کہ دنیا اور آخرت کا معاملہ ایک پرندے کا سا ہے۔ آخرت

پرندہ ہے اور دنیا اس کا سایہ ہے۔ اگر تم سائے کو پکڑنے کی کوشش کروگے تو نہ تو پرندہ ہاتھ آئے گا اور نہ ہی سایہ حاصل کرسکوگے اور اگر تم پرندہ پکڑنے کی کوشش کروگے تو پرندے کے ساتھ ساتھ اس کا سایہ بھی تمہارے ہاتھ آجائے گا۔ یعنی اگر ہم دنیا کے لیے سعی کریں گے تو دنیا بھی گنوائیں اور آخرت میں بھی رسوائی ہوگی اور اگر ہم آخرت کے لیے سامان کریں گے اور اسے سنوانے کی کوشش کریں گے تو دنیا اور آخرت خود سنور جائے گی۔

مشکوٰۃ، صفحہ: 121 پر ایک حدیث مرقوم ہے، جس سے نمازِ جمعہ کی فرضیت کا پتہ چلتا ہے:

عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْجُمُعَةُ حَقٌّ وَاجِبٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ فِيْ جَمَاعَةٍ اِلَّا عَلٰى اَرْبَعَةٍ عَبْدٍ مَمْلُوْكٍ اَوْ اِمْرَاَةٍ اَوْ صَبِيٍّ اَوْ مَرِيْضٍ۔ (رواہ ابوداؤد)

طارق بن شہاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جمعہ باجماعت ہر مسلمان پر حق ہے، واجب ہے سوائے چہار کے، غلام مملوک پر اور عورت پر، بچے پر اور مریض پر۔

مندرجہ بالا حدیث سے جمعہ کی فرضیت ظاہر ہوتی ہے اور جمعہ کی تاکید باجماعت کے لیے کی گئی ہے۔ جماعت کے بغیر جمعہ ہی نہیں۔

اسی طرح حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَعَلَيْهِ الْجُمُعَةُ اِلَّا مَرِيْضٌ اَوْ مُسَافِرٌ اَوْ اِمْرَاَةٌ اَوْ صَبِيٌّ اَوْ مَمْلُوْكٌ فَمَنِ اسْتَغْنٰى بِلَهْوٍ اَوْ تِجَارَةٍ اسْتَغْنَى اللّٰهُ عَنْهُ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ۔

بے شک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہو، اس پر جمعہ لازم ہے۔ سوائے اس کے جو مریض ہو، مسافر ہو، یا عورت یا لڑکا غلام ہو، پس جو شخص لاپرواہی، کھیلنے اور تجارت کی وجہ سے اس سے بے پروائی کرتا ہے تو اس سے اللہ بے پرواہ ہے اور تعریف کیا ہوا ہے۔

آج نمازِ جمعہ ترک کرنے کا ایک سبب یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ دنیاوی اُمور سے فرصت نہیں ملتی، اس لیے نمازِ جمعہ ادا نہیں کرسکتے۔ افسوس صد افسوس! کتنے لچر عذر کا سہارا لیتے ہیں

ہم، بھلا یہ بھی کوئی بات ہے کہ ہم دنیاوی اُمور کی وجہ سے نمازِ جمعہ ادا نہ کرسکیں۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ نمازِ جمعہ باجماعت ادا کرو اور جمعہ کی اذان سنتے ہی سب کام چھوڑ دو۔ خرید و فروخت، لین دین، کھیتی باڑی اور دیگر تمام دنیاوی اُمور چھوڑ دو اور اللہ کے ذکر کے لیے مسجد میں آؤ۔ تو پھر ہم اللہ کے حکم سے سرتابی کی مجال کیونکر کریں۔ جہاں اللہ کا حکم آجائے، وہاں ہم کسی عذر کو تاویل نہیں بنا سکتے، خواہ وہ حکم انسانی عقل و فہم اور شعور و تمیز سے کتنا ہی بالا کیوں نہ ہو۔ ہمیں ہر حال میں سرِ تسلیم خم کرنا ہے، کیونکہ امر ربی ہے۔ دوسرے اگر ہم اپنے تمام کام چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کا حکم مانتے ہوئے نمازِ جمعہ ادا کریں گے تو کیا اللہ تعالیٰ ہمارے کاموں میں برکت نہیں ڈالے گا۔ ایک تیسری بات اس لیے بھی کہ جمعہ کی برکت سے ہمارے وہ کام سرانجام پا جائیں گے جو ہمیں اس روز کرنا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہم جمعہ کی نماز کا ثواب بھی حاصل کرسکیں گے۔ اللہ بڑا کارساز ہے۔ اس کی رحمت سے کچھ بعید نہیں کہ وہ کب مہربان ہو جائے اور اگر ہم اپنے دنیاوی اُمور میں الجھ کر نمازِ جمعہ ترک کردیں تو اللہ تعالیٰ کو ہم ایسے بے پرواہ شخص کی کوئی پرواہ نہیں اور اگر اللہ تعالیٰ مہربانی نہ فرمائے گا تو پھر زمانے میں کون سا در ایسا ہے، جہاں سے مہربانی اور لطف و کرم کی نظریں ہوں گی؟

نزہۃ المجالس، پہلی جلد، صفحہ:9 پر ایک حکایت یوں مرقوم ہے کہ پچھلے وقتوں میں شہر سمرقند میں ایک شخص رہا کرتا تھا۔ وہ شخص ہمہ وقت فسق و فجور میں محو رہتا اور گناہوں سے آلودہ رہتا، لیکن پھر ایک وقت ایسا آیا کہ وہ شخص گناہوں سے تائب ہوگیا اور نیک زندگی اختیار کرلی۔ اس شخص کا قول ہے کہ اس کا سبب یہ ہوا کہ ایک مرتبہ جمعہ کا مبارک دن تھا اور میرے ذمے کئی کام تھے۔ سب سے پہلا کام یہ تھا کہ میرا گدھا جنگل میں بھاگ گیا تھا۔ مجھے اس کی تلاش میں جنگل کو جانا تھا۔ دوسرے میرا باغ خشک ہوگیا۔ اس کی آبیاری کی ضرورت تھی اور پانی کی باری بھی اسی دن تھی۔ میرا ہمسایہ میرے پاس آیا اور کہنے لگا۔ بھائی پانی دینا ہے تو دے لو، ورنہ موقع ہاتھ نہ آئے گا اور میرا تیسرا کام یہ تھا کہ چکی پر گندم پسنے کے لیے دی تھی اس کا آٹا بھی گھر لانا تھا۔ اتنے سارے کام تھے اور نمازِ جمعہ کا وقت قریب آگیا۔ میں سوچ میں پڑ گیا کہ گدھے کی تلاش کروں، باغ کو سیراب کروں، آٹا لینے جاؤں یا نمازِ جمعہ ادا کروں۔ آخر میں مَیں نے سب کام چھوڑ دے

اور نمازِ جمعہ ادا کرنے کے لیے چلا گیا۔ نمازِ جمعہ سے فارغ ہو کر آیا تو پتہ چلا کہ میرے سارے کام از خود سرانجام پا گئے ہیں۔ میرے گدھے کے پیچھے (جو جنگل کو بھاگ گیا تھا) ایک بھیڑیا لگ گیا۔ گدھا ڈر کے مارے بھاگا اور گھر آ گیا اور میرے ہمسائے کی زمین کا پانی ٹوٹ کر سارا پانی میرے باغ میں آ گیا اور پسا ہوا آٹا بھی از خود میرے گھر آ گیا، کیونکہ ایک شخص نے غلطی سے میرے دانوں کی بوری پسوالی۔ جب وہ بوری لے کر میرے گھر کے پاس سے گزرا تو میری بیوی نے بوری پہچان لی اور آٹا اپنے گھر رکھوا لیا۔ میں نے جب یہ دیکھا کہ جمعہ پڑھنے کی برکت سے میرے سارے کام از خود درست طریقے سے سرانجام پا گئے ہیں اور مجھے ان کے لیے تگ و دو بھی نہیں کرنا پڑی، تو میں نے فوراً گناہوں سے توبہ کرلی۔

سبحان اللہ! یہ ہے جمعہ کی برکت کہ سارے کام از خود درست طریق پر سرانجام پائے ہیں۔

ترکِ جمعہ پر وعید

ہمارے پیارے رسول حضرت محمد ﷺ نے نمازِ جمعہ کے فضائل بتائے اور ساتھ ہی نمازِ جمعہ بلاوجہ ترک کرنے والوں کے لیے سخت وعیدیں بھی وضاحت کے ساتھ بیان فرما دیں تاکہ ایک طرف لوگ فضائل سے استفادہ کرسکیں اور دوسرے عذابِ الٰہی کا مورد بھی نہ بننے پائیں۔

نمازِ جمعہ ترک کرنے والوں کے دلوں پر مہر لگ جاتی ہے اور دلوں پر غفلت کے ایسے دبیز پردے پڑ جاتے ہیں کہ آئندہ نصیحت قبول کرنے کی صلاحیت ہی نہیں رہتی اور جس شخص میں نصیحت قبول کرنے کی حِس نہ ہو، حوادثِ زمانہ کا مقابلہ کرنا اس کے بس میں نہیں رہتا اور جو شخص حوادثِ زمانہ کا مقابلہ کرنے کی سکت نہ رکھتا ہو، وہ مٹ جاتا ہے۔

حضرت ابن عمر اور ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضور کے بڑے جلیل المرتبت صحابی تھے۔ ان کا ارشاد سماعت فرمائیں:

سَمِعْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ عَلٰى اَعْوَادِ مِنْبَرِهٖ لَيَنْتَهِيَنَّ اَقْوَامٌ مِنْ وَدْعِهِمُ الْجُمُعَاتِ اَوْ لَيَخْتِمَنَّ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ ثُمَّ لَيَكُوْنُنَّ مِنَ الْغٰفِلِيْنَ ۝ (رواہ مسلم، مشکوٰۃ، صفحہ: 121)

ہم نے رسول اللہ ﷺ کو زینۂ منبر پر فرماتے ہوئے سنا کہ البتہ قوم اپنے جمعہ کے ترک کرنے سے باز آجائے، ورنہ اللہ ان کے دلوں پر مہر لگادے گا، پھر وہ ضرور غافلوں میں سے ہوجائیں گے۔

مندرجہ بالا حدیث میں اس بات کی تاکید کی ہے کہ جمعہ ترک نہ کریں، ورنہ قلوب پر غفلت کی مہر لگ جائے گی۔

عَنْ اَبِی الْجَعْدِ الضَّمِیْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَرَكَ ثَلٰثَ جُمَعٍ تَهَاوُنًا طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰی قَلْبِهٖ ۔ (رواہ ابوداؤد وابن ماجہ مشکوٰۃ، صفحہ:121)

حضرت ابوجعد ضمیری روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص تین بار جمعہ سستی کے سبب چھوڑ دے، اللہ اس کے دل پر مہر لگادے گا۔

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِقَوْمٍ یَتَخَلَّفُوْنَ عَنِ الْجُمُعَةِ لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ اٰمُرَ رَجُلًا یُصَلِّیْ بِالنَّاسِ ثُمَّ اُحَرِّقَ عَلٰی رِجَالٍ یَتَخَلَّفُوْنَ عَنِ الْجُمُعَةِ بُیُوْتَهُمْ ۔ (رواہ مسلم، مشکوٰۃ، صفحہ:121)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جمعہ سے پیچھے رہ جانے والی قوم کے بارے میں فرمایا: تحقیق میں نے ارادہ کیا کہ ایک مرد کو نماز پڑھانے کا حکم دوں اور میں ان لوگوں کے مکانات جلاڈالوں جو جمعہ سے پیچھے رہ جاتے ہیں۔

جمعہ چھوڑنے والوں پر رسول اللہ ﷺ اس قدر ناراض ہیں کہ ان کے گھروں کو جلانے کا ارادہ فرمارہے ہیں۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ تَرَكَ الْجُمُعَةَ مِنْ غَیْرِ ضَرُوْرَةٍ كُتِبَ مُنَافِقًا فِیْ كِتَابٍ لَا یُمْحٰی وَلَا یُبَدَّلُ وَفِیْ بَعْضِ الرِّوَایَاتِ ثَلٰثًا ۔ (رواہ الشافعی، مشکوٰۃ، صفحہ:121)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص بلاعذر جمعہ ترک کرتا ہے، اس کو ایسی کتاب میں منافق لکھا جائے گا جو نہ مٹائی جاتی ہے اور نہ تبدیل کی جاتی ہے۔

مسلمانو! ذرا اپنے اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر اپنے ضمائر کو ٹٹولیں۔ کیا ہم بلاعذر جمعہ

ترک نہیں کرتے، بلکہ جمعہ کے دن کو ہم عیاشی وفحاشی جیسے فضول کاموں میں گنوادیتے ہیں۔ نہ صرف دنیا میں اپنا وقت اور پیسہ گنواتے ہیں بلکہ آخرت میں بھی عذابِ الٰہی کے سامان کرتے ہیں۔

مسلمانو! خدارا سنبھل جاؤ اور خود اپنے پاؤں پر کلہاڑی نہ مارو۔ آج سے کئی برس قبل مسلمانوں کی اسی حالت زار کو دیکھتے ہوئے علامہ اقبال نے فرمایا تھا ؎

نہ مانو گے تو مٹ جاؤ گے اے ہندی مسلمانو!
تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

(بانگ درا)

اور آج اگر ہم نے اپنے انداز نہ بدلے، اپنی روش تبدیل نہ کی اور بدستور اللہ اور اس کے رسول کے حکم سے روگردانی کرتے رہے، اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی خلاف ورزی کرتے رہے اور اپنی من مانی کرتے رہے، نفسانی خواہشات کے غلام بنے رہے، عیاشی، فحاشی اور دنیاوی اُمور میں پڑکر نمازِ جمعہ ترک کرتے رہے تو نہ صرف ہمارے دلوں پر مہر لگ جائے گی، بلکہ ہمارا نام منافقین کی صف میں شامل کیا جائے گا۔

مسلمانو! غور کرو، کیا تم اپنے قلوب کو مردہ بنانے کی خواہش مند ہو، کیا تم چاہتے ہو کہ تمہارے نام منافقین کی لسٹ میں تحریر کیے جائیں۔ اگر جواب ہاں میں ہے تو بے شک نمازِ جمعہ ترک کرتے رہو اور اگر ان باتوں سے دل میں ذرا سا بھی خوفِ خدا نے جنم لیا ہے تو نمازِ جمعہ کی پابندی کرو، کیونکہ اسی میں ہماری بہتری ہے اور یہ بات ہی ہمارے حق میں بہتر ہے۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو نمازِ جمعہ پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہم سب مسلمانوں کو اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین۔

□□□

چھبیسواں وعظ

عید الفطر کے بیان میں

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

قرآن مجید کے دوسرے پارے کی اس آیتِ مقدسہ کا ترجمہ درج ذیل ہے:

اور اس لیے کہ تم گنتی پوری کرو، اور اللہ کی بڑائی بولو، اس پر کہ اس نے تمھیں ہدایت کی اور کہیں تم شکر گزار ہو۔

یوم عید الفطر بخشش کا دن ہے

عید کا لفظ 'عود' سے نکلا ہے جس کے معنی لوٹ آنے کے ہیں۔ عید کا دن بھی چونکہ ہر سال لوٹ کر آتا ہے، اس لیے اس کو عید کہتے ہیں۔ یہ دن اسلام کے پیروکاروں کے لیے مسرت و شادمانی کا دن ہوتا ہے۔ سارا سال غموں کی چکّی میں پسنے والا بھی اس روز اپنے ہر غم سے بے نیاز ہو کر عید کی مسرتوں سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ عید کا دن بجا طور پر جنت کا دن کہلانے کا مستحق ہے۔ یہ دن بچوں، بوڑھوں، جوانوں اور خواتین کے لیے یکساں طور پر شگفتگی و تازگی کا پیام لاتا ہے۔ اہلِ اسلام کے لیے اس دن سب سے بڑی خوشی یہ ہوتی ہے کہ اس میں ہدفِ اجابت کا سینہ چاک ہوتا ہے اور سینہ چاکانِ چمن سے سینہ چاکانِ چمن کا ملاپ ہوتا ہے۔ اس طرح کہ اللہ کی رحمت جوش میں آتی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اپنے گناہگاروں کی مغفرت فرما دیتا ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی جو کہ زواجر، جلد اوّل، صفحہ: 161 پر مرقوم ہے، ہدیۂ قارئین کیا جاتا ہے:

نَادٰى مُنَادٍ مِنَ السَّمَاءِ كُلَّ لَيْلَةٍ اِلٰى اِنْفِجَارِ الصُّبْحِ يَا بَاغِيَ الْخَيْرِ، تَمِّمْ

وَ اَبْشِرْ وَ يَا بَاغِيَ الشَّرِّ اَقْصِرْ وَ اَبْصِرْ هَلْ مِنْ مُّسْتَغْفِرٍ يُغْفَرُ لَهٗ هَلْ مِنْ تَائِبٍ يُتَابُ عَلَيْهِ، هَلْ مِنْ دَاعٍ يُسْتَجَابُ لَهٗ، هَلْ مِنْ سَائِلٍ يُعْطٰى سُؤْلَهٗ وَ لِلّٰهِ عَزَّ وَ جَلَّ كُلَّ فِطْرٍ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ كُلَّ لَيْلَةٍ عُتَقَاءُ مِنَ النَّارِ سِتُّوْنَ اَلْفً فَاِذَا كَانَ يَوْمُ الْفِطْرِ اَعْتَقَ فِيْ جَمِيْعِ الشَّهْرِ ثَلَاثِيْنَ مَرَّةً سِتِّيْنَ اَلْفًا ۝

رمضان المبارک کی ہر شب طلوع صبح تک ایک منادی ندا کرتا ہے کہ اے طالب گار بھلائی (نیکی کو) پورا کر اور خوش ہو اور شر کے طالب گناہوں سے رُک جا اور (عبرت کے لیے دیکھ (غور کر) کہ کوئی مغفرت طلب کرنے والا ہے کہ اس کی مغفرت کی جائے۔ کیا کوئی توبہ کرنے والا ہے کہ اس کی توبہ قبول کی جائے۔ کیا کوئی دعا مانگنے والا ہے کہ اس کی دعا قبول کی جائے۔ کیا کوئی سوالی ہے کہ اس کا سوال پورا کیا جائے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ رمضان المبارک کے مہینے میں ہر شب بوقت افطاری ساٹھ ہزار آدمیوں کو دوزخ سے آزادی دیتا ہے اور جب شوال المکرم کا دن آتا ہے تو جس قدر گناہ گار سارے ماہ میں آزاد کیے، اس کے برابر (عید کے دن) دوزخ سے آزاد فرما دیتا ہے۔

قارئین گرامی! اس حدیث پاک میں خاص طور پر قابلِ غور بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ رمضان شریف میں ہر شب بوقت افطاری ساٹھ ہزار افراد کو جہنم سے آزادی کا پروانہ جاری کرتا ہے اور سارے مہینے کے برابر عید کے روز دوزخیوں کو دوزخ سے رہائی دیتا ہے۔ تو گویا حساب یہ ہوا کہ ہر شب ساٹھ ہزار افراد کی بخشش تو پورے ماہ یعنی 29 دن میں کتنے افراد کی بخشش ہوئی (بعض ماہ میں ۳۰ دن بھی ہوتے ہیں، لیکن ہم 29 ہی لے رہے ہیں) اس کے لیے ہم ساٹھ ہزار کو 29 سے ضرب دیتے ہیں۔ ضرب دینے سے جو جواب آیا، اس سے پتہ چلا کہ سارے ماہ یعنی 29 دنوں میں سترہ لاکھ چالیس ہزار افراد کو دوزخ سے آزاد کیا جاتا ہے۔ یہ تو بات ماہِ رمضان المبارک کی بخشش کی ہوئی، لیکن عید کے روز اس سے بھی زیادہ افراد کی بخشش ہوتی ہے اور یہ اللہ کی مرضی پر منحصر ہے کہ وہ کس قدر اضافہ کرتا ہے۔

مشکوٰۃ، صفحہ: 182 پر ایک اور حدیث مبارکہ ملاحظہ کریں۔ اس کو شعب الایمان میں بیہقی نے بھی روایت کیا ہے: فَاِذَا كَانَ يَوْمُ عِيْدِهِمْ يَعْنِيْ يَوْمُ فِطْرِهِمْ بَاهٰى

بِهِمْ مَلَائِكَتَهُ فَقَالَ يَا مَلَائِكَتِيْ مَا جَزَاءُ اَجِيْرٍ وَّفّٰى عَمَلَهُ، قَالُوْا رَبَّنَا جَزَائُهُ اَنْ يُّوَفّٰى اَجْرُهُ قَالَ مَلَائِكَتِيْ عَبِيْدِيْ وَ اِمَائِيْ قَضَوْ فَرِيْضَتِيْ عَلَيْهِمْ ثُمَّ خَرَجُوْا يَعُجُّوْنَ اِلَى الدُّعَاءِ وَعِزَّتِيْ وَ جَلَالِيْ وَ كَرَمِيْ وَعُلُوِّيْ وَارْتِفَاعِ مَكَانِيْ لَاُجِيْبَنَّهُمْ فَيَقُوْلُ ارْجِعُوْا فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ وَبَدَّلْتُ سَيِّاٰتِكُمْ حَسَنَاتٍ قَالَ فَيَرْجِعُوْنَ مَغْفُوْرًا لَّهُمْ۔

جب عید الفطر کا دن ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے ملائکہ کے سامنے اپنے بندوں کی عبادت پر فخر فرماتا ہے اور فرماتا ہے: اے میرے فرشتو! اس مزدور کو جو اپنی خدمت (مزدوری) پوری پوری ادا کرے کیا بدلہ ہے؟ وہ عرض کرتے ہیں: اے ہمارے پروردگار! اس کا بدلہ یہی ہے کہ اس کی اُجرت پوری پوری ادا کی جائے۔ تو اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اے میرے فرشتو! میرے غلاموں اور باندیوں نے میرے فریضے کو پورا کر دیا ہے، پھر دعا کے لیے چلّاتے ہوئے عیدگاہ کی طرف نکلے ہیں۔ میری عزت کی قسم! میرے جلال کی قسم اور بلندیِ مرتبہ کی قسم! میں ان لوگوں کی دعا ضرور قبول کروں گا۔ پھر ارشاد فرمایا: لوگو! پس جاؤ میں نے تمہارے گناہ معاف کر دیے ہیں اور تمہاری بدیوں کو نیکیوں سے بدل دیا ہے۔ سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ لوگ عیدگاہ سے ایسے حال میں لوٹتے ہیں کہ ان کی مغفرت ہو چکی ہوتی ہے۔

اس حدیث پاک نے یہ بات واضح کر دی کہ روزِ عید کو ہدفِ اجابت کا سینہ چاک ہوتا ہے اور سینہ چاکانِ چمن سے سینہ چاکانِ چمن کا ملاپ ہوتا ہے اور اہلِ اسلام پر خداوند کریم کی یہ رحمت عظمیٰ ہے، جس کا شکرانہ ادا نہ کرنے کے جرم کی پاداش میں کفرانِ نعمت بھی ہو سکتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۔

اور اس لیے کہ تم گنتی پوری کرو اور اللہ تعالیٰ کی بڑائی بولو اس پر کہ اس نے تمھیں ہدایت دی اور کہیں تم شکر گزار رہو۔

تذکرۃ الواعظین، صفحہ: 362 پر مرقوم ہے کہ ہمارے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد

فرمایا کہ عید کے روز اللہ تعالیٰ زمین پر کچھ فرشتوں کا نزول کرتا ہے، جو ندا کرتے ہیں۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اُمتیو! چلو اور اپنے اس پروردگار کے حضور میں آؤ جو لازوال بخشش والا ہے۔ تھوڑے سے تھوڑا نیک عمل بھی قبول فرماتا ہے اور بڑے سے بڑے گناہ بھی معاف کر دیتا ہے۔ پھر جب سب لوگ میدانِ عیدگاہ میں نماز کے لیے جمع ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ خوش ہو کر فرشتوں سے فرماتا ہے: اے فرشتو! تم نے دیکھا کہ اُمتِ محمدیہ پر میں نے رمضان کے روزے فرض کیے تھے۔ انھوں نے مہینہ بھر کے روزے رکھے، مسجدوں کو آباد کیا، میرے کلام پاک کی تلاوت کی۔ اپنی خواہشوں کو روکا اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کی۔ اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کی اور اب ادب سے اظہارِ تشکر کے لیے میری بارگاہ میں حاضر ہیں۔ مَیں ان کو بہشت میں ان کے اعمال کا بدلہ دوں گا۔ پھر ارشاد فرماتا ہے: اے اُمتیانِ محمد! جو چاہو مانگو۔ اپنے عزت و جلال کی قسم! اس موقع پر جو مجھ سے مانگو گے، مَیں دوں گا اور تم عیدگاہ سے پاک وصاف ہو کر نکلو گے۔ تم مجھ سے خوش ہو اور میں تم سے راضی ہوں۔ یہ ارشاد سن کر ملائکہ خوش ہوتے ہیں اور اس اُمت کو بشارت دیتے ہیں۔

جشنِ عید الفطر میں غربا کی امداد

عید کا دن ہر لحاظ سے خوشی اور مسرت کا دن ہے۔ خوشی کا اظہار مختلف طریقوں سے کیا جاتا ہے۔ مثلاً خوبصورت لباس زیب تن کرنا، اچھے اچھے کھانے پکانا اور کھانا، اس کے علاوہ اپنے دوست احباب کو گفٹ دینا بھی خوشی کا اظہار ہے۔ بچوں کے لیے ان کی خوشی کے سامان کا اہتمام کرنا بھی اظہارِ خوشی کے زمرے میں آتا ہے۔ گویا عید کے دن ایک جشنِ مسرت ہوتا ہے۔ اس جشن کے لیے ہمیں ممنونِ اسلام ہونا چاہیے کہ اس نے ہمیں یہ جشن عنایت کیا ہے۔ دراصل اسلام اس امر کا خواہاں ہے کہ انسان مسرت وشادمانی کی زندگی گزارے۔ رنج وغم کی تصویر نہ بنے۔ پس اس مقصد کے واسطے اسلام نے ہمیں بھی جشنِ عید کی خوشیوں سے اور جشنِ عید کے ہنگاموں سے فرط اُٹھانے اور لطف اندوز ہونے کی اجازت دی ہے۔

اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے، اس لیے یہ یکساں طور پر سب کی بھلائی کا خواہاں ہے اور

اس میں امیر وغریب رنگ ونسل کی کوئی تمیز نہیں ہے۔ چنانچہ اس نے جشنِ عید کے ہنگاموں سے لطف اندوز ہونے کی اجازت فقط محدود حلقے کے لیے نہیں، بلکہ اپنے تمام پیروکاروں کو جشن عید کی خوشیوں سے حظ اٹھانے کی اجازت دی ہے۔ اب اس ضمن میں امیر وغریب کی کوئی تخصیص نہیں، لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جو لوگ امیر ہیں وہ تو عید کے جشن طرب سے لطف اندوز ہوسکیں گے، مگر جو غریب ہیں تو وہ کیسے جشن عید کی خوشیوں میں شریک ہوں گے، تو اسلام نے ان کے درد کا احساس کرتے ہوئے اپنے پیروکاروں کو جو کہ صاحب مال وزر ہیں، یہ حکم دے رکھا ہے کہ قبل اس کے کہ تمام بزمِ طرب کی ہنگامہ آرائیاں منعقد کرو، اس بات کا جائزہ لے لو، مشاہدہ کرلو ان لوگوں کا جو مذہبی ناطے سے تمہارے بھائی ہیں۔ مگر وہ مفلسی او ناداری کی وجہ سے عید کے جشن میں تمہارے ساتھ شرکت نہیں کرسکتے۔ اپنی مانگ سجانے سے قبل ان کی مانگ میں خوشی کا سیندور بھردو، تاکہ وہ تمہارے ساتھ جشن عید کی ہنگامہ آرائیوں میں بھرپور حصہ لے سکیں اور سینہ چاکانِ چمن سے سینہ چاکانِ چمن کا ملاپ ہوسکے۔ لیکن اگر ایسا نہ کیا تو تمہارے نادار اور مفلس بھائی تمہاری خوشیوں کے ساتھی نہ بن سکیں گے۔ تمہارے ساتھ جشن عید سے لطف اندوز نہ ہوسکیں گے اور ایسی صورت میں تم خود ہی اپنی محفل کے روح رواں ہوگے اور تمہارا جشن ادھورا رہے گا، کیونکہ اس وقت تک جشن مکمل نہیں ہوسکتا جب تک کہ امیر وغریب اور ادنیٰ واعلیٰ کی تخصیص کے بغیر ہر شخص اس میں شرکت نہ کرے، اپنے وجود سے رونقِ جشن نہ بنے اور جب جشن مکمل نہ ہوگا تو خوشی کیسی؟ نامکمل جشن سے اگر چند افراد خوش ہوجائیں تو قوم کے دیگر افراد مفلسی وناداری کی آگ میں جلتے رہیں گے۔ اپنی حسرتوں اور خواہشوں کا لاشہ اپنے کاندھوں پر اُٹھائے دربدر رسوا ہوتے رہیں گے۔ غم ویاس کی تصویر بنے نوحہ کناں ہوں گے۔ یہ سوچ انھیں پاگل کیے دے گی کہ زردار کیسے لوگ ہیں کہ جن کو اپنے نادار بھائیوں کے رنج وغم کا قطعاً کوئی احساس نہیں۔

زردار جگہ جگہ پر خوشی کی محفلوں سے لطف اندوز ہوتا ہے اور بے زر موڑ موڑ پر سارے جہاں کے درد کو اپنے قلب وجگر میں محسوس کرتا ہے۔ زردار زندگی بھر شہرت میں کھیلتا ہے۔ مر جاتا ہے تو بھی اپنی قبر کو مزار کے قالب میں ڈھال کر اپنی موت کو وجہ تشہیر بنالیتا ہے اور بے زر

گمنام گلیوں میں پیدا ہوکر گمنامی کی زندگی گزار کر گمنام وادی میں گمنام ہوجاتا ہے۔

قارئین گرامی! یہ ٹھیک ہے کہ دولت سے زردار اپنے لیے خوشیوں کے جائز سامان کر سکتا ہے اور اس کو یہ حق حاصل ہے کہ عید کے روز بھی وہ جشن کی خوشیوں سے لطف اندوز ہو سکتا ہے۔ لیکن قارئین گرامی! وہ خوشی کہ جس میں صرف چند افراد شریک ہوں دراصل اسے خوشی نہیں کہنا چاہیے، وہ غم ہوتا ہے۔ وہ جشنِ مسرت نہیں ہوتا بلکہ اسے بزمِ سوگ کہنا زیادہ مناسب ہے۔ جس جشن فرقتیں قربتوں میں نہ بدلیں، وہ جشن نہیں ہوتا۔ لہٰذا ہماری خوشی اور بڑائی اسی میں ہے کہ جشنِ عید کی ہنگامہ آرائیوں سے ملت کا ہر فرد لطف اندوز ہو اور ہر قلب میں خوشی کے سوتے پھوٹیں۔

برادرانِ اسلام! آج کے اس ترقی یافتہ دور میں چادر اور چہار دیواری کو بڑی زبردست اہمیت دی جارہی ہے اور اس چادر اور چہار دیواری کے تحفظ کے لیے اربابِ اقتدار بڑا زور دے رہے ہیں۔ لیکن اگر ہم بنظر غائر اپنے ماحول کا مشاہدہ کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ چادر اور چہار دیواری کے تحفظ کے باوجود ایسے ان گنت گھرانے ہیں جن کی بیٹیوں کے کھلے بال اور ننگے سر اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ بیٹیاں اپنی مانگ چھپانے کے لیے اور اپنی عصمت کی حفاظت کے لیے چادر کو ترس رہی ہیں۔ یہ بیٹیاں ہم سے عصمت کی پاسبانی کے لیے چادر کا تقاضا کررہی ہیں، کون ہے جو ان کی طلب پوری کرے گا؟ ان کے ننگے سروں کو چادر سے ڈھانپے اغیار ان کی طلب کا شاخسانہ نہیں بنیں گے۔

برادرانِ عزیز! ان کے ننگے سروں کو ڈھانپنے کے لیے آسمان سے کسی پیکرِ نوری کا نزول نہیں ہوگا بلکہ ہمیں کو یہ بار اپنے کندھوں پر اٹھانا ہے اور اگر ہم میں اس (بار) کو اٹھانے کی ہمت نہیں تو ہمیں ڈوب مرنا چاہیے، اس لیے کہ جب کسی قوم کی بیٹیاں ننگے سر ہوجائیں تو اصل میں فقط بیٹیاں ننگے سر نہیں ہوتیں بلکہ اس قوم کی غیرت کا جنازہ نکلا کرتا ہے اور وہ قومیں زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں رکھتیں جو بے غیرت ہوجاتی ہیں۔

اگر ہم اپنے ماحول کا بنظرِ غائر مطالعہ کریں تو ہمیں بھی معلوم ہوگا کہ ہماری قوم کے ایسے نوجوان جن کو آگے چل کر طارق کے پاسبان بننا ہے، قاسم کے جانشین ہونا ہے، سلطان

صلاح الدین ایوبی کے مشن کی تکمیل کرنا ہے، قبلۂ اوّل کے مسلمانوں کو صیہونیت سے نجات دلانا ہے۔ ایسے نوجوان جن کو آگے چل کر محمود غزنوی کی پیروی کرنا ہے، جن کو نورِ اسلام کو ساری دنیا میں پھیلانے کا فریضہ انجام دینا ہے اور اسلام کو ذی شان بنانا ہے۔ قوم کے ایسے نوجوان آج فقط اس لیے موت کو خوش آمدید کہہ رہے ہیں کہ وہ اپنی بیماری کے علاج کے لیے پیسہ نہیں رکھتے۔ ان کے پاس ڈاکٹر کو اور حکیم کو دینے کے لیے کچھ نہیں ہے۔ اگر کچھ ہے تو فقط مفلسی و ناداری کا اعزازی نشان ہے، جس کو وہ اپنے گلے کا ہار بنائے، سراپا داستانِ غم بنے، سارے جہاں کا درد اپنے جگر میں سموئے اور قلب میں سینہ چاکانِ چمن سے سینہ چاکانِ چمن کے وصال کی آرزو چھپائے گلی گلی اور در در رسوا ہو رہے ہیں۔

معزز قارئین! اگر ہم ذرا غور کریں تو ہم پر یہ روح فرسا حقیقت منکشف ہوگی کہ ہماری قوم میں بعض ایسے نوجوان بھی ہیں، جن کے ابدان سوکھے ہوئے ہیں۔ ان کی ایسی حالت کا سب سے بڑا محرک 'مفلسی و ناداری' ہے۔ ان کے گھروں میں دو وقت چولہا گرم کرنے کے لوازمات بھی نہیں ہوتے۔ ایسے نوجوان زندہ لاش کی طرح ہوتے ہیں۔

جب قوم کی مفلسی و ناداری کا یہ عالم ہو تو جشنِ عید پُرکیف نہیں رہے گا۔ جشنِ عید کو پُرکیف اور ہمہ گیر بنانے کے لیے ہمارے پیارے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَكٰوةَ الْفِطْرِ طُهْرًا لِّلصِّيَامِ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ وَطُعْمَةً لِّلْمَسَاكِيْنَ ۝ (ابوداؤد، مشکوٰۃ، صفحہ:160)

لازم قرار دیا رسول اللہ ﷺ نے صدقۂ فطر کو کہ بے ہودہ کلام سے روزے کی طہارت ہو جائے اور مسکینوں کے لیے کھانا بن جائے۔

بلکہ ہمارے پیارے رسول ﷺ نے یہاں تک ارشاد فرمایا ہے کہ جب تک صدقۂ فطر ادا نہ کیا جائے، اس وقت تک روزہ زمین و آسمان کے درمیان معلق رہتا ہے۔
(خطیب ابن عساکر، دیلمی)

قارئین کرام! یہ اہتمام اس لیے فرمایا گیا تاکہ جشنِ عید کے ہنگاموں میں ہر فرد شرکت کر سکے اور ساری قوم خوشی و مسرت سے ہمکنار ہو سکے۔

نرالی تقریب

اسلام کے علاوہ دنیا میں دیگر کئی مذاہب موجود ہیں، لیکن تمام مذاہب مل کر بھی اسلام کی برابری نہیں کر سکتے۔ اسلام کی ہر بات سراپا حسن ہے۔ سراپا بے مثال ہے۔ دنیا کے تمام مذاہب اس امر سے تہی دست ہیں کہ وہ اسلام کی کسی شے کی بھی نظیر اور تمثیل دکھا سکیں۔ دنیا کے تمام مذاہب تمام تر کوششوں کے باوجود اسلام کی ہمسری نہیں کر سکتے۔ احکامات میں نہ عبادات میں۔ دنیاوی اجر میں نہ اُخروی اجر میں، انفرادی زندگی میں نہ اجتماعی زندگی میں۔ غرض یہ کہ کسی رُخ اور کسی معاملے میں بھی کوئی مذہب اسلام کی برابری نہیں کر سکتا۔

اسلام نے دنیائے عالم کے لیے، نوعِ انساں کی رشد و ہدایت کے لیے جو شمع قرآن مجید کی کتابی صورت میں اہلِ عالم کے سامنے پیش کی ہے، اس کی سارے دو عالم میں کوئی نظیر نہیں۔ یہ شمع سب سے منفرد اور جداگانہ ہے۔ اس کی روشنی کے سامنے سب روشنیاں ماند ہیں۔ یہی حقیقی اور اصلی روشنی ہے، جس کی حدود میں سفر کرنا ہی ہمیں فلاحِ دارین سے ہمکنار کر سکتا ہے۔ قرآن مجید نے ایسے ضابطے اور اصول بھی عالم کو بتائے ہیں جو ہر لحاظ سے انوکھے اور عالمگیر ہیں۔ اسلام کے ان ہی بتلائے ہوئے ضابطوں میں سے ایک ضابطہ رمضان ہے۔

رمضان کے سارے ماہ لوگوں کو یہ درس دیا جاتا ہے، لوگوں کو یہ تعلیم دی جاتی ہے، ان کو یہ بتایا جاتا ہے کہ تمہارا نفس شر پسند ہے۔ شرارت اس کی رگ رگ میں سرایت ہے۔ اس میں غرور ہے، تکبر ہے، نخوت ہے اور عصیان کے طوفان ہیں جو تمہارے ایمان کو خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے جائیں گے۔ اس لیے سنبھلو اور ان طوفانوں سے بچاؤ کے لیے ان کے آگے عجز و انکساری، فراخدلی، حوصلگی کے میٹریل سے تحمل و بردباری اور صبر و برداشت کا مضبوط بند باندھ دو، تاکہ طوفان اس بند سے ٹکرا کر اپنا زور کھو بیٹھے اور تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں۔

رمضان کے پورے ماہ میں انسانوں کو یہ بتایا جاتا ہے، ان کو اس امر کی تلقین کی جاتی ہے کہ: اے لوگو! کذب، فریب، دغابازی، کانٹوں بھری راہ کے مقام میں یہ راہ تم کو جہنم کی طرف لے جائے گی، اس لیے ان سب مقامات سے گریز کرو اور اس کی بجائے راست گوئی، راست روی اور خلوصِ دلی، صراطِ مستقیم کی منازل ہیں اور صراطِ مستقیم جنت میں لے

جاتی ہے۔ اس لیے صراطِ مستقیم اپناؤ اور دنیا کی سب طاقتوں سے منہ موڑ کر ایک اللہ کے حضور سر بسجود ہو جاؤ، اس لیے دنیا کی ساری طاقتیں جھوٹی ہیں اور اللہ کی طاقت دائمی ہے۔ پھر اللہ کے برگزیدہ بندے حضرت محمد ﷺ کی رسالت کا صدقِ دل سے اقرار کرو اور ان کے خادم اور غلام بن جاؤ۔ اگر تم کو بھوکے پیاسے رہ کر اپنے فرائض انجام دینا پڑیں تو کسی ہچکچاہٹ کو رکاوٹ مت بننے دو۔ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو، ایک ہو جاؤ اور اپنے کردار میں وہ بلندی اور عظمت پیدا کر لو جو اغیار کو ہلا دے اور جس کے روبرو رفعت ہفت افلاک بھی ہیچ ہو جائے اور جو سینہ چاکانِ چمن سے سینہ چاکانِ چمن کا وصال کر دے۔ کردار کی اسی عظمت کو اپنی پہچان، نشانی اور اپنا شعار بنا لو اور ان شاء اللہ کامیابی دو جہاں بالضرور تمہاری قدم بوسی کرے گی۔

حضرات گرامی! یہ ضابطہ دراصل ایک ٹریننگ ہے جو کسی سپاہی کو میدان میں لڑنے سے قبل دی جاتی ہے اور یہ ضابطہ دراصل ایک ریہرسل ہے جو کسی کردار کی ادائیگی سے قبل کی جاتی ہے اور یہ ضابطہ دراصل ایک بنیاد ہے، جس پر عمارت تعمیر کی جاتی ہے اور یہ ضابطہ اس لیے نافذ کیا گیا تاکہ ایک ماہ کی مسلسل کوشش پیہم سے قلب وجگر میں تقویٰ پیدا ہو جائے اور دل ودماغ پاکیزگی سے معمور ہو جائیں اور لوگ اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کر سکیں۔ ان نعمتوں کا جو اللہ نے ان پر رمضان شریف اور عید کے دن کی ہیں۔

یہ مسلمانوں کی تقریب عید ہوتی ہے، جس میں لوگ پاکیزہ دل ودماغ اور تقویٰ سے معمور ہو کر اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے ہیں، لیکن برعکس اس کے دیگر مذاہب کی تقریبات کچھ اس طرح ہوتی ہیں کہ ان میں کھیل اور تماشے کیے جاتے ہیں۔ راگ ورنگ عیش ونشاط اور نکہت ونور سے معمور چکیلے ابدان کو جانِ تقریب بنایا جاتا ہے۔ ایسی تقریبات دراصل ایک چوٹی ہوتی ہیں، جس پر کھڑے ہوئے لوگ اندھیاروں میں اپنی راہ تلاش کرنے میں محو ہوتے ہیں اور کسی پتھر سے ٹھوکر کھا کر نشیب میں لڑھک جاتے ہیں، جہاں مہیب گھاٹیاں اور گڑھے اپنے ہیبت ناک جبڑے کھولے ان کے منتظر ہوتے ہیں۔ ایسے وقت میں وہ نہ کچھ کر سکتے ہیں اور نہ ہی کوئی دوسرا ان کے لیے کچھ کر سکتا ہے۔ پس تباہیاں ان کا مقدر بن جاتی ہیں۔

درسِ اتحاد

قارئین گرامی! جب بچہ سنِ شعور کو پہنچ جاتا ہے تو اسے تعلیماتِ اسلامیہ میں اتحاد اور اجتماعیت سے روشناس کرایا جاتا ہے، کیونکہ اتحاد میں برکت ہے۔ اتحاد بڑی اہم چیز ہے۔ ایک قطرۂ آب کی حیثیت کیا ہے؟ مگر جب یہی قطرے آپس میں اتحاد کرتے ہیں تو ابر کرم کی صورت میں پل بھر میں جل تھل کر ڈالتے ہیں، سوکھی کھیتی ہری کر ڈالتے ہیں اور ان ہی قطروں کی ہم آہنگی ایسے طوفان کو جنم دیتی ہے جو ایک عالم کو خس وخاشاک کی مانند بہا لے جاتے ہیں۔ ایک ننھے منے سے ستارے کی کیا حقیقت ہے، مگر جب یہی ستارے آپس میں اتحاد کر لیتے ہیں تو راتوں کو دلہن کی طرح سجا دیتے ہیں۔

یہی حال قوموں کا ہے۔ اتحاد ہی کی بدولت قومیں سنورتی ہیں اور ترقی کی راہ پاتی ہیں۔ ہمارے پیارے رسول حضرت محمد ﷺ نے مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کیا اور ان میں اتفاق، اتحاد اور یگانگت پیدا فرمائی اور تاریخ شاہد ہے کہ جب تک مسلمانوں نے اتفاق واتحاد کو اپنائے رکھا، کامیابی ان کی قدم بوسی کرتی رہی۔ قیصر وکسریٰ کی سلطنتیں ان کی عظمت کے سامنے سرنگوں ہو گئیں۔ ان کی ٹھوکر پا سے صحرا دریا دو نیم ہو گئے اور ان کی ہیبت سے پہاڑ سٹ کر رائی ہو گئے اور وہ راہ میں آنے والی ہر رکاوٹ کو ٹھوکر سے اڑا گئے۔ فتح ونصرت کے پھریرے لہراتے کامیابیوں کی جانب رواں دواں رہے، لیکن جب مسلمانوں کا ناطہ مرکز سے ٹوٹ گیا، تفرقہ پرستی ان میں جاگزیں ہوئی اور وہ امتیازات کے تفاخری قفس سے محبت کرنے لگے، دلوں میں نفاق کا پڑا پھوٹا تو ان کی شان وشوکت، ان کا رعب ودبدبہ اور ان کی شوکت وسطوت سب خوابِ پریشاں کی طرح بکھر گئے اور وہ اوجِ ثریا سے تحت الثریٰ میں گر گئے۔ ان کی طاقت کا شیرازہ بکھر گیا اور وہ زمانے میں ذلیل ورسوا ہوئے۔ علامہ اقبال نے مسلمانوں کو درسِ اتحاد دیتے ہوئے فرمایا:

بتانِ رنگ وخوں کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا   نہ ایرانی رہے باقی نہ تورانی نہ افغانی

اگر آج بھی مسلمان اتحاد کو اپنا لیں تو ان کو وہ مرتبہ اور مقام حاصل ہو جائے کہ جس کو ہر مقام امتیاز سے بولا جاتا ہے۔ اگر آج بھی مسلمان اتحاد کر لیں تو ان شاء اللہ پھر کوئی طاقت

ان پر غالب نہیں آسکتی۔ بلکہ سپر پاور امریکہ، رشیا، چین اور برطانیہ سب ان کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو جائیں۔ اگر آج مسلمان اپنے اپنے قفس سے نکلیں اور آپس میں متحد ہو جائیں تو ان کو پھر ماضی جیسی شان وشوکت حاصل ہو سکتی ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا۔

اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور آپس میں تفرقہ نہ کرو۔

عناصرِ قدرت زنجیر کی لڑیوں کی مانند باہم مربوط ہو کر پوری یکجہتی کے ساتھ نظام قدرت چلا رہے ہیں۔ اگر ان میں ذرا بھی نفاق پیدا ہو جائے تو سارا نظام قدرت آن واحد میں درہم برہم ہو جائے۔ گویا سارا نظام قدرت عناصر قدرت کے اتفاق کے سہارے چل رہا ہے۔

اسی اتحاد سے مسلمانوں کے قلوب وجگر کو معمور کرنے کے لیے آج کے دن اجتماع کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ یہ اجتماع ہزاروں افراد کا اجتماع ہوتا ہے جو صرف ایک امام کی آواز پر بے چوں وچرا حرکت کر رہا ہے۔ امام کی آواز پر سب کے سب جھک جاتے ہیں اور امام کی آواز پر سب اُٹھ پڑے ہیں اور امام کی آواز پر سب بیٹھ جاتے ہیں۔ جسمانی ہم آہنگی کے اس نظارے میں بڑی لذت اور بڑا ہی دلکش سرور ہوتا ہے۔

دراصل جسمانی ہم آہنگی کے روپ میں یہ ایک اقرار ہوتا ہے کہ: یا اللہ ہم اپنی نمازیں تیرے لیے پڑھتے ہیں، قیام وسجود تیرے لیے کرتے ہیں اور زندگی کے ہر امر میں تجھ کو امین کرتے ہیں۔ یہ اقرار حکم خداوندی کی اطاعت کے سلسلے میں ہوتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

بے شک میری نمازیں، میری قربانیاں، میری حیات اور میری موت سب اللہ کے لیے ہیں۔

جب مسلمان کے تمام افعال حتی کہ مرنا اور جینا بھی اللہ کے لیے ہو جائے تو گویا مسلمان اللہ کا ہو جاتا ہے اور جب کوئی اللہ کا ہو جائے تو اللہ اس کا ہو جاتا ہے۔ فرقتیں قربتوں میں بدل جاتی ہیں اور سینہ چاکانِ چمن سے سینہ چاکانِ چمن کا وصال ہو جاتا ہے اور اس کو فلاحِ دارین مل جاتی ہے۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے پر خلوص دعا ہے کہ وہ ہم سب مسلمانوں کو اس امر کی توفیق بخشے کہ ہم اپنے اپنے قفس سے نکل کر باہم متحد ہو جائیں۔ آمین ثم آمین۔ □□□

تئیسواں وعظ

زکوٰۃ کی پہلی تقریر

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ۔

(پارہ 1، سورۂ بقرہ)

مندرجہ بالا آیات میں نماز کے بعد زکوٰۃ کا حکم دیا گیا ہے۔ جس طرح نماز فرض قرار دی گئی ہے، اسی طرح زکوٰۃ کی ادائیگی بھی لازمی اور ضروری قرار دی گئی ہے۔ ہمارے پیارے رسول حضرت محمد ﷺ شبِ اسرا کے دولہا نے بھی اسلام کی بنیادوں کا تذکرہ فرمایا تو نماز کے بعد زکوٰۃ کا حکم دیا۔

بُنِيَ الْاِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ شَهَادَةِ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاءَ الزَّكٰوةِ وَالْحَجِّ وَصَوْمِ رَمَضَانَ۔ (متفق علیہ، مشکوٰۃ، صفحہ 12)

اسلام کی بنیاد پانچ باتوں پر ہے۔ اس پر شاہد رہنا کہ اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے خاص بندے اور رسول ہیں۔ نماز کی پابندی کرنا۔ زکوٰۃ ادا کرنا۔ حج کرنا اور رمضان شریف کے روزے رکھنا۔

مفہوم زکوٰۃ

زکوٰۃ کا لفظ مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ ایک معنی پاکی ہے کہ اگر مال کی زکوٰۃ نکل جائے گی تو مال پاکیزہ ہو جائے گا۔ جس کے کھانے سے نور پیدا ہوگا۔ عبادت میں ذوق حاصل ہوتا ہے۔ دوسرے معانی یہ بھی ہیں کہ زکوٰۃ ادا کرنے والا گناہوں سے پاک صاف

ہو جاتا ہے۔ حضرت آدم ۔ سے لے کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیائے کرام مبعوث فرمائے گئے، لیکن ان میں سے کسی ایک پر بھی زکوٰۃ فرض قرار نہیں دی گئی، اس لیے کہ انبیا علیہ الصلوٰۃ والسلام گناہوں سے پاک ہوتے ہیں۔

ان دونوں معانی سے الگ زکوٰۃ کا ایک معنیٰ ''بڑھنا'' بھی ہے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے مال بھی بڑھتا ہے اور اس میں برکت ہوتی ہے۔

لغت میں زکوٰۃ کے معانی پاکیزگی کے ہیں اور شریعت میں زکوٰۃ مال کے اس حصے کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقے اور مقرر کردہ حدود میں رہ کر معاشرے کے غریب اور نادار لوگوں کو دیا جاتا ہے۔

زکوٰۃ مالی عبادت ہے اور ہر ایسے آزاد، عاقل اور بالغ مسلمان پر فرض قرار دی گئی ہے، جس کی ملکیت میں ایک سال تک نصاب کی مقدار کے برابر مال موجود ہے۔ نصاب سے مراد مال کا وہ کم از کم اندازہ ہے جو شریعت نے زکوٰۃ کے قابل وصول ہونے کے لیے مقرر کیا ہے۔ جو شخص نصاب کی مقدار سے کم مال کا حامل ہوگا، اس پر زکوٰۃ لازم نہیں۔

نصاب کی مقدار ساڑھے سات تولے سونا یا ساڑھے باون تولے چاندی یا ان کے برابر کی مالیت ہے اور مدت ایک سال ہے۔ یعنی جس شخص کے پاس ساڑھے سات تولے سونا یا ساڑھے باون تولے چاندی یا ان کی مالیت کے برابر نقدی یا سامانِ تجارت، اپنی حاجات و ضروریاتِ زندگی سے زائد اور فارغ ہو اور اس پر ایک سال گزر جائے تو اس کا چالیسواں حصہ یعنی اڑھائی فیصد زکوٰۃ کے طور پر ادا کرنا فرض ہے۔

علاوہ ازیں زمین کی تھوڑی مالیتِ پیداوار پر بھی زکوٰۃ لازم ہے۔ یونہی فصل تیار ہو جائے تو زکوٰۃ کی ادائیگی لازمی ہے۔ نہری اور چاہی زمین سے بیسواں اور بارانی زمین سے دسواں حصہ بطور زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے اور اس میں سال کا گزرنا فرض نہیں۔ مویشیوں اور جانوروں کا مالک ہونے کی صورت میں بھی زکوٰۃ فرض ہے۔ بھیڑ، بکریوں کا نصاب کم از کم چالیس اور بھینس گائیوں کا کم از کم تیس اور اونٹوں کا کم از کم پانچ ہے۔ گھریلو استعمال کی اشیا فرنیچر، سواری کے جانور، سائیکل، موٹر اور ہتھیار، ذاتی کتب خانہ اور رہن شدہ جائیدار کی صورت میں زکوٰۃ فرض

نہیں۔ بچہ اور دیوانہ زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہیں۔ مقروض جس کو قرضہ ادا کرنا ہو، اس پر اتنا قرض ہو کہ ادا کرنے کے بعد اس کے پاس نصاب جتنا مال باقی نہ رہے تو اس پر بھی زکوٰۃ لازم نہیں۔

وجوبِ زکوٰۃ کی حکمت

خداوند کریم اپنے آخری کلام قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا۔

ہر جاندار جو زمین میں ہے، اس کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے۔

کلام مجید کی مندرجہ بالا آیت مقدسہ سے واضح طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ سارے جہانوں کی مخلوق کے رزق کی نگہبانی کرنے والا اللہ تبارک وتعالیٰ ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ پہاڑ کے دامن میں ایک چھوٹے سے پتھر کے اندر رہنے والے ایک چھوٹے سے کیڑے کو بھی رزق پہنچاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے ساتھ یہ وعدہ فرمایا ہے کہ رزق کا ذمے دار وہ خود ہے اور اپنے اس وعدے کی تکمیل اس نے یوں فرمائی کہ اس کائناتِ فانی میں دو طرح کے انسان کی تخلیق کی۔ انسانوں کی پہلی قسم کو مال و دولت سے نوازا اور دوسری قسم کو غریب بنایا۔ پہلی قسم کے لوگوں کو مال و دولت سے نواز کر اپنے وعدے کی تکمیل کی اور غریبوں کے ساتھ وعدے کی تکمیل یوں کی کہ امیر لوگوں نے سونے چاندی، مالِ تجارت کی موجودگی کی صورت میں زکوٰۃ فرض قرار دی۔ نیز اراضی کی آنکم پر عشر اور عید الفطر کے موقع پر صدقۂ فطر واجب قرار دیا اور حکم فرمایا کہ زکوٰۃ عشر اور صدقے کا مال غریبوں میں تقسیم کرو تا کہ وہ بھی اپنے اور اپنے بچوں کے لیے ضروریاتِ زندگی دستیاب کر سکیں۔

یہاں پر ایک چیز کی وضاحت ضروری ہے کہ زکوٰۃ عشر اور مال صدقہ بظاہر امیر لوگ دیتے ہیں اور فقیروں کو دیتے ہیں۔ اصل میں وہ زکوٰۃ عشر اور مال صدقہ اللہ کے ہاتھ میں جاتا ہے اور رب العالمین اپنے وعدے کی تکمیل کی خاطر وہ مال غربا کو دے دیتا ہے۔

زکوٰۃ وصدقہ دینے کے فوائد

زکوٰۃ اور صدقے کی ادائیگی بے شمار اور ان گنت فوائد کا گنجینہ ہے۔ زکوٰۃ کا سب سے

پہلا فائدہ یہ ہے کہ اس کی ادائیگی سے انسان کے ایمان کی پختگی ہوتی ہے۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ مال زکوٰۃ سے قوم کے غریب، نادار اور مفلس عزیز واقربا کی پرورش ہوتی ہے اور ان کو اپنا پیٹ پالنے کے لیے غیروں کے سامنے دستِ سوال دراز نہیں کرنا پڑتا، جس سے صاحبِ مال کی عزت وآبرو میں اضافہ ہوتا ہے۔ ادائیگی زکوٰۃ کا تیسرا فائدہ یہ ہے کہ اس سے غربا اور مساکین کی دعائیں حاصل ہو جاتی ہیں اور سنا ہے کہ غریبوں اور مساکین وغیرہ کی دعائیں زیادہ زود اثر اور پر اثر ہوتی ہیں۔ چوتھا فائدہ یہ ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی سے مال پاکیزگی کا حامل ہو جاتا ہے اور پاکیزہ اشیا کا اثر بھی پاکیزہ ہوا کرتا ہے۔ پانچواں فائدہ یہ ہے کہ آخرت میں ایک روپے کے بدلے میں سات سو روپے ملیں گے اور اللہ تعالیٰ جود وکرم کرے تو ایک روپے کے عوض ان گنت روپے دے گا۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید کے تیسرے پارے کی سورۂ بقرہ میں ارشاد فرماتا ہے:

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ۭ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝

مندرجہ بالا آیت مقدسہ کا ترجمہ یہ ہے کہ جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، ان کی مثال اس دانے کی طرح ہے جس نے سات بالیں اُگائیں اور ہر بالی میں سو دانے اور اللہ اس سے بھی زیادہ بڑھائے، جس کے لیے چاہے اور اللہ تعالیٰ وسعت والا علم والا ہے۔

چھٹا فائدہ یہ ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کرنے والے پر کوئی طعنہ زنی نہ کر سکے گا کہ اتنا مالدار اور امیر وکبیر ہونے کے باوجود اتنا بخیل اور کنجوس ہے کہ زکوٰۃ ادا نہیں کرتا، نیز فقرا اس کے دشمن نہ بنیں گے۔

کشف الغمہ، صفحہ: 178 پر مرقوم ہے کہ ہمارے پیارے رسول حضرت محمد ﷺ نے ارشاد فرمایا: مَنْ اَدّٰى زَكٰوةَ مَالِهٖ فَقَدْ ذَهَبَ عَنْهُ شَرُّهٗ ۝
جو شخص اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرتا ہے، بے شک اس سے اس کا شر دور ہو جاتا ہے۔

ادائیگی زکوٰۃ کا ساتواں فائدہ یہ ہے کہ ادائیگی زکوٰۃ سے قلب میں پاکیزگی آجاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید کے دسویں پارے کی سورۂ توبہ کی تیسری آیت میں فرماتا ہے:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا ۝

(اے محمد!) آپ ان کے مالوں سے (جس کو وہ لائے ہیں) صدقہ لے لیجیے، جس کے ذریعے آپ ان کے دلوں کو پاک اور صاف کر دیں گے۔

عزیزانِ گرامی! قرآن وحدیث سے یہ بات ثبوت کی تکمیل کو پہنچی کہ ادائیگی زکوٰۃ اور ادائیگی صدقہ سے مسلمانوں کا اپنا ذاتی، دینی اور دنیاوی فائدہ ہے۔ اُصولی طور پر ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ہمارے سرمایہ دار بھائی ادائیگی زکوٰۃ میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے، لیکن حیف صد حیف کہ آج کل کے دور میں مسلمان ادائیگی زکوٰۃ کو ایک بوجھ تصور کرتے ہیں۔ گورنمنٹ کے ٹیکس کو ادا کرتے ہیں، مگر اس مقدس مذہبی فریضے کی ادائیگی کو گراں خیال کرتے ہیں۔ کہتے ہیں جی! یہ سائنس کا دور ہے۔ انسان کی ترقی اور ارتقا کا دور ہے۔ واقعی یہ سائنس کا دور ہے اور یقیناً یہ انسان کے ارتقا اور انسان کی ترقی کا دور ہے۔ ذرا نگاہِ بینا کھولیے، اردگرد نظر دوڑائیے، ایک دو نہیں، دس بیس نہیں، سیکڑوں، ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں آپ کو ایسے بدکردار عناصر نظر آئیں گے جو انسانیت اور اخلاق کے نام پر روپے پیسے کا بے دریغ خرچ کر رہے ہوں گے۔ اپنے جھوٹے اور مصنوعی وقار اپنی جھوٹی اور مصنوعی وعارضی شہرت وعزت اور آبرو میں اضافے کی خاطر روپے پانی کی طرح بہا رہے ہوں گے۔ اپنے آرام کی خاطر اے سی سے مزین کاریں خرید رہے ہوں گے۔ ٹی وی اور فریج خرید رہے ہوں گے، مگر یہاں پر اللہ کے نام کی خاطر روپے کا سوال آئے گا، یہ لوگ خود کو جدی پشتی کنگال ظاہر کرنا اپنا فریضۂ اوّلین خیال کرتے ہیں۔

لوگوں کا مجمع لگا ہوا ہو۔ بیچ میں چند خسرے بے ہنگم انداز میں ناچ رہے ہوں، تو یہ لوگ ان کے اس بے سرے ناچ پر نوٹوں کی بارش کر دیں گے۔ سینما میں لوفرانہ فلم لگی ہو تو یہ لوگ اس فلم کو دیکھنے کی خاطر گیلری یا باکس ٹکٹ بلیک میں حاصل کریں گے اور پھر کہیں گے کہ بڑی سپر ہٹ فلم تھی۔

تمام اور ہر قسم کے فضول اُمور میں روپے ضائع کریں گے اور اس کا انھیں کوئی افسوس نہیں ہوگا، مگر راہِ خدا میں ایک پائی بھی خرچ کرنا ان کے لیے موت ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ بڑا حکیم ہے، علیم ہے، اسے معلوم تھا کہ ہم مسلمان ذلت کی پستیوں میں گر جائیں گے اور زکوٰۃ کی ادائیگی کو گراں خیال کریں گے۔ اس واسطے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بار بار بلکہ چوراسی بار زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم دیا اور ساتھ ہی یہ وضاحت بھی فرما دی کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال صرف کرنا ہمارے اپنے لیے ہی بہتری کا باعث ہے۔ ارشاد باری ہے:

وَمَا تُنۡفِقُوۡنَ مِنۡ خَيۡرٍ فَلِاَنۡفُسِكُمۡ ۔

تم جو کچھ راہِ خدا میں خرچ کروگے، تمہارے اپنے لیے ہی فائدہ مند ہے۔

ہمارے اس معاشرے میں فقط امیر طبقہ ہی ادائیگی زکوٰۃ وصدقات میں بخل سے کام نہیں لیتا بلکہ درمیانی طبقہ بھی ایسے معاملات میں حیل وحجت سے کام لیتا ہے۔ بالعموم جب جیب میں پیسے نہ ہوں تو ہم سے کوئی سوال کرے تو ہمارے دل میں اس کے لیے ہزارہا ہمدردیاں پیدا ہوتی ہیں اور جب ہماری جیب میں پیسے ہوں تو ہمارے دل میں اپنے لیے ہمدردی کا جذبہ ابھرتا ہے۔ ہزارہا خواہشیں جنم لیتی ہیں اور ہمارا دل پیسہ خیرات کرنے سے گریز کرتا ہے۔ حالانکہ اس میں ہمارا اپنا ہی فائدہ ہے۔

نزہۃ المجالس، جلد اوّل، صفحہ: 192 پر مرقوم ہے کہ آج سے کئی صد سال قبل جب کہ حضرت عیسیٰ کا دورِ نبوت تھا۔ ایک واشرمین تھا، دھوبی تھا، جس کا کام یہ ہوتا تھا کہ لوگ اسے کپڑے دھونے کے لیے دیتے تھے۔ وہ واشرمین کپڑے تبدیل کر دیا کرتا تھا۔ لوگ اس کے اس رویے سے عاجز آ گئے اور مل کر حضرت عیسیٰ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض پیرا ہوئے کہ: یا نبی اللہ! فلاں واشرمین ہمارے کپڑے تبدیل کر دیتا ہے۔ اس کے لیے بددعا فرمائیں۔ سیدنا عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے دستِ اقدس دعا کے لیے اٹھائے اور فرمایا: اَللّٰهُمَّ اَهۡلِكۡهُ۔ یا اللہ! اسے ہلاک فرما۔ لوگ مطمئن ہو کر گھروں کو لوٹ گئے کہ آپ کی دعا ضرور ہدفِ اجابت کا سینہ چاک کرے گی اور ہمیں واشرمین کے شر سے نجات حاصل ہو جائے گی۔ دوسرے دن واشرمین کپڑے دھونے کی غرض سے گھاٹ کی طرف

روانہ ہوا اور دوپہر کا کھانا ساتھ لے لیا جو ۳/عدد روٹیوں پر مشتمل تھا۔

واشرمین راستے میں ہی تھا کہ اس راستے میں ایک سائل ملا، جس نے واشرمین کے سامنے دستِ سوال دراز کیا۔ واشرمین نے اس کو ایک روٹی خیرات کے طور پر دے دی۔ سائل نے خوش ہو کر واشرمین کے حق میں دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ تجھے آسمانی بلاؤں سے محفوظ رکھے۔ واشرمین کو یہ دعا اچھی لگی، پسند آئی اور اس نے خوشی کے عالم میں دوسری روٹی بھی سائل کو دے دی۔ سائل نے پھر دعا کی: اللہ تجھے ارضی بلاؤں کے شر سے اپنی امان میں رکھے۔ واشرمین نے خوش ہو کر تیسری روٹی بھی سائل کو دے دی۔ سائل نے پھر یہ دعا کی اللہ تعالیٰ تجھے اور توفیق بخشے۔ یہ دعا کر کے سائل رخصت ہو گیا اور واشرمین گھاٹ پر پہنچ گیا اور واشنگ میں محو ہو گیا۔ ادھر حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا شرفِ قبولیت حاصل کر چکی تھی اور دعا کی تکمیل کی خاطر ایک خوفناک اژدہا اس کے کپڑوں میں چھپ گیا تھا تاکہ واشرمین کو ڈنک سے ہلاک کر ڈالے، مگر جب واشرمین نے کپڑوں میں ہاتھ داخل کیا تو سانپ نے ڈنک مارنے کی کوشش کی، مگر وہ کامیاب نہ ہو سکا اور واشرمین بہ سلامت گھر آ گیا۔ اسے دیکھ کر لوگوں کو سخت حیرانی ہوئی، وہ تو گمان کر رہے تھے کہ آج واشرمین واپس نہ آ سکے گا۔ مل کر سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض پیرا ہوئے کہ: یا نبی اللہ! واشرمین بحفاظت آ گیا ہے۔ آپ نے اس واشرمین کو بلایا اور اس سے سوال کیا کہ تو نے کس نیک عمل کی ادائیگی کی ہے؟ اس نے عرض کیا کہ: حضرت! میں نے کوئی نیک کام نہیں کیا، مگر ایک سائل کو تین روٹیاں دی تھیں۔ سیدنا عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سانپ سے سوال کیا کہ تو نے اس کو ڈنک کیوں نہ مارا؟ سانپ نے عرض کیا: یا نبی اللہ! آپ کی دعا بارگاہِ الٰہی میں قبول ہو چکی تھی اور حکم خداوند سے اس کو ڈنک مارنے کے ارادے سے اس کے کپڑوں میں داخل ہو چکا تھا، مگر واشرمین نے جب سائل کو تین روٹیاں صدقے میں دیں تو اس صدقے کی برکت سے فرشتے نے میرے منہ میں لگام ڈال دی، جس کے باعث میں اس کو ڈنک نہ مار سکا۔ واشرمین نے سانپ کی گفتگو سماعت کی اور خلوصِ دل سے توبہ کی اور ہمیشہ کے لیے نیکوکار بن گیا۔

نزہۃ المجالس، جلد اوّل، صفحہ: 191 پر مندرجہ بالا حکایت سے قبل ایک اور حکایت منظوم ہے، جس سے بخوبی یہ بات واضح ہوتی ہے کہ صدقے کی برکت سے انسان پر اللہ کی رحمت نازل ہوتی ہے۔

منصور بن عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اللہ کے برگزیدہ بندے ہوکر گزرے ہیں۔ ایک روز کا ذکر ہے کہ آپ محفل لگائے بیٹھے تھے اور وعظ و نصیحت کی باتیں بیان کر رہے تھے۔ دورانِ وعظ مجلس میں سے ایک سائل اٹھا اور آپ سے چار درہم کا سوال کیا۔ منصور بن عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حاضرینِ مجلس سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ جو کوئی اس شخص کو چار درہم دے گا، میں اس کے حق میں چار دعائیں کروں گا۔ آپ کی محفل میں ایک ایسا شخص بھی موجود تھا جو کہ ایک یہودی کا غلام تھا۔ وہ اٹھا اس نے سائل کو چار درہم دیئے۔ آپ نے پوچھا: تیری پہلی دعا کیا ہے؟ وہ کہنے لگا: میں ایک یہودی کی غلامی میں ہوں۔ آپ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس غلامی سے نجات دلائے۔ منصور بن عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے حق میں یہ دعا فرمائی اور اس سے اگلی دعا کی بابت دریافت کیا۔ اس نے عرض کیا: میں مفلس ہوں، دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے دولت سے نوازے۔ آپ نے یہ دعا بھی فرمائی اور تیسری دعا کی بابت سوال کیا۔ اس نے عرض کیا: میں جس شخص کا ملازم ہوں وہ یہودی ہے، آپ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اس کو قبولِ اسلام کی توفیق بخشے۔ آپ نے یہ دعا بھی فرمائی اور چوتھی دعا کے بارے میں استفسار کیا۔ اس نے عرض کیا: میں معاصی کار ہوں، آپ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اور میرے مالک کی مغفرت فرمائے۔ آپ نے یہ دعا بھی فرمائی اور مجلسِ وعظ اختتام پذیر ہوئی۔ وہ شخص اپنے مالک کے پاس آیا۔ مالک نے تاخیر سے آنے کا سبب پوچھا: اس نے جواب دیا کہ آج میں منصور بن عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محفل وعظ میں چلا گیا تھا۔ وہاں چار درہم کے بدلے چار دعائیں حاصل کر کے آرہا ہوں۔ یہودی آقا کہنے لگا ذرا بتاؤ تو وہ کون سی دعائیں تھیں؟ اس نے جواب دیا: پہلی دعا یہ تھی کہ اللہ مجھے آزاد کرے۔ مالک نے کہا: جا میں نے تجھے آزاد کیا۔ غلام نے کہا: میری دوسری دعا یہ تھی کہ اللہ مجھے دولت سے نوازے۔ مالک نے فوری چار ہزار درہم اس کے سپرد کر دیے۔ غلام نے اپنی تیسری دعا بیان کی اور اللہ تعالیٰ میرے یہودی مالک کو دولت ایمان سے سرفراز کرے۔ یہ سن کر یہودی کلمۂ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد

رسول اللہ پڑھ کر حلقہ بگوش اسلام ہوگیا۔ غلام نے کہا: میری چوتھی دعا یہ تھی کہ خداوند کریم مجھے اور میرے مالک کو معاف کردے۔ مالک نے کہا کہ گناہوں سے مغفرت میرے بس کا روگ نہیں، یہ اللہ تعالیٰ ہی کرسکتا ہے۔ یہ گفتگو ہوئی اور آقا و خادم اپنا کام ختم کرنے کے بعد محوِ خواب ہوگئے۔ حالتِ خواب میں مالک نے دیکھا: ہاتف غیبی ندا کر رہا ہے کہ: اے غلام کے مالک! جس پر تو قادر تھا وہ تو نے کر دکھایا۔ میری قدرت والا تو نہیں کرسکا۔ لو میں اسے کیے دیتا ہوں، جا میں نے تمھیں اور تمہارے غلام کو گناہوں سے بخش دیا۔ نہ صرف تمھیں اور تمہارے غلام کو بلکہ تمام اہلِ محفل کو بھی معاف کر دیا۔

قارئین گرامی! یہ ہے کہ صدقے کی برکت کہ ایک کے صدقہ دینے سے دیگر اہلِ مجلس بھی اللہ کی رحمت کے امیدوار بن گئے۔

اسی طرح کی ایک حکایت تذکرۃ الاولیا، صفحہ: 57 پر درج ہے، ذرا ملاحظہ ہو:

حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ ایک مشہور بزرگ گزرے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ جب میں مناسک حج کی ادائیگی سے فارغ ہوا تو حرم شریف میں ایک ساعت کے لیے سوگیا۔ عالم نیند میں دیکھا کہ فلک سے دو ملائکہ کا نزول ہوا ہے۔ ایک نے دوسرے سے سوال کیا کہ امسال کتنے لوگ مناسک حج کی ادائیگی کے لیے آئے تھے۔ دوسرے نے جواب دیا کہ اس سال حج کی ادائیگی کرنے والوں کی تعداد چھ لاکھ تھی۔ پہلے فرشتے نے سوال کیا کہ چھ لاکھ میں سے کتنے کا حج شرف قبولیت سے نوازا گیا ہے۔ دوسرے نے جواب دیا کہ چھ لاکھ میں سے ایک کا بھی حج شرفِ قبولیت حاصل نہیں کرسکا۔ عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ یہ سن کر میرے دل میں ہوک اٹھی۔ میرا دل اضطراب کا شکار ہوگیا اور میں ایک عجیب بے چینی محسوس کرنے لگا کہ اس قدر لوگ راستے کی صعوبتیں برداشت کرتے ہوئے صحرا اور سمندر کا سفر کر کے حج کی ادائیگی کے لیے آئے اور ان میں سے کسی ایک کا بھی حج قبول نہیں ہوا۔ کیا ان کی تمام مشقتیں بے کار ہوگئیں۔ اتنے میں فرشتے نے مزید کہا کہ ملک شام کے شہر دمشق میں ایک شخص رہتا ہے جو کہ پارہ دوزی کا کام کرتا ہے۔ اس کا نام علی بن الموافق ہے۔ وہ حج کے لیے نہیں آیا، لیکن اس کے باوجود اس کا حج قبول کرلیا گیا ہے اور اس کے صدقے سے اللہ تعالیٰ نے چھ لاکھ

حجاج کو مغفرت سے نوازا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک کہتے ہیں کہ اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔ میرے دل میں جستجو پیدا ہوئی کہ اس مردِ مومن کی زیارت سے مشرف ہونا چاہیے، جس کے صدقے میں چھ لاکھ انسانوں کا حج قبول کیا گیا۔ چنانچہ میں نے شام کا سفر اختیار کیا۔ دمشق تک رسائی حاصل کی اور اس شخص کا گھر تلاش کیا اور دروازے پر دستک دی۔ اندر سے ایک شخص نمودار ہوا۔ میں نے اس کا نام پوچھا۔ اس نے کہا: میرا نام علی بن الموافق ہے۔ میں نے کہا کہ میں ملک عرب سے آپ سے چند باتیں کرنے کے لیے آیا ہوں۔ اس نے کہا: فرمائیے۔ میں نے پوچھا: سب سے قبل یہ بتائیے کہ آپ کیا کرتے ہیں؟ اس نے جواب دیا: پارہ دوزی کرتا ہوں۔ میں نے کہا: میں نے خواب میں اس طرح سنا کہ آپ حج کو نہیں آئے اور آپ کا حج قبول ہے۔ نیز آپ کے طفیل چھ لاکھ لوگوں کی مغفرت کی گئی ہے۔ اس شخص نے میرا نام پوچھا: میں نے کہا: عبداللہ بن مبارک۔ یہ سن کر اس شخص نے زور سے نعرہ مارا اور ہوش سے بے گانہ ہو کر گر پڑا۔ ہوش میں آیا تو میں نے پوچھا: مجھے اپنی بابت کچھ بتلائیے۔ اس شخص نے کہا کہ مجھے تیس سال سے حج کی آرزو تھی، لیکن میری یہ آرزو کسی طور پر پوری نہ ہوتی تھی۔ بالآخر میں نے پارہ دوزی کا کام شروع کیا اور پارہ دوزی سے تین ہزار درہم جمع کیے اور ارادہ کیا کہ امسال ضرور حج کے لیے جاؤں گا۔ ایک دن میری حاملہ بیوی نے کہا کہ آج ہمسایے نے گوشت پکایا ہے، جس کی خوشبو آرہی ہے۔ میرا دل گوشت کھانے کو چاہ رہا ہے۔ جاؤ اور میرے لیے گوشت لاؤ۔ میں گیا اور ہمسایے سے کہا: میری بیوی حاملہ ہے اور اس کا جی گوشت کھانے کو چاہ رہا ہے اور تم نے آج گوشت پکایا ہے۔ تھوڑا سا دے دو۔ ہمسایہ کہنے لگا کہ گوشت میرے لیے حلال اور تمہارے لیے حرام ہے۔ میں نے وجہ پوچھی: اس نے کہا: سات دن ہوئے، میرے بچے بھوکے تھے۔ آج جنگل میں بائی چانس میری نظر اس مردار گدھے پر پڑی۔ میں گوشت کا ٹکڑا کاٹ لایا اور وہی پکایا۔ یہ سن کر میں بے قرار ہو گیا اور میری جان کو آگ لگ گئی۔ فوراً گھر واپس آیا اور وہ تین ہزار درہم جو میں نے حج کی نیت سے جمع کیے تھے، اٹھائے اور دوبارہ ہمسائے کے گھر گیا اور درہم دے کر کہا: اس سے اپنی اور بال بچوں کی کفالت کرو، بس یہی میرا حج ہے۔

سبحان اللہ! 3 ہزار درہم صدقہ دینے سے حج بھی ہو گیا اور چھ لاکھ انسانوں کے حج بھی قبول ہو گئے۔ الحمد للہ

تذکرۃ الواعظین، صفحہ: 74 پر مرقوم ہے کہ ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک خاتون گود میں اپنے بچے کو لیے جا رہی تھی۔ راستے میں ایک بھیڑیا آ گیا اور اس سے بچہ چھین لیا۔ وہ بھیڑیئے کے تعاقب میں دوڑی۔ اسی حالت میں ایک فقیر نے اس کے سامنے دستِ سوال دراز کیا۔ اس بڑھیا کے پاس ایک روٹی تھی۔ اس نے سائل کو دے دی۔ اتنے میں بھیڑیا واپس آیا اور اس خاتون کا بچہ اس کے حوالے کر دیا۔ یہ دیکھ کر سائل نے کہا: ایک لقمے کے بدلے اللہ نے ایک بہتر لقمہ واپس دے دیا۔ اللہ ہم سب کو زکوٰۃ و صدقات کی توفیق بخشے۔ آمین!

□□□

اٹھائیسواں وعظ

زکوٰۃ کی دوسری تقریر

اَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ ۝

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۝

وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنۡ اٰتٰٮنَا مِنۡ فَضۡلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوۡنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيۡنَ، فَلَمَّاۤ اٰتٰٮهُمۡ مِّنۡ فَضۡلِهٖ بَخِلُوۡا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ ۝ (سورۂ توبہ)

ترجمہ: اور ان میں سے وہ ہیں جنھوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر ہمیں اپنے فضل سے دے گا تو ہم ضرور خیرات کریں گے اور ہم ضرور نیک ہو جائیں، تو جب اللہ نے اپنے فضل سے انھیں دیا تو اس میں بخل کرنے لگے اور منہ پھیر کر پلٹ گئے۔

ہر شخص غنی بننا چاہتا ہے

عام مشاہدہ ہے کہ جب کوئی فاقہ کش نادار، مفلوک الحال کسی امیر، غنی اور وسیع القلب شخص کو راہِ خدا میں اپنا مال صرف کرتے ہوئے ملاحظہ کرتا ہے تو بے اختیار اس کے دل میں خواہش جنم لیتی ہے کہ میں بھی اس طرح اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کروں، مگر پھر یہ سوچ کر چپ رہتا ہے کہ میں غریب اور مفلوک الحال ہوں، کہاں سے راہِ خدا میں خرچ کروں۔ مگر جذبۂ شوق کی فراوانی اسے مجبور کرتی ہے اور وہ سرد آہ بھر کر خیال کرتا ہے کہ کاش! اللہ مجھے بھی دولت دیتا۔ پھر وہ مزید خیال کرتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھ پر اپنا فضل فرمائے اور مجھے مال و دولت سے نوازے تو میں وہ مال راہِ خدا میں خرچ کروں گا۔ فقیروں اور حاجت مندوں کی حاجت براری کروں گا۔ یتیموں کی پرورش کروں گا اور غریب طلبا کے لیے ایک مدرسہ تعمیر کروں گا، جہاں غریب طلبا مفت تعلیم حاصل کر سکیں گے اور ایک عظیم الشان مسجد تعمیر کراؤں گا۔ کنوئیں کھدواؤں گا تاکہ خلق خدا کو فائدہ ہو۔ سڑکوں کے کنارے درخت لگواؤں گا تاکہ

مسافروں کو گرمی کی شدت سے تکلیف نہ ہو۔

غرض کہ ہر قسم کے نیک اعمال میں اپنی دولت صرف کرنے کا خیال کرتا ہے۔ اس کی پرخلوص دعا جب ہدفِ اجابت کا سینہ چاک کرتی ہے اور سینہ چاکانِ چمن سے سینہ چاکانِ چمن کا ملاپ ہو جاتا ہے، یعنی وہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل اور اپنے کرم سے اسے دولت سے نوازتا ہے تو پھر اس کا ہر انداز بدل جاتا ہے۔ غربت اور مفلسی میں دال اور سوکھی روٹی کھاتا تھا۔ دولت ملتے ہی دال اور روٹی بری لگنے لگی۔ دال اور روٹی کی جگہ مرغن لذیذ اور شائستہ غذائیں مستعمل ہونے لگتی ہیں۔ یتیموں کی پرورش کی بجائے اپنے نفس کی پرورش ہونے لگتی ہے۔ فقیروں اور حاجت مندوں کی حاجت براری کے بجائے نفس کی حاجت براری ہونے لگتی ہے۔ غریب طلبا کے لیے مدرسے تعمیر کرنے کے بجائے اپنی رہائش کے لیے کاشانہ اور آشیانہ تعمیر کیا جاتا ہے۔ مسجد کی تعمیر خواب وخیال ہو جاتی ہے۔ دوروپے گز کا سوتی کپڑا بدن پر گراں گزرتا ہے اور 100 روپیہ گز بلکہ اس سے بھی زیادہ مہنگا کپڑا لباس کے لیے لیا جاتا ہے۔ مخمل وریشم کے بستر، عمدہ فرنیچر کے بنے ہوئے پلنگ پر بچھا کر سویا جاتا ہے۔ اندازِ فکر و نظر بدل جاتے ہیں۔ غربت میں گردن جھکا کر چلتا تھا، دولت ملتے ہی گردن بلکہ پورا بدن اکڑا کر چلنے لگتا ہے۔ نگاہوں میں دولت کا خمار چھا جاتا ہے، اسے غریب اور نادار نظر ہی نہیں آتے اور اسے اگر کوئی محمود وایاز کی سچی حکایت سنا دے تو بجائے اس سے سبق حاصل کرنے کے اس سے کان بند کر لیتا ہے اور اس حکایت کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

خداوند کریم سے کیے ہوئے تمام وعدوں کو یکسر بھلا دیتا ہے۔ اسے اپنی دولت اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا خیال ہی نہیں آتا اور جب اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا وقت آتا ہے تو اعتراض کرتا ہے کہ یہ دولت تو اس نے خود اپنے بازوؤں کی محنت سے حاصل کی ہے۔ اس لچر عذر کو بہانہ بنا کر راہِ خدا میں خرچ کرنے سے فرار حاصل کرتا ہے۔

وعظ کے آغاز میں بیان کی گئی آیت مقدسہ میں اللہ تعالیٰ نے ایسے ہی لوگوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور ایسے ہی لوگوں کی وضاحت فرمائی گئی ہے جو غربت کی حالت میں تو دولت کی تمنا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ اپنی دولت اللہ کی راہ میں خرچ کریں گے، مگر جب اللہ

تعالیٰ ان کو اپنے فضل وکرم سے دولت سے سرفراز فرماتا ہے تو وہ اس دولت کو اپنے خون پسینے کی کمائی کہتے ہیں اور راہِ خدا میں خرچ کرنے میں بخل سے کام لیتے ہیں۔

شانِ نزول

یہ اس زمانے کا تذکرہ ہے جب خورشید نبوت کی نورانی شعاعوں سے سارا عالم معنویت کے قالب میں ڈھل رہا تھا۔ گلشنِ ہستی پر بہار اپنا خمار جما رہی تھی اور اہل خرد اپنی اپنی نجات کے سامان کر رہے تھے۔ ان ہی ایام میں مدینۃ الرسول میں ایک نادار مفلس شخص رہا کرتا تھا، جس کا نام ثعلبہ بن حاطب تھا۔ غربت و مفلسی کے ہاتھوں تنگ آکر ایک دن وہ دربارِ رسالت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! اے غریبوں اور مفلسوں کی دستگیری کرنے والے! نبیوں میں رحمت کا لقب پانے والے! میں ایک غریب اور نادار شخص ہوں۔ اللہ سے گزارش فرمائیے کہ وہ مجھے اپنے فضل سے مال و دولت سے نوازے۔ بارگاہِ نبویہ سے ارشاد کیا گیا: اے ثعلبہ! تھوڑا مال زیادہ مال سے اسی سبب بہتر ہے کہ تھوڑے مال پر شکریہ ادا کیا جا سکتا ہے اور زیادہ مال پر شکریہ ادا کرنا مشکل ہوتا ہے۔ یہ حکم سن کر ثعلبہ واپس چلا گیا، مگر جذبۂ شوق کی فراوانی اسے دربارِ نبوی میں لے آئی اور اس نے پھر عرض کیا: یا رسول اللہ! (ﷺ) اللہ سے دعا فرمایئے کہ وہ اپنے فضل وکرم سے مجھے مال دار بنائے اور مجھے قسم ہے اس خدا کی جس نے آپ کو برحق رسول بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔ اگر وہ مجھے مال سے نوازے گا تو وہ مال راہِ خدا میں خرچ کروں گا اور ہر حقدار کا حق ادا کروں گا۔ یہ سن کر آنحضور ﷺ نے اپنے دستِ اقدس دعا کے لیے اٹھائے۔ گل مقدس کے پتیوں جیسے ہونٹوں کو جنبش کی اور ثعلبہ کے مال میں برکت کی دعا فرمائی۔ آنحضور ﷺ کی دعا ہو اور قبولیت کا صالحہ حاصل نہ کرے، یہ ناممکن ہے۔ آنحضور ﷺ کی دعا اللہ کی بارگاہ میں قبول ہوئی اور نتیجتاً ثعلبہ کے مال میں برکت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے اس کی بکریوں میں اضافہ فرما دیا اور اس قدر اضافت دی کہ اس کی بکریوں کے لیے مدینہ میں جگہ تنگ ہوگئی۔ ثعلبہ نے بکریوں کی دیکھ بھال اور ان کی رہائش کے لیے جنگل میں ڈیرہ جما لیا اور ہمہ وقت

بکریوں کی دیکھ بھال میں مصروف رہنے لگا۔ پہلے نماز ادا کرتا تھا، اب جمعہ سے بھی گیا۔ آنحضور ﷺ نے جب یہ دیکھا کہ ثعلبہ نماز اور جمعہ میں مسجد میں حاضر نہیں ہوتا تو انھوں نے صحابہ کبار سے ثعلبہ کے متعلق دریافت فرمایا: صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے جواب دیا: یا رسول اللہ! (ﷺ) اس کے مال میں اللہ تعالیٰ نے اس قدر زیادتی پیدا فرمائی ہے کہ مدینہ طیبہ میں ان کی رہائش نہیں رہی۔ لہٰذا وہ اپنا مال لے کر جنگل میں چلا گیا اور اب صورت حال یہ ہے کہ جنگل کی کئی وادیاں بھی اس کے مال سے پُر ہیں اور جنگل میں اس کے لیے جگہ نہیں رہی۔ یہ سن کر حضور پر نور ﷺ نے فرمایا کہ ثعلبہ تجھ پر افسوس ہے۔

گردشِ لیل و نہار جاری رہی۔ چرخ نیلی فام کا پہیہ تیزی کے ساتھ گھومتا رہا اور وہ گھڑی آن پہنچی، جس میں آنحضور ﷺ نے اپنے نائبین کو ملک کے اُمرا سے زکوٰۃ وصول کرنے کا حکم دیا اور اپنے عامل بیرونی علاقوں میں زکوٰۃ وصول کرنے کی غرض سے روانہ فرمائے۔ جن اُمرا اور رؤسا کے پاس عامل پہنچے، انھوں نے اپنے صدقات آنحضور ﷺ کی خدمتِ اقدس میں روانہ فرمائے۔ آپ ﷺ کے عاملین زکوٰۃ وصول کرنے کی غرض سے جب ثعلبہ کے پاس گئے تو یہ کہہ کر زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا کہ یہ ٹیکس ہے۔ جاؤ فرصت کے لمحات میں سوچوں گا اور پھر زکوٰۃ ادا کروں گا۔ عاملین ثعلبہ کا یہ جواب سن کر دربارِ نبویہ میں واپس آئے۔ ابھی انھوں نے ثعلبہ کا کوئی پیغام آنحضور ﷺ سے عرض نہیں کیا کہ آپ ﷺ نے خود ہی فرمایا: اے ثعلبہ افسوس ہے! اے ثعلبہ افسوس ہے! تو نے زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ جب عاملین نے ثعلبہ کا جواب دربارِ نبوی میں پیش کیا تو آپ ﷺ نے بڑا افسوس ظاہر کیا۔

اللہ تعالیٰ کی غیرت کو جوش آیا اور اسی وقت اس وعظ کے آغاز میں بیان کی گئی آیت کا نزول ہوا۔ اس آیت مقدسہ میں ثعلبہ کے بخل اور اعتراض کرنے پر اس کی مذمت کی گئی۔ ثعلبہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ اس کی مذمت کی گئی ہے اور مذمت کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے تو اس کے دل میں خوف خدا پیدا ہوا کہ اب میں لوگوں میں بدنام ہو جاؤں گا اور لوگ مجھے بخیل اور کنجوس کے نام سے پکاریں گے اور میری ساری عزت اور امارت کا بیڑا غرق ہو جائے گا، اس

لیے اس نے زکوٰۃ کا حساب کتاب کیا اور زکوٰۃ کی ادائیگی کے واسطے آنحضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کی: یا رسول اللہ! (ﷺ) میں زکوٰۃ لے کر حاضر ہوا ہوں، میری زکوٰۃ قبول کی جائے۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا: اے ثعلبہ! اپنی زکوٰۃ واپس لے جا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس امر کا حکم دیا ہے کہ میں تیری زکوٰۃ قبول نہ کروں۔ آنحضور ﷺ کے لبِ اقدس سے یہ جواب سن کر ثعلبہ واپس لوٹ گیا اور اپنے سر کے بالوں کو مٹی سے پراگندہ کر لیا۔ گردشِ لیل و نہار جاری رہی اور چشم فلک نے آنحضور ﷺ کے وصال کا جاں گداز منظر دیکھا اور آنحضور ﷺ کے دین کی احیا کی خاطر ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلافت کا ذمہ سنبھالا۔ ثعلبہ نے موقع غنیمت جانا اور زکوٰۃ لے کر دربارِ صدیقی میں حاضر ہوا۔ مگر انھوں نے یہ کہہ کر زکوٰۃ وصول کرنے سے انکار کر دیا کہ جب میرے آقا و مولیٰ ﷺ نے زکوٰۃ قبول نہیں کی تو میں زکوٰۃ قبول کرنے والا کون ہوتا ہوں۔ یہ سن کر ثعلبہ واپس چلا گیا اور پھر وہ روح فرسا لمحہ آیا جب کہ آنحضور ﷺ کے جانشین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے خالق حقیقی سے جا ملے اور خلافت کا بار حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے کندھوں پر اٹھا لیا۔ ثعلبہ ایک بار پھر ناکام و نامراد لوٹ گیا۔ گردش لیل و نہار نے انسانیت پر ایک اور ظلم ہوتے دیکھا یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی اللہ نے اپنے پاس بلا لیا اور خلافت کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نامزد کیا گیا۔ گردش لیل و نہار ابھی زکوٰۃ کی گھڑی اپنے ساتھ نہیں لائی تھی کہ ثعلبہ ہلاک ہو گیا۔ (تفسیر مدارک، جلد دوم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمارے پیارے رسول حضرت محمد ﷺ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل میں تین شخص رہا کرتے تھے۔ ان میں سے ایک کوڑھی تھا۔ دوسرا قوتِ بصارت سے محروم تھا اور تیسرا شخص گنجا تھا۔ تینوں ہر وقت اپنی کم مائیگی پر ٹھنڈی آہیں بھرا کرتے تھے۔ ایک دن اللہ نے ان کی آزمائش کرنے کی غرض سے ان کے پاس ایک فرشتہ بھیجا۔ فرشتہ انسانی قالب اختیار کر کے سب سے پہلے کوڑھی کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ تیری خواہش کیا ہے؟ کہنے لگا: میری خواہش ہے کہ مجھے اچھا رنگ اور خوبصورت جلد مل جائے تا کہ میں بھی لوگوں میں بیٹھ سکوں اور لوگ مجھ کو قابلِ نفرت نہ جانیں۔ فرشتے نے کہا کہ

تیری یہ خواہش پوری کیے دیتا ہوں۔ یہ کہہ فرشتے نے اپنا ہاتھ اس کوڑھی کے جسم پر پھیرا، جس سے آن واحد میں کوڑھی کا کوڑھ زدہ جسم خوبصورت جسم بن گیا۔ فرشتے نے پھر سوال کیا۔ اے شخص! تیرا سب سے پسندیدہ مال کون سا ہے؟ کہنے لگا: مجھے سب سے زیادہ پیارا مال اونٹ ہے۔ فرشتے نے اس کو ایک اونٹنی دی اور پھر برکت کی دعا کی۔ اس عمل سے فارغ ہو کر فرشتہ گنجے کے پاس گیا اور اس سے سوال کیا کہ تیری خواہش کیا ہے؟ کہنے لگا: میری خواہش ہے کہ میرے سر پر عمدہ قسم کی زلفیں ہوں تا کہ لوگ مجھ پر طعنہ زنی نہ کر سکیں اور میں لوگوں میں اُٹھ بیٹھ سکوں۔ فرشتے نے کہا: تیری یہ خواہش میں پوری کیے دیتا ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے گنجے کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ فوراً اس کی چندیا پر زلفیں اُگ آئیں، جن کو دیکھ کر گنجا خوشی سے جھوم اٹھا۔ فرشتے نے پوچھا: تیرا سب سے پسندیدہ مال کون سا ہے؟ کہنے لگا: مجھے سب سے پسندیدہ چیز گائے ہے۔ فرشتے نے اس کو ایک گائے دی جو کہ چند دنوں بعد حمل سے فارغ ہونے والی تھی۔ اس کے بعد فرشتہ اس شخص کے پاس آیا جو بصارت سے محروم تھا۔ اس سے فرشتے نے سوال کیا: اے نیک بخت! تیری خواہش کیا ہے؟ کہنے لگا: سنا ہے کہ یہ دنیا بہت حسین ہے۔ اس میں بڑے دل نشین نظارے ہیں، خوبصورت عمارتیں ہیں، عالیشان محلات ہیں، پہاڑ ہیں، درخت ہیں، نہریں، دریا اور سمندر ہیں۔ میرا دل چاہتا ہے کہ میں اس دنیا کا نظارہ کروں، مگر چونکہ بینائی سے محروم ہوں، اس لیے صرف سوچ کر رہ جاتا ہوں۔ میری خواہش ہے کہ مجھے نظر مل جائے تا کہ میں اس حسین دنیا کا نظارہ کر سکوں۔ فرشتے نے کہا: تیری یہ خواہش میں پوری کیے دیتا ہوں۔ یہ کہہ کر فرشتے نے اس کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرا، اس کی بینائی لوٹ آئی۔ فرشتے نے اس سے پوچھا: تجھے سب سے پسندیدہ مال کون سا ہے؟ کہنے لگا: مجھے سب سے پسندیدہ بکری ہے۔ فرشتے نے اس کو بکری دی اور برکت کی دعا کی اور واپس لوٹ گیا۔ گردشِ لیل و نہار جاری رہی اور کوڑھی کو ملنے والی اونٹنی نے بچے جنم دیے۔ اس طرح گنجے کی گائے نے بھی بچے جنم دیے اور اندھے کی بکری نے بھی بچے جنم دیے۔ گردشِ لیل و نہار جاری رہی اور تینوں کے مال میں اضافہ ہوتا گیا۔ جب وہ اچھے خاصے مالدار بن گئے تو اللہ کے حکم سے پہلے والا فرشتہ تینوں کے امتحان کی غرض سے زمین پر آیا۔ انسانی قالب اختیار کیا اور سب سے پہلے

کوڑھی کے پاس گیا۔ کہنے لگا: حضور میں ایک غریب مسافر ہوں، وطن کی یاد ستا رہی ہے، مگر سوائے اللہ اور تیرے کوئی وسیلہ نہیں کہ جس کے ذریعے وطن جاسکوں۔ میں تجھ سے اللہ کے نام پر سوال کرتا ہوں، جس نے تجھے اچھا رنگ دیا اور عمدہ جلد دی اور مال وزر کی کثرت سے ہمکنار کیا ہے۔ اللہ کے نام پر صرف ایک اونٹنی کا سوال کرتا ہوں تاکہ وطن واپس لوٹ سکوں۔ کوڑھی کہنے لگا: اے مسافر! اے سائل! حقداروں کے حقوق کی ایک لائن لگی ہوئی ہے، جن کی ادائیگی مشکل ہے، اس لیے تجھے کیا دوں فرشتہ بولا: (حضور!) میں آپ کو بہت اچھی طرح جانتا ہوں، آپ کے بیک گراؤنڈ سے خوب آشنا ہوں۔ ایک وقت تھا جب کہ آپ کوڑھ کے مرض میں مبتلا تھے، لوگ آپ سے نفرت کرتے اور آپ مفلسی وناداری کی زندگی گزارا کرتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ کو آپ کی حالتِ زار پر رحم آیا اور آپ کو کوڑھ کے مرض سے نجات دلا کر مال و دولت سے سرفراز فرمایا۔ اب آپ پر لازم ہے کہ حقداروں کے حقوق کی ادائیگی کریں۔ سچی باتیں بہت کڑوی ہوا کرتی ہیں اور بعض اوقات تو زہر لگتی ہیں۔ کوڑھی یہ سن کر آگ بگولہ ہوگیا۔ فرطِ غضب سے اس کا شریر بربط کے تار کی طرح لرزنے لگا۔ منہ سے جھاگ اڑاتے ہوئے بولا: گستاخ ایک تو بھیک مانگتا ہے، دوسرے جھوٹے الزامات بھی لگاتا ہے۔ ارے میاں! ہم تو جدّی پستی اُمرا ہیں اور ہمارا گورا رنگ تو پیدائشی ہے۔ فرشتہ بولا: بابو صاحب! اگر آپ جھوٹ بول رہے ہیں تو آپ کو اللہ پھر پہلے جیسی حالت میں لے آئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس وقت اس کے مال کو ہلاک کر دیا اور وہ پہلے کی طرح کوڑھ کے موذی مرض میں مبتلا ہوگیا۔ اس کے بعد فرشتہ گنجے کی شکل اختیار کر کے اس گنجے کے پاس گیا اور کہا: جناب! میں ایک غریب ونادار اور مفلس مسافر ہوں۔ وطن جانا چاہتا ہوں، مگر اللہ اور آپ کے سوا کوئی وسیلہ نہیں۔ اللہ کے نام پر آپ سے ایک گائے کا سوال کرتا ہوں تاکہ وطن واپس جاسکوں۔ گنجا کہنے لگا: میاں! پہلے ہی بہت حقوق ہیں، تجھے کہاں سے دوں۔ فرشتہ بولا حضور میں آپ کو جانتا ہوں۔ آپ گنجے ہوا کرتے تھے، نادار اور مفلسی کی زندگی گزارا کرتے تھے، پھر اللہ نے آپ پر اپنا فضل فرمایا اور آپ کو عمدہ زلفیں دیں اور مال و دولت سے نوازا۔ لوگ پہلے آپ سے نفرت کیا کرتے تھے۔ گنجا یہ سن کر غضبناک ہوگیا۔ منہ سے جھاگ اڑاتے ہوئے بولا: ایک تو بھیک مانگ رہا ہے اور

دوسرے تکے تکے کی باتیں بنا رہا ہے۔ تجھے شرم نہیں آتی۔ ارے میاں! یہ خوبصورت زلفیں تو پیدائشی ہیں اور مال و دولت تو ہمیں اپنے والد کی طرف سے وراثت میں ملا ہے۔ فرشتہ بولا: حضور! اگر آپ غلط بیان فرما رہے ہیں تو اللہ آپ کو پھر پہلے جیسی زندگی دے دے۔ اللہ نے فوری طور پر اس کے مال کو ہلاک کر دیا اور اس کو پھر سے گنجا بنا دیا۔ اس کے بعد فرشتہ اس شخص کے پاس آیا جو کسی زمانے میں قوتِ بصارت سے محروم اور مفلسی وناداری کی زندگی بسر کیا کرتا تھا۔ اس کے پاس آکر فرشتہ بولا: حضور! میں آپ کو اچھی طرح جانتا ہوں، آپ کسی زمانے میں اندھے ہوا کرتے تھے اور مفلسی اور ناداری کی زندگی بسر کیا کرتے تھے۔ پھر اللہ نے آپ کو نظر بخشی اور مال و دولت سے نوازا۔ میں اسی اللہ کے نام پر آپ سے ایک بکری کا سوال کرتا ہوں تاکہ اپنے وطن واپس جاسکوں۔ کچھ باتیں بہت کڑوی ہوتی ہیں اور دانشمندی کا تقاضا یہی ہوتا ہے کہ ان کا سامنا کیا جائے اور جو لوگ ان کا سامنا کرتے ہیں وہی کامیابی وکامرانی سے ہمکنار ہوتے ہیں۔ نابینا شخص نے بھی ایسا ہی کیا اور جواب دیا: ہاں، میرے بھائی! کسی زمانے میں میں واقعی اندھا ہوا کرتا تھا اور مفلسی کی زندگی گزارا کرتا تھا۔ پھر اللہ نے مجھے نظر اور مال و دولت سے نوازا۔ لہٰذا اس کے نام پر جتنی بکریاں چاہے لے لو اور جتنی چاہے چھوڑ دو۔ فرشتہ بولا: مجھے آپ کے مال کی ضرورت نہیں۔ ہاں، آج تمہارے ساتھیوں کا اور تمہارا امتحان تھا۔ تمہارے دونوں ساتھی امتحان میں فیل ہو گئے اور کامیابی نے تمہارے قدم چوم لیے ہیں۔ اللہ تمہارے مال میں اور زیادتی دے۔ (بخاری ومسلم، مشکوٰۃ، صفحہ:165)

قارون کا عبرتناک قصہ

عزیزانِ گرامی! خزائن العرفان میں قارون نامی فرد کا قصہ بیان کیا گیا ہے جو کہ بنی اسرائیل کا ایک غریب، مفلس، نادار اور مفلوک الحال شخص تھا۔ زندگی سے بیزار موت کا خواہاں تھا۔ اس کی غربت، مفلسی، ناداری اور مفلوک الحالی پر ترس کھا کر حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کو علم کیمیا سے آشنا کر دیا۔ علم کیمیا ایک ایسا علم ہے جس کے ذریعے رانگ کو چاندی اور تانبے سے گولڈن حاصل کیا جاسکتا ہے۔ قارون کو جب یہ علم آیا تو اس کے

وارے نیارے ہوگئے۔ وہ تانبا سے گولڈن حاصل کرتا اور چند دنوں میں مالدار ہوگیا۔ بنی اسرائیل میں اس کے چرچے ہونے لگے۔ آخر شریعت موسوی میں زکوٰۃ کا حکم آیا۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام قارون کے پاس تشریف لے گئے اور اس کو حکم دیا کہ اپنے مال کی زکوٰۃ نکالے۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام قارون کے محسن تھے۔ انھوں نے اسے غربت کی اندھیاری گلیوں سے نکال کر دولت کے روشنی میں لا کھڑا کیا تھا۔ اس نے آپ کے احسان کو یاد کرتے ہوئے آپ سے وعدہ فرمایا کہ اپنے مال مویشیوں کی زکوٰۃ نکالے گا۔ حضرت موسیٰ واپس تشریف لے آئے اور قارون نے مالِ زکوٰۃ کا حساب کیا۔ خزانے کا ایک بہت بڑا حصہ بطورِ زکوٰۃ دینا پڑتا تھا۔ جان ہی تو نکل گئی، روح نکل گئی، دل تھام کر رہ گیا کہ اتنا مال راہِ خدا میں دوں۔ اگر ہر سال اسی طرح زکوٰۃ دیتا رہا تو میرا کباڑہ ہو جائے گا۔ اسے کسی طور پر یہ گوارہ نہ ہوا کہ وہ زکوٰۃ کی ادائیگی کرے۔ زکوٰۃ نہ دینے کے لیے اس نے بنی اسرائیل کے سرمایہ داروں کو جمع کیا اور ان کو مخاطب ہو کر کہنے لگا: اے بنی اسرائیل! تم ہر معاملے میں موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بات تسلیم کرتے ہو، ان کی پیروی کرتے ہو، وہ جو کہتا ہے وہی کرتے ہو۔ تمہارے سیاہ وسپید کا مالک وہی ہے۔ اب وہ تم سے تمہاری محنت سے کمایا ہوا مال بھی حاصل کرنا چاہتا ہے۔ بتاؤ، تمہاری کیا رائے ہے؟ سرمایہ داروں کا سب سے بڑا خیال اور آرزو یہی ہوتی ہے کہ ان کا مال محفوظ رہے، بڑھے اور ترقی کرے۔ سب کہنے لگے: آپ جو کہیں گے وہی ہم کریں گے۔ کیونکہ سارے بنی اسرائیل میں آپ معتبر اور امیر ہیں، آپ ہمارے لیڈر اور سردار ہیں، اس لیے جو حکم ہو اس کی تعمیل کی جائے گی۔ قارون مطمئن ہو گیا کہ سارے سرمایہ داروں کی حمایت اس کے حق میں ہے۔ کہنے لگا: فلاں جگہ ایک بدکار اور فاحشہ خاتون رہتی ہے۔ اس کے پاس جاؤ اور اس کو انعام کا لالچ دے کر اس بات پر رضامند کرو کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر الزام گناہ عائد کرے۔ ایسا ہوا تو بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بدظن ہو جائیں گے اور ان کا ساتھ چھوڑ دیں گے۔
سب نے اس بات پر لبیک کہا اور قارون کا ساتھ دینے کا وعدہ کیا۔ اب قارون نے اس بدکار اور فاحشہ خاتون کو ایک ہزار اشرفی، ایک ہزار روپے کا لالچ دیا اور بہت سے وعدے کیے اور

اس خاتون کو اس بات پر راضی کر لیا کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر الزام تراشی کرے۔ روپیہ تو بڑے بڑوں کے پائے استقلال میں لغزش ڈال دیتا ہے۔ بے چاری فاحشہ خاتون کس زمرے میں آتی ہے۔ پروگرام کے مطابق دوسرے دن قارون نے بنی اسرائیل کو جمع کیا اور بارگاہِ موسوی میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا۔ یا نبی اللہ! آج بنی اسرائیل آپ کا وعظ سننے کے لیے جمع ہیں اور بے چینی سے آپ کے منتظر ہیں۔ چنانچہ تشریف لے چلیے اور ان کی علمی تشنگی کو بجھائیے۔ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لے گئے۔ اولاً ربّ قدوس کی حمد وثنا کی، بعد از حمد وثنائے ربِ قدوس حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وعظ شروع فرمایا۔ وعظ کے دوران آپ نے فرمایا: اے بنی اسرائیل! چوری کرنے والے کی سزا یہ ہے کہ اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا، جو بہتان تراشی کرے گا اس کی سزا 80 کوڑے ہیں اور اگر کوئی شخص غیر شادی شدہ ہو کر کسی غیر خاتون سے زنا کرے گا تو اس کو 100 کوڑے لگائے جائیں گے اور اگر شادی شدہ ہے تو اس کی سزا سنگساری ہے، جو اس وقت تک جاری رہے گی جب تک کہ اس کی روح اس کے جسد خاکی سے ناطہ توڑ کر عالم ارواح کی جانب پرواز نہ کر جائے۔
قارون کے مطلب کی بات آ چکی تھی۔ لہٰذا قطع کلامی کرتے ہوئے بولا: کیا یہ حکم سب پر یکساں طور سے نافذ ہے۔ خواہ وہ آپ ہی کیوں نہ ہوں؟ آپ نے جواب دیا: ہاں، حکم یکساں طور پر سب کے لیے نافذ ہے۔ اس میں کسی کی تفریق نہیں، حتیٰ کہ یہ حکم مجھ پر بھی لاگو ہے۔ قارون کہنے لگا: بنی اسرائیل کے خیال میں آپ نے فلاں خاتون سے زنا کا ارتکاب کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: اس کو میرے روبرو کیا جائے۔ قارون نے اس خاتون کو بلایا۔ جب وہ آپ کے روبرو ہوئی تو آپ نے فرمایا: اے خاتون! تجھے اس ذات کی قسم ہے کہ جس نے بنی اسرائیل کے لیے دریا کو پار کیا اور اس میں سے بنی اسرائیل کے واسطے گزرگاہیں بنائیں اور جس نے تورات کا نزول فرمایا: اے خاتون سارا ماجرا سچ سچ بیان کر۔ خاتون پر نبوت کا رعب چھا گیا، اس پر رعب طاری ہو گیا اور اسی خوف کے عالم میں اس کے لبوں سے سچی بات نکل گئی: حضور! قارون جو کچھ مجھ سے کہلوانا چاہتا تھا، خدا کی قسم وہ سب کذب اور غلط ہے۔ قارون نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ اگر میں آپ پر الزام تراشی کروں تو وہ مجھے

بکثرت مال وزر سے نواز دے گا۔ بس اس وجہ سے میں بہک گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ سن کر افسردہ ہوئے اور روتے ہوئے اپنے اللہ کے حضور سربسجود ہو گئے اور عرض کرنے لگے: اے رب! اگر میں واقعی تیرا رسول ہوں تو میری وجہ سے قارون کو مغضوب فرما! اس پر اپنا عذاب نازل کر۔ اللہ تعالیٰ نے جبریل امین کو وحی دے کر بھیجا کہ اے موسیٰ! (علیہ الصلوٰۃ والسلام) میں نے زمین کو حکم دے دیا ہے کہ وہ آپ کی فرماں برداری کرے۔ آپ جو حکم دیں گے، زمین آپ کے حکم کی تعمیل کرے گی۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام بنی اسرائیل سے مخاطب ہو کر بولے اے بنی اسرائیل! تم میں سے جو قارون کا ساتھ دینے والا ہے، وہ قارون کے ساتھ رہے اور جو میرا ساتھی ہے وہ اس کا ساتھ چھوڑ دے اور میرے پاس آجائے۔ ایک ایک کر کے سب نے قارون کا ساتھ چھوڑ دیا۔ وہ سرمایہ دار جو قارون کے منصوبے میں شریک تھے، قارون سے الگ ہو گئے، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اب حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اس پر غضب ڈھائیں گے اور ہم بھی اس کی زد میں آجائیں گے، اس لیے وہ بھی قارون سے جدا ہو کر حضرت موسیٰ کی طرف ہو گئے، مگر دو شخص جو خود کو قارون کا وقار خیال کرتے تھے، قارون کے ساتھ رہے۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام زمین سے مخاطب ہو کر بولے: اے زمین! قارون اور اس کے ساتھیوں کو گرفت میں لے لے۔ چنانچہ زمین شق ہو گئی اور قارون بمعہ اپنے ساتھیوں کے گھٹنوں تک زمین میں دھنس گیا۔ حضرت موسیٰ نے دوبارہ زمین کو حکم دیا تو وہ کمر تک زمین میں دھنس گئے۔ سہ بار آپ نے یہ حکم دیا تو وہ گردنوں تک زمین میں دھنس گئے۔ اب قارون اس کے ساتھیوں کو ہوش آیا اور حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے منت سماجت کی۔ زکوٰۃ ادا کرنے کا وعدہ کیا، مگر آپ نے ذرا بھی دھیان نہ دیا اور زمین کو حکم دیا کہ ان کو کشش کرتی رہے۔ ایسا ہی ہوا اور وہ زمین میں بالکل دھنس گئے۔ ایک روایت کے مطابق تا قیامت وہ زمین میں دھنستے ہی جائیں گے۔

بعض کم فہم اور بدظن لوگ معترض ہوئے کہ (معاذ اللہ) حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کو اس لیے زمین میں دھنسایا ہے کہ ان کے عظیم الشان خزانے پر قبضہ کر سکیں۔ ان کے اعتراض کو رَد کرنے کے لیے ان کے خیال کو باطل کرنے کے لیے، ان کی غلط فہمی دور

کرنے کے لیے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعا فرمائی: یا اللہ! قارون کے ہمراہ اس کا مال بھی چلا جائے۔ آپ کی دعا بارگاہ الٰہی میں مقبول ہوئی اور قارون کے تمام اموال وخزائن زمین میں دھنس گئے۔ جو اَب قیامت تک کے لیے قارون کے ساتھ دھنستے رہیں گے۔

فائدہ: انسان اس زندگی میں اس فنا ہو جانے والی زندگی میں دولت کمانے کے لیے کیا کیا کوششیں کرتا ہے، ہیرا پھیری، چوری ڈکیتی، فراڈ دھوکہ دہی اور فریب سے دولت حاصل کرتا ہے اور اپنی دولت میں اضافے کی غرض سے اپنی دولت سے مساکین ومحتاجوں کے حقوق کو بھی پس پشت ڈال دیتا ہے اور ہر دم، ہر گھڑی گزرنے والے ہر لمحے میں وہ یہی گمان کرتا ہے کہ کسی طرح اس کی دولت میں اضافہ ہو، خواہ اس کے لیے غریبوں، محتاجوں اور مسکینوں کا خون ہی کیوں نہ چوسنا پڑے، مگر کتنا نادان اور انجان ہے یہ انسان، اپنی نفسانی خواہشوں کی تکمیل کی خاطر ہر جائز وناجائز طریق سے دولت کماتا ہے۔ مگر کیا یہ نہیں جانتا کہ یہ دولت اس کی جاگیر اور میراث نہیں ہے۔ یہ دولت ایک روز اس سے چھین لی جائے گی اور کسی قابل کے سپرد کر دی جائے گی۔

خزائن العرفان کے مندرجہ بالا بیان کردہ واقعہ سے ہم پر یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح اور عیاں ہو جاتی ہے کہ دولت پر کسی کی اجارہ داری نہیں ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے کہ جس کو چاہے دولت سے نوازے، جس کو چاہے کنگال کرے۔ یہ اللہ کی مرضی ہے کہ سلطان کو فقیر اور فقیر کو سلطان کر دے، جس سے چاہے سلطانی چھین لے اور جس کو چاہے سلطانی دلائے۔ ایک شاعر نے کہا ہے:

یہ اس کی مرضی ہے جدھر چاہے ادھر کر دے

اے کاش! ہم مسلمان عقل سے ہمکنار ہو جائیں اور اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کی خاطر ہر جائز وناجائز طریقے سے دولت کمانا چھوڑ دیں۔ غریبوں، محتاجوں اور مساکین کی حق تلفی نہ کریں۔ اے کاش! ہمیں عقل آجائے، اے کاش! اے کاش!!!

قرآنی حکایت

قارئین گرامی! آپ نے محتاجوں، غریبوں اور مساکین کی حق تلفی کا واقعہ ماخذ خزائن العرفان ملاحظہ کیا اور آپ نے دیکھا کہ جو لوگ دولت کے نشے میں غربا، محتاجوں اور مساکین کے حقوق کی تلفی کرتے ہیں، غربا، مساکین اور محتاجوں کے حقوق غصب کرتے ہیں، ان کا انجام بہت عبرت ناک ہوتا ہے۔

مندرجہ بالا واقعہ سے قارون اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں غور کریں کہ انھوں نے غربا، مساکین اور محتاجوں کی مدد نہ کی۔ ان کے حقوق غصب کیے، ان کے حقوق کی تلفی صرف اس لیے کی کہ ان کا خزانہ محفوظ رہے اور اس میں گھاٹا نہ پڑ جائے۔ اس کا انجام انھیں یہ بھگتنا پڑا کہ اب وہ قیامت تک کے لیے زمین میں مع اپنے خزانوں کے دھنستے رہیں گے۔

یہ واقعہ تو خزائن العرفان سے لیا گیا ہے، جس پر ناقدین اعتراض کر سکتے ہیں۔ اس مسئلے کے متعلق اب ایک قرآنی حکایت بیان کی جاتی ہے تا کہ سب کو یقین آجائے کہ مساکین وغربا کے حقوق کی تلفی کرنے والا بالآخر برے انجام سے دوچار ہوتا ہے۔

یہ حکایت قرآن مجید کے اُنتیسویں پارے کی سورۂ قلم میں مذکور ہے، ملاحظہ ہو:

صفائے یمن سے دو فرسنگ کے فاصلے پر برسرِ راہ ضروان نامی ایک باغ تھا۔ یہ باغ ایک صالح اور نیک بندے کی ملکیت تھی۔ یہ شخص بہت فیاض اور رحم دل تھا۔ جب بھی اس کا باغ میں جانا ہوتا تو فقرا کو بلا کر باغ کے صحن میں گرے ہوئے تمام میوے اُٹھوا دیتا۔ فقرا اسے دعائیں دیتے۔ جب میوے اور پھل توڑنے کا وقت آتا تو تمام پھل کا دسواں حصہ خیرات کرتا تھا۔

عزیزانِ گرامی! یہ دنیا فانی ہے، اس کی ہر شے فانی ہے۔ ہر شخص ہر شے کو ایک نہ ایک روز ختم ہو جانا ہے۔ وہ شخص بھی فانی تھا، جام فنا نوش کر گیا۔ ویسے بھی سنا ہے کہ جو لوگ رند اور پارسا ہوتے ہیں، ساقی ان کو جلد ہی جام فنا نوش کرنے کے لیے دے دیتا ہے۔ ہاں تو وہ شخص جام فنا نوش کر گیا۔ یا یوں کہہ لیں کہ اس کا جام حیات چھلک پڑا اور وہ اس دنیائے فانی کو

ہمیشہ کے لیے سات سلام کر گیا۔ بعد از فنا اس کے تین بیٹے 'ضروان' کے وارث ہوئے۔ انھوں نے باہم سر جوڑ کے مشورہ کیا کہ باغ کے میوہ جات کنبہ کی نسبت سے قلیل المقدار ہیں۔ اگر ہم اپنے والد محترم کی پیروی کرتے ہوئے خیرات کرتے رہے تو تھوڑے ہی عرصہ میں کنگال بینک کے منیجر کی پوسٹ سنبھالیں گے اور ہمارا کنبہ فاقہ کشی کرے گا۔ اس وقت باغ سے میوے توڑنے کا وقت تھا اور میوہ اُتارتے وقت فقرا جمع ہو جایا کرتے تھے تا کہ خیرات حاصل کر سکیں۔

نیک اور صالح مرحوم شخص کے تینوں صاحبزادوں نے ایک دوسرے سے قسمیہ پیمان باندھا کہ سویرے تڑکے جب کہ ساری دنیا نیند کے جھولے میں سپنوں کی لوریاں سن رہی ہوں گی، باغ میں جا کر میوہ توڑ لیا جائے گا تا کہ غربا و مساکین بے خبر رہیں اور خیرات حاصل کرنے نہ آسکیں۔

قرآن مجید کے اُنتیسویں پارے کی سورۂ قلم میں ارشاد ہے: اِذْ اَقْسَمُوْا لَیَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِیْنَ۔ جب انھوں نے قسم کھائی کہ صبح ہوتے ہی ضرور اس کھیت کو کاٹ ڈالیں گے۔ انھوں نے صبح کا وقت اس لیے مقرر کیا تھا کہ مساکین کو خبر نہ ہو اور فقرا خیرات لینے نہ آسکیں۔ انہوں نے آپس میں قسمیہ پیمان باندھے، مگر ان شاء اللہ نہ کہا، وَلَا یَسْتَثْنُوْنَ اور ان شاء اللہ نہ کہا۔ یعنی ان شاء اللہ کہے بغیر قسمیں کھائیں اور نیند کے جھولے میں سپنوں کی لوریاں لینے لگے۔ بڑے خوش اور بڑے شاد تھے کہ ہم اپنے باغ کا میوہ فقیروں میں خیرات نہیں کریں گے۔ وہ سمجھتے تھے کہ کوئی ان کی کارروائی سے باخبر نہ ہو سکے گا، مگر وہ نادان تھے، بھول گئے کہ اللہ ان کے سارے منصوبے سے آگاہ ہے۔ ان تمام ارادوں سے باخبر ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ان کی یہ بات ناگوار گزری کہ وہ فقیروں اور مساکین کے حقوق کی تلفی کریں۔ اللہ نے ان کے باغ کو ہی اُجاڑ دیا۔ اس کے متعلق ارشاد ہے: فَطَافَ عَلَیْهَا طَآئِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ وَهُمْ نَآئِمُوْنَ۔ تو اس پر تیرے رب کی طرف سے ایک پھیری والا پھیری کر گیا اور وہ سوتے تھے، یعنی اللہ کے حکم سے ایک بلا آئی بشکل آگ، جس نے باغ کو تباہ کر دیا اور ان کو خبر بھی نہ ہوئی: فَاَصْبَحَتْ كَالصَّرِیْمِ ، صبح رہ گیا (باغ) پھل ٹوٹا ہوا۔ اب یہ صبح

سویرے اٹھے اور ایک دوسرے کو جگایا: فَتَنَادَوْا مُصْبِحِيْنَ ۔ صبح ہوتے ہی انھوں نے ایک دوسرے کو پکارا: اَنِ اغْدُوْا عَلٰی حَرْثِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰرِمِيْنَ ۔ سویرے اپنی کھیتی کو چلو اگر تمھیں کاٹنی ہے، فَانْطَلَقُوْا وَهُمْ يَتَخَافَتُوْنَ ۔ اور چلے تو آپس میں کہتے جاتے تھے (چپکے چپکے ایک دوسرے سے باتیں کر رہے تھے) اَنْ لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مِّسْكِيْنٌ ۔ ہرگز آج کوئی مسکین تمہارے باغ میں نہ آنے پائے: وَّغَدَوْا عَلٰی حَرْدٍ قٰدِرِيْنَ ۔ اور لڑکے چلے اپنے ارادے پر (خودکو) قادر خیال کرتے ہوئے (کہ آج کسی فقیر کو خبر نہ ہونے دیں گے اور تمام کا تمام پھل اپنے قبضے میں کریں گے: فَلَمَّا رَاَوْهَا قَالُوْۤا اِنَّا لَضَآلُّوْنَ ۔ پھر جب دیکھا کہ میوہ کا نام ونشان نہیں، بولے، بے شک ہم راستہ بھٹک گئے۔ یعنی جب وہ باغ میں پہنچے اور دیکھا کہ وہاں کوئی پھل نہیں ہے، باغ اُجڑا پڑا ہے، تو لڑکے حیران ہوئے اور ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ شاید ہم غلطی سے کسی اور کے باغ میں آگئے ہیں۔ ہمارا باغ ایسا اُجڑا ہوا تو نہیں تھا۔ ہمارا باغ تو میوہ سے بھرپور تھا۔ ہمارے باغ کی ہر ڈالی میوے سے لدی ہوئی تھی، مگر یہ باغ تو اُجڑا پڑا ہے اور اس میں پھل کا نام ونشان تک نظر نہیں آرہا ہے۔ مگر ذرا اور دگر نظر دوڑائی، باغ کی نشانیاں دیکھیں اور پہچان گئے کہ یہی ہمارا باغ ہے۔ مگر اب اُجڑ چکا ہے، یہ حالت دیکھ کر بولے: بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ۔ بلکہ ہم محروم نصیب ہوئے (یعنی مسکینوں کو نہ دینے کی نیت سے ہم اس باغ کے منافع سے محروم ہوگئے: قَالَ اَوْسَطُهُمْ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُوْنَ ۔ ان میں جو سب سے بزرگ (دانشمند) تھا، بولا کیا تم سے نہ کہتا تھا کہ کیوں تسبیح نہیں کرتے (اور اس بُرے ارادے سے باز آکر تائب کیوں نہیں ہوتے اور نعمت خداوندی پر کیوں شاکر نہیں ہوتے) قَالُوْا سُبْحٰنَ رَبِّنَاۤ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۔ کہنے لگے ہمارا رب پاک ہے۔ فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰی بَعْضٍ يَّتَلَاوَمُوْنَ ۔ اب ایک دوسرے کی ملامت کرتے ہوئے متوجہ ہوئے۔

انسان اپنی غلطی کا اعتراف اس وقت کرتا ہے جب اس کو اپنی غلطی کا خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے۔ مرحوم شخص کے تینوں صاحبزادوں کو بھی اپنی غلطی کا احساس تبھی ہوا جب کہ ان کو غلطی کا خمیازہ باغ کے پھل سے محروم ہونے کی صورت میں بھگتنا پڑا۔ کہنے لگے: يٰوَيْلَنَاۤ اِنَّا كُنَّا

طٰغِيْنَ ۔ ہائے خرابی ہماری، بے شک ہم سرکش تھے۔

یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکرانہ ادا نہ کیا اور اپنے اسلاف کے طریق صالح سے منھ موڑ بیٹھے: عَسٰی رَبُّنَاۤ اَنْ يُّبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَاۤ اِنَّاۤ اِلٰی رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ ۔ اور امید ہے کہ ہمارا رب اس سے بہتر بدلے دے۔ ہم اپنے رب کی طرف راغب ہوتے ہیں۔ انھوں نے صدق دل سے توبہ کی اور عہد کیا کہ آئندہ ایسے فاسد خیال کو دل میں جگہ نہیں دیں گے اور ہمیشہ اللہ کی جانب راغب رہیں گے اور جب انسان اللہ کی طرف رغبت کرتا ہے، اللہ سے ناطہ جوڑتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اس پر اپنی رحمتوں کے دروازے کھول دیتا ہے اور اس شدت سے رحمتوں کا نزول ہوتا ہے کہ برسات کے بھرپور موسم میں آسمان سے کالے سیاہ بادل بارش برساتے ہیں۔ دنیا جہان کی مسرتیں، خوشیاں، کامیابیاں، کامرانیاں اور شادمانیاں اس کی جھولی میں ڈال دی جاتی ہیں۔ ساری کائنات کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ اس شخص سے ناطہ جوڑتا ہے جو اللہ سے ناطہ جوڑتا ہے اور جس نے خود اللہ تعالیٰ سے ناطہ جوڑا اس کو خدائی مل جاتی ہے۔ اس ناطے پر ''ہفت اقلیم''، ہزاروں، لاکھوں بلکہ ان گنت تعداد میں قربانی کی جاسکتی ہیں۔ اس ناطے کے سامنے شانِ قیصر و کسریٰ حقیر ترین شش پایہ حشرات سے بھی حقیر ہوجاتی ہے۔ ایسے شخص پر زمین و آسمان بھی رشک کرتے ہیں اور اس طرح جب انھوں نے اللہ سے رغبت کی تو اللہ نے ان پر اپنی نعمت کا نزول کیا اور باغ ضروان کے بدلے ان کو ایک بہتر باغ عطا کیا جو حیوان کے نام سے موسوم کیا گیا۔ اس باغ میں پیداوار کی فراوانی کچھ اس غضب کی ہوتی تھی کہ اس کے انگوروں کا ایک خوشہ اس قدر جسیم ہوا کرتا تھا کہ اس کو لے جانے اور اُٹھانے کے لیے گدھے کی ضرورت ہوتی تھی۔ قرآن مجید کے انتیسویں پارے کی سورۂ قلم کا یہ واقعہ ''خزائن العرفان'' میں مرقوم ہے۔

□□□

انتیسواں وعظ

تارکِ زکوٰۃ کے لیے وعید

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۙ يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ۝ (سورۂ توبہ)

ان آیاتِ مقدسہ میں تارک الزکوٰۃ کے انجام کے بارے میں بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب پاک حضرت محمد ﷺ سے مخاطب ہوکر ارشاد فرماتا ہے:

اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں صرف نہیں کرتے، سو آپ ﷺ ان کو ایک دردناک عذاب کی خبر دے دیں جو اس روز واقع ہوگا جب اس کو (سونے چاندی) آتشِ دوزخ میں تپایا جائے گا اور اس سے ان کے پیشانیاں اور کروٹیں اور ان کی پشتیں داغی جائیں گی (اور ان سے کہہ دیا جائے گا) یہ ہے وہ مال جو تم اپنے لیے جوڑ کر رکھتے تھے۔ اب اس جوڑنے کا مزا چکھو۔

برادرانِ گرامی! آج کے اس پرفتن دور میں انسان حرص و ہوس کا پتلا بن چکا ہے۔ اس کا مطمح نظر فقط اور فقط اپنے بینک بیلنس میں اضافہ کرنا ہے۔ یہ ہر جائز و ناجائز طریق سے اپنی دولت میں اضافہ کرنا فرضِ اوّلین تصور کرتا ہے، مگر یہ انسان اس بات پر سوچنے کی زحمت گوارہ نہیں کرتا کہ اس کائناتِ آب و گل کے خالق و مالک کو (جو ہمیں مال و دولت سے نوازتا ہے) اس طرح سے مال و دولت کو جمع کر کے رکھنا اور راہِ خدا میں خرچ نہ کرنا شدید طور پر ناگوار ہے اور اس بات سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوجاتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کسی سے ناراض ہوجاتا ہے تو پھر ایسے بدبخت

شخص کے لیے دو عالم میں کہیں جائے پناہ نہیں رہتی اور وہ بدبخت شخص ضرور اللہ کے دردناک عذاب کا ٹارگیٹ بنتا ہے اور جو شخص اللہ کے دردناک عذاب کا ٹارگیٹ بن جائے وہ تباہ و برباد ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ ایسے شخص سے ناراض ہوجاتا ہے جو مال و دولت جمع کر کے رکھتا اور اس مال میں سے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتا ہے۔ ایسے شخص کے انجام کے بارے میں ہی قرآن مجید کے دسویں پارے کی سورۂ توبہ میں تذکرہ کیا گیا ہے کہ جو شخص ایسا کرتے ہیں، روزِ محشر ان کی سزا یہ ہوگی کہ ان کے مال و دولت کو دوزخ کی آگ میں گرم کیا جائے گا اور پھر اس سے ان کے اجسام کے مختلف حصوں میں داغدار کیا جائے گا اور ان سے یہ کہا جائے گا کہ تمہارے ان حصوں کو داغدار کرنے کا سبب یہ ہے کہ تم راہِ خدا میں اپنے مال خرچ نہیں کرتے تھے اور اپنے مال و دولت کو جوڑ جوڑ کر رکھتے تھے۔ اب جوڑنے کا مزہ چکھو۔

اپنے مال میں سے زکوٰۃ ادا نہ کرنے کی اللہ کے ہاں یہ سزا ہے کہ مال و دولت گرم کر کے پیشانی کو داغا جائے گا۔ پیشانی کو داغنے کی وجہ یہ ہے کہ جب بھی راہِ خدا میں خرچ کرنے کا سوال آتا ہے تو مالدار کے ماتھے پر شکنوں کا جال بچھ جاتا ہے اور پھر اس کے مال و دولت کو گرم کر کے اس کی کروٹوں کو داغا جائے گا، کیونکہ جب مالدار یہ دیکھتا ہے کہ اس گزرگاہ میں اس سے راہِ خدا میں خرچ کرنے کے لیے کہا جائے گا تو وہ اپنا راستہ ہی تبدیل کرلیتا ہے۔ اس واسطے اس کی کروٹیں داغدار کی جائیں گی۔ تیسرے نمبر پر پشت کو داغا جائے گا، اس لیے کہ جب کوئی مالدار اللہ کے نام پر طلب کرتا ہے تو مال دار اسے جواب دینے کی بجائے منہ موڑ کر چلا جاتا ہے، اس واسطے اس کی پشت کو داغا جائے گا۔

یہ سزا ایک دو دن کے لیے نہیں ہوگی بلکہ مکمل اور کامل پچاس ہزار برس تک اس سزا کو بھگتنا ہوگا۔ سنا ہے کہ قیامت کا ایک دن دنیا کے پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا۔ اس لحاظ سے تو ایک طویل ترین سزا بھگتنی پڑے گی اور اس کے بعد پھر دوزخ یا جنت کا منہ دیکھنا نصیب ہوگا۔

تارک الزکوٰۃ کے بارے میں بیان کی گئی مندرجہ بالا سزا کے متعلق قرآن مجید میں ارشاد فرمایا گیا ہے، جو کہ اللہ کا آخری اور سچا کلام ہے، جس میں کسی قسم کا کوئی شک و شبہ نہیں، جو ہر قسم

کے شک وشبہات سے بالاتر ہے، جو گمراہوں کے لیے کھلی ہدایت کی نشانیوں کا حامل ہے۔

حکایت: نزہتہ المجالس، جلد اوّل، صفحہ:115 پر ایک حکایت یوں مرقوم ہے کہ کسی زمانے میں ایک شخص تارک الزکوٰۃ ہوا کرتا تھا۔ اس تارک الزکوٰۃ شخص نے ایک مرتبہ اپنے علاقے کے ایک امانت دار کے پاس دوصد دینار بطور امانت جمع کرا دیے، اس کے کچھ عرصے بعد تارک الزکوٰۃ شخص دارِ فنا سے دارالقرار کی طرف عازم سفر ہوا اور اس کے بعد اس کا ایک بیٹا اس کی وراثت کا حقدار بنا۔ اس لڑکے نے امانت دار شخص سے اپنے باپ کی امانت طلب کی، امانت دار شخص نے بلاچوں وچرا اس کے والد کے دوصد دینار لڑکے کے حوالے کر دیے۔ لڑکے نے کہا کہ اس کے والد کی امانت کے طور پر رکھوائی ہوئی رقم دوصد دینار سے زیادہ تھی۔ امانت دار نے کہا کہ میرے بھائی تیرے والد نے یہی دوصد دینار میرے پاس امانت کے طور پر رکھوائے تھے جو میں نے تجھے واپس کر دیے ہیں۔ اس سے زیادہ تیرے والد کی کوئی امانت میرے پاس نہیں، ہوسکتا ہے کہ تیرے والد نے کسی اور کے پاس بھی اپنی امانت رکھوائی ہو، لیکن لڑکا بضد رہا کہ اس کے والد نے دوصد روپیہ سے زائد رقم صرف اسی شخص کے پاس امانت کے لیے رکھوائی تھی۔ دونوں میں بحث وتکرار ہوئی، جھگڑا بڑھ گیا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ ان کا معاملہ قاضی وقت کے پاس پیش کیا گیا۔ قاضی نے طرفین کے بیان قلم بند کیے اور حکم دیا کہ لڑکے کے والد کی قبر کھودی جائے۔ قاضی کے حکم کی تعمیل کی گئی اور حکم کے مطابق اس لڑکے کے والد کی قبر کو کھودی گئی۔ قاضی نے میت کا مشاہدہ کیا تو اسے میت کے بدن پر داغنے کے نشانات ملے۔ جب ان کو شمار کیا گیا تو ان کو تعداد دوسو نکلی۔ یہ صورت حال دیکھ کر قاضی نے فیصلہ سنایا کہ امانت دار کے بیان میں سچائی ہے اور امانت کی رقم دوصد دینار سے زائد نہ تھی۔ اگر امانت کی رقم دو صد دینار سے زائد ہوتی تو میت کے جسم پر داغنے کے نشانات کی تعداد بھی زیادہ ہوتی، کیونکہ یہ شخص اپنا مال جمع کر کے رکھتا تھا اور راہِ خدا میں زکوٰۃ نہ دیتا تھا۔

تارکِ زکوٰۃ کے لیے بڑا اژدہا

تارک زکوٰۃ کے بارے میں جسم کے داغنے جانے کی سزا کے بارے میں بیان کیا گیا

ہے۔ اس کے علاوہ بھی ایک سزا اور ہوگی۔ یہ کہ زکوٰۃ ادا نہ کرنے والے کا مال گنجے سانپ کی شکل میں مالدار کے گلے کا ہار بنایا جائے گا۔ خالق دوعالم ارشاد فرماتا ہے: سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔ یعنی جس مال میں لوگ بخل سے کام لیتے ہیں اور اس مال میں سے زکوٰۃ کی ادائیگی نہیں کرتے، روزِ محشر وہ مال ان کے گلے کا ہار بنایا جائے گا۔

بخاری، مشکوٰۃ، صفحہ:155 کے مطابق مندرجہ بالا آیتِ مقدسہ کی تفسیر حدیث کی شکل میں آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یوں بیان فرمائی کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی شخص کو مال وزر سے نوازتا ہے اور اللہ کا شکریہ ادا کرنے کے سلسلے میں وہ شخص مال وزر کی زکوٰۃ ادا کرے تو اللہ تعالیٰ اس سے خوش ہوگا اور اگر مال وزر کی زکوٰۃ ادا نہ کرے تو اللہ کے حکم سے اس کا مال ایک گنجے سانپ کی صورت اختیار کرے گا۔ اس گنجے سانپ کی آنکھوں پر دو سیاہ نقطے ہوں گے۔ یہ گنجا سانپ مال دار کے گلے میں ہار کی طرف لپٹ جائے گا اور اس کی دونوں باچھوں کو اپنی گرفت میں لے کر کھینچتا ہوا کہے گا: اَنَا مَالُكَ اَنَا كَنْزُكَ۔ میں تیرا ہی مال ہوں اور تیرا ہی خزانہ ہوں۔

حضراتِ گرامی! ذرا ملاحظہ فرمائیں وہ لوگ جو کہ مال وزر کی حرص میں گرفتار ہیں اور اپنا مال جمع کر کے رکھتے ہیں۔ نیز اس مال میں سے زکوٰۃ کی ادائیگی نہیں کرتے۔ ایسے لوگ غور سے سن لیں کہ روزِ قیامت ان کا یہ مال زہریلے ناگ کی صورت میں ان کو ڈسے گا اور تو اور قبر میں بھی چین نہیں لینے دے گا۔

حکایت: نزہتہ المجالس، صفحہ:115 پر ایک حکایت درج ہے، ملاحظہ ہو:

یہ اس زمانے کی بات ہے جب کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے زمانے کے بلند پایہ صحابی تھے اور لوگ اپنے معاملات کے فیصلے کے لیے آپ کے پاس حاضر ہوا کرتے تھے۔ آپ کے زمانہ مبارک میں ایک مرتبہ ایک امیر وکبیر شخص اس دنیائے فانی سے کوچ کر گیا۔ رونے دھونے اور نہلانے دھلانے اور کفنانے کے بعد جب میت کو دفنانے کا وقت آیا تو بغرضِ دفن قبر کی کھدائی کی گئی۔ ابھی قبر کی کھدائی مکمل ہوئی تھی کہ ایک خوفناک اژدہا نمودار ہوا۔ مارے خوف کے لوگوں کا پتا پانی ہو گیا اور وہ حضرت عبداللہ بن عباس کے پاس گئے اور سارا واقعہ عرض کیا۔ آپ تشریف لائے اور فرمایا: اس میت کو دفنانے کے لیے

کسی اور جگہ قبر کھودی جائے۔ چنانچہ آپ کے حکم کے مطابق قبر کے لیے دوسری جگہ منتخب کی گئی، مگر وہاں بھی ایک خوفناک اژدہا پھن پھیلائے کھڑا تھا۔ لوگوں نے پھر حضرت عبداللہ سے واقعہ عرض کیا۔ آپ نے تیسرے مقام پر قبر کھودنے کا حکم دیا، لیکن وہاں بھی اژدہا موجود تھا۔ لہٰذا پھر قبر کی جگہ بدل دی گئی، مگر اژدہا وہاں بھی موجود نکلا۔ غرض کہ سات مرتبہ قبر کے مقامات تبدیل کیے گئے مگر ہر مقام پر خوفناک اژدہا موجود تھا۔ معاملہ ذرا اُلجھ گیا اور حضرت عبداللہ نے میت کے وارثوں کو اپنے پاس بلایا اور ان سے سوال کیا کہ مرنے والے کے اعمال کس قسم کے تھے؟ انھوں نے عرض کیا: یا حضرت! یہ شخص بہت نیک تھا، مگر اس میں ایک عیب یہ تھا کہ یہ اپنے مال میں سے زکوٰۃ کی ادائیگی نہیں کرتا تھا۔ یہ سن کر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ساری صورت حال سے باخبر ہو گئے اور حکم دیا کہ اس میت کو دفنانے کے لیے کسی اور مقام پر قبر کھودنے کی ضرورت نہیں بلکہ اسی قبر میں دفنا دو، کیونکہ یہ شخص تارک الزکوٰۃ تھا اور تارک الزکوٰۃ کی قبر جہاں بھی کھودو گے، سانپ وہیں موجود ہوگا۔

سانپ اور اژدھے کو دیکھ کر اس دنیا میں ہماری سٹی گم ہو جاتی ہے۔ جہاں ہم خود کو دوسروں سے برتر جانتے ہیں، جہاں ہم ہوش وحواس میں ہوتے ہیں اور وہاں تو ہم مکمل اور کامل طور پر بے بس ہوں گے، وہاں ہم اپنی شنوائی کے لیے کسی کو نہ پا سکیں گے۔

حکایت: اسی طرح کی حکایت زواجر، جلد اوّل، صفحہ:140 پر بھی مرقوم ہے جس کا مفہوم درج ذیل ہے:

حضرت علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ ایک مشہور بزرگ گزرے ہیں جو کہ ''زواجر'' کے مصنف تھے۔ یہ بزرگ اسی کتاب میں بیان فرماتے ہیں کہ ایک زمانے میں ابوسنان رحمۃ اللہ علیہ مشہور اور بلند پایہ بزرگ تھے۔ تابعین کی ایک جماعت بغرض ملاقات آپ کے پاس آئی۔ آپ نے فرمایا: ہمارے پڑوس میں ایک مرگ ہوگئی ہے۔ لہٰذا میت کے ورثا سے اظہارِ تعزیت کی غرض سے میں ان کے گھر جا رہا ہوں۔ تابعین کی جماعت نے عرض کیا: یا حضرت! اگر اجازت ہو تو ہم بھی آپ کے ہمراہ اپنے پڑوسی کے ہاں اظہارِ تعزیت کے لیے چلیں؟ آپ نے فرمایا: چلو۔ چنانچہ آپ تابعین کی جماعت کے ہمراہ اپنے پڑوسی کے یہاں اظہارِ تعزیت

کے لیے چلے گئے۔ جب ہمسایہ کے گھر گئے تو ایک عجیب منظر دیکھا کہ ہمسایہ زار وقطار رو رہا اور کسی طرح سے چپ ہونے کا نام ہی نہیں لیتا۔ حضرت ابوسنان رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کو تسلی و تشفی دی، مگر ہمسایہ برابر روتا رہا اور اس کے آنسوؤں کی روانی میں کوئی فرق نہ آیا۔ حضرت ابوسنان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اے بھائی! موت امرِ ربی ہے۔ اس سے کسی کو فرار ممکن نہیں، کوئی ذی روح اس سے محفوظ نہیں رہ سکتی۔ یہ ہر ایک کو اپنے بھیانک جبڑوں میں رکھ لیتی ہے، اس کا کوئی توڑ نہیں۔ لہٰذا میرے بھائی صبر کرو۔ ہمسایہ بولا: حضرت! آپ بالکل بجا فرما رہے ہیں، لیکن میرے رونے اور آہ وزاری کرنے کا سبب اس ہولناک عذاب کا تصور ہے جو صبح وشام میرے بھائی پر قیامت ڈھا رہا ہے۔

ہمسایہ اپنا سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے بولا: میں غیب داں نہیں ہوں، لیکن اصل صورت حال یہ ہے کہ جب میرے بھائی کی میت سپرد خاک کردی گئی اور لحد پر مٹی ڈال کر لوگ واپس آگئے، مگر میں برادرانہ محبت سے مجبور ہو کر واپس نہ آسکا اور وہیں اپنے بھائی کی قبر کے سرہانے بیٹھ گیا۔ مجھے بیٹھے ابھی تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ قبرستان کی خاموش فضا میں میرے بھائی کی قبر سے انتہائی پرسوز اور ملول آواز پھیل گئی۔ ہائے افسوس! میں پنج گانہ نماز کی ادائیگی پابندی سے کرتا تھا اور روزے پابندی سے رکھتا تھا، مگر اس کے باوجود عذاب ہو رہا ہے اور افسوس کہ لوگ مجھے اس تنہائی میں اکیلا اور بے یار ومددگار چھوڑ گئے ہیں۔ یہ آواز سن کر مجھ پر بے خودی کا عالم طاری ہوگیا۔ بے چینی میرے رگ وپے میں سرایت کر گئی۔ یہ تجسس میرے روئیں روئیں میں پھریرے لینے لگا کہ آخر میرے بھائی پر کون سی آفت ٹوٹ پڑی ہے۔ اس کو عذاب ہو رہا ہے۔ برادرانہ محبت اور جذبے نے میرے آتشِ شوق کو مزید بھڑکایا اور میں نے اپنے بھائی کی قبر سے مٹی ہٹانا شروع کی، میرے بھائی کی میت کے گلے میں آتش کا ایک طوق موجود تھا، جس کی حدت سے اس کا پورا سر محصور عذاب تھا۔ اپنے بھائی کی میت کا یہ حشر دیکھ کر میری آنکھوں میں آنسو آگئے۔ میرے قالب ونظر میں محبت کا ولولہ انگڑائیاں لینے لگا۔ میں نے اپنے بھائی کی میت کے گلے سے طوقِ آتش کا حصار ختم کرنے کی غرض سے ہاتھ آگے بڑھایا۔ جب میں نے ہاتھ آگے بڑھایا تو حدتِ آتش سے میرا ہاتھ جلنے لگا۔ میں تکلیف کی شدت برداشت نہ کرتے

ہوئے اپنا ہاتھ پیچھے لے آیا۔ اپنے بھائی کی لحد پر مٹی ڈالی ور واپس گھر آ گیا۔ پس مجھے یہ خیال ہی رلائے چلا جا رہا ہے کہ میرے بھائی کی میت کو عذاب ہو رہا ہے۔

تابعین حضرات نے اس شخص سے سوال کیا کہ تمہارے بھائی کی زندگی کیسی تھی، اس کے اعمال کس قسم کے تھے؟ ہمسایہ نے جواب دیا: میرا بھائی نیکوکار تھا۔ ہر روز پنج گانہ نماز باقاعدگی سے ادا کرتا تھا۔ ماہ رمضان کے روزے بھی باقاعدگی سے رکھتا تھا، مگر اس میں ایک عیب یہ تھا کہ اپنے مال کی زکوٰۃ ادا نہ کرتا تھا۔ یہ سن کر تابعین کی جماعت کے حضرات گویا ہوئے کہ تیرے بھائی کو اسی قسم کا عذاب ہونا چاہیے تھا۔ تیرا بھائی اسی عذاب کا مستحق ہے۔ جو لوگ اپنے مال کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتے، ان کے بارے میں قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ

زکوٰۃ کی ادائیگی نہ کرنے والوں کے بارے میں قرآن مجید نے ایسے ہی عذاب کی تصدیق فرمائی ہے۔ لہٰذا اس عذاب کی مدت قیامت تک ہوگی۔

برادرانِ گرامی! سرمایہ دار یہ سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے بھی ادائیگی زکوٰۃ میں تعطل سے کام لیتے ہیں۔ حالانکہ یہ بات ان کے علم میں ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی نہ کرنے سے بڑا سخت عذاب ہے، مگر اس کے باوجود سرمایہ دار لوگوں کی اکثریت ادائیگی زکوٰۃ میں تعطل برتتی ہے۔ کیوں؟ کیوں؟ اور آخر کیوں؟

آیئے اس کی توجیہ تلاش کریں! آیئے آج اس بات پر غور کریں گے۔ آخر وہ کون سی وجہ ہے، جس کے باعث سرمایہ داروں کی اکثریت ادائیگی زکوٰۃ میں تعطل برتتی ہے۔ سرمایہ داروں کی اکثریت کا ادائیگی زکوٰۃ میں تعطل برتنے کا ایک باعث ایمانی کمزوری ہے۔ ان کا ایمان اس خیال سے خزاں رسیدہ پتے کی طرح کانپ اٹھتا ہے کہ اس قدر مال کی زکوٰۃ ادا کرنے کے لیے اس قدر روپیہ درکار ہوگا۔ یعنی بینک بیلنس کم ہو جاتا ہے اور اس سے اگلے سال مزید کمی آ جائے گی اور رفتہ رفتہ ایک دن ایسا آئے جب کہ بینک بیلنس بالکل ختم ہو جائے گا۔ مفلسی کی تیرگی ہمیں سر تا پا اپنے اندر ڈبو دے گی اور ہمارے بال بچے بھوکوں مریں

گے۔ اس فاسد اور باطل خیال کے دل میں پیدا ہوتے ہی سرمایہ دار ادائیگی زکوٰۃ میں تعطل برتنے کا فیصلہ کر لیتا ہے۔

اگر دنیاوی لحاظ سے دیکھا جائے تو یہ فاسد اور باطل خیال بڑا صحت مند اور جاندار نظر آئے گا۔ تو آیئے پھر اس کا حل تلاش کرتے ہیں کہ اس صورتِ حال کو ختم کرنے کے لیے کون سا طریقہ ہونا چاہیے۔ سب سے اچھا طریقہ یہ ہوگا کہ ہم اس خیال کو فاسد اور باطل ثابت کریں، تاکہ سرمایہ داروں کے دل سے یہ بات نکل جائے کہ ادائیگی زکوٰۃ سے مفلسی کی تیرگی ان پر چھا جائے گی۔ لہٰذا اس خیال کو فاسد اور باطل ثابت کرنے کے لیے ہم قرآن مجید (جو کہ اللہ کا آخری اور سچا کلام ہے) سے مدد حاصل کرتے ہیں۔ قرآن مجید سے ہم پر یہ بات اظہر من الشمس ہوگی کہ مفلسی کی تیرگی میں گم ہونے کا اندیشہ عقل انسانی سے ماورا ہے اور یہ شیطان کے ذہن کی پیداوار ہے۔ قرآن مجید کے تیسرے پارے "تلک الرسول" کی سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَ يَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاۗءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ

مندرجہ بالا آیت مقدسہ کا ترجمہ ہے کہ شیطان تمہیں محتاجی کا اندیشہ دلاتا ہے اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے اور اللہ تم سے فضل اور مغفرت کا وعدہ فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ وسعت کا حامل، علم والا ہے۔

قرآن مجید کے مندرجہ بالا ارشاد سے صاف ظاہر ہوا کہ مفلسی کی تیرگی کا خدشہ دلا کر شیطان یہ چاہتا ہے کہ سرمایہ دار ادائیگی زکوٰۃ میں تعطل برتے اور اس وجہ سے اللہ کے فضل و کرم سے محروم ہو کر اس کے غضب کا نشانہ بنے۔

قرآن مجید کی روشنی میں کی گئی اس وضاحت کے باوجود کوئی سرمایہ دار مفلسی کی تیرگی کا خیال دل سے نہ نکال سکے تو ہم اس کے علاوہ کیا کہہ سکتے ہیں کہ اس شخص کی بدبختی میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ادائیگی زکوٰۃ سے مال دار کے مال میں پہلے سے اضافہ ہوتا ہے اور دوسرے اللہ تعالیٰ اپنا فضل و کرم کرتے ہوئے زکوٰۃ ادا کرنے والے کی بخشش اور

مغفرت کر دیتا ہے۔

آج کے اس Atomic Period میں سائنس نے بے پناہ ترقی کی ہے۔ اگر ایک طرف فلاحِ انسانیت کے لیے نت نئی ایجادات ہو رہی ہیں تو دوسری طرف انسان کو آزار پہنچانے والے بھی نت نئے ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں۔ ان میں چور اور ڈاکو بھی شامل ہیں جو انسانوں کی دولت کو لوٹ کر لے جاتے ہیں۔ ہر مالدار شخص اس بات کا خواہش مند ہے کہ اس کا مال چوروں اور ڈاکوؤں سے محفوظ رہے۔ اس غرض سے وہ ماڈرن الارم سسٹم کا استعمال کرتا ہے، مگر ہم دیکھتے ہیں کہ روزانہ اخبارات چوری کی وارداتوں کی خبروں سے بھرے ہوتے ہیں اور تمام احتیاطی تدابیر کے باوجود چور سارا اثاثہ صاف کر جاتے ہیں۔

ایسے سرمایہ دار جو اپنے مال کو باحفاظت رکھنا چاہتے ہیں، چوروں اور ڈاکوؤں سے اپنے مال کو محفوظ رکھنا چاہتے ہیں، ان کو چاہیے کہ وہ اپنے مال کی ادائیگی کریں کہ زکوٰۃ ادا کرنے سے مال اللہ کی حفاظت میں چلا جاتا ہے اور یہ ایک ایسا سیف ہے جس کو دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا اور ماہر سے ماہر انجینئر بھی نہیں کھول سکتا۔

کشف الغمہ، صفحہ: 179 پر ہمارے پیارے رسول حضرت محمد ﷺ کا ارشاد گرامی مرقوم ہے، جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ زکوٰۃ ادا کرنے سے مال مضبوط اور محفوظ قلع میں داخل ہو جاتا ہے:

حَسِّنُوْا اَمْوَالَکُمْ بِالزَّکٰوۃِ وَدَاوُوْا مَرْضَاکُمْ بِالصَّدَقَۃِ۔

زکوٰۃ سے اپنے مالوں کو مضبوط قلعوں میں داخل کرلو اور اپنے مریضوں کی دوا صدقے سے کرو۔

ثابت ہوا کہ زکوٰۃ کی ادائیگی مال کو محفوظ کر دیتی ہے۔ ادائیگی زکوٰۃ میں تعطل برتنا اور مال میں بخیلی سے کام لینے والوں کا انجام قیامت کے دن بڑا ہولناک ہوگا اور آج سرمایہ دار جس مال کو اپنے لیے فائدہ مند تصور کرتے ہیں، کل وہی مال بخیلی کے سبب ان کے گلوں کا طوق بن جائے گا۔

قرآن مجید کے چوتھے پارے "لن تنالوا" کی سورۂ آل عمران میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰھُمُ اللہُ مِنْ فَضْلِہٖ ھُوَ خَیْرًا لَّھُمْ ؕ بَلْ

ھُوَ شَرٌّ لَّھُمْ ؕ سَیُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِہٖ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ ؕ وَلِلہِ مِیْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ۔

اس آیاتِ مقدسہ کا ترجمہ یہ ہے کہ اور جو لوگ اس چیز میں بخیلی کرتے ہیں، جو اللہ انہیں اپنے فضل سے دیتا ہے، وہ ہرگز اس کو اچھا نہ جانیں، بلکہ وہ ان کے لیے برا ہے۔ عن قریب وہ جس میں بخل کیا گیا، روزِ قیامت ان کے گلے کا طوق ہوگا اور اللہ زمین و آسمان کا وارث ہے اور اللہ تمہارے اعمال کی خبر رکھتا ہے۔

مندرجہ بالا آیت مقدسہ سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ مال میں بخیلی کرنے والے سرمایہ دار روزِ محشر ایسی حالت میں ہوں گے کہ ان کے مال ان کے گلوں کا طوق کی طرح ہوں گے۔

ہمارے پیارے رسول حضرت محمد ﷺ فرماتے ہیں کہ ادائیگی زکوٰۃ میں تعطل کا مطلب یہ ہے کہ زکوٰۃ کا مال دوسرے مال سے ملا رہ جائے گا اور وہ اپنے ساتھ دوسرے مال کو لے ڈوبے گا۔ اس بات پر کسی شاعر نے کہا ہے:

ہم تو ڈوبے ہیں صنم تم کو بھی لے ڈوبیں گے

آپ ﷺ فرماتے ہیں:

وَمَا خَالَطَتِ الزَّکٰوۃُ مَالًا اِلَّا اَھْلَکَتْہُ۔ (رواہ الشافی، مشکوٰۃ، صفحہ: 157)

زکوٰۃ کسی مال میں نہیں ملتی، مگر اسے ہلاک کر ڈالتی ہے۔

فائدہ: اس حدیث پاک کے علمائے گرامی کے نزدیک دو مطالب و معانی ہیں: اوّلاً اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر کسی سرمایہ دار نے ادائیگی زکوٰۃ میں تعطل برتا تو وہ مال جو زکوٰۃ کا بنتا ہے، اس سارے مال میں ملا رہ جائے گا اور اس طرح سے زکوٰۃ کا مال دوسرے مال کو بھی ہلاک کر ڈالے گا۔ علمائے گرامی کے نزدیک اس حدیث پاک کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مستحق زکوٰۃ نہیں مگر اس کے باوجود زکوٰۃ وصول کر لیتا ہے اور زکوٰۃ کے مال کو دوسرے مال میں ملا رکھتا ہے تو زکوٰۃ کا مال اس کے دوسرے مال کو ہلاک کر ڈالے گا۔ گویا زکوٰۃ کی ادائیگی کر کے مستحق زکوٰۃ کو دنیا اشد ضروری ہے۔ ہمارے پیارے رسول ﷺ نے فرمایا ہے:

مَا تَلَفَ مَالٌ فِیْ بَرٍّ وَّلَا بَحْرٍ اِلَّا بِحَبْسِ الزَّکٰوۃِ۔

خشکی وتری میں کوئی مال ضائع نہیں ہوتا، مگر زکوٰۃ روکنے سے۔

(کشف الغمہ، جلد اوّل، صفحہ:179)

برادرانِ گرامی! یہ کیفیات، مال وزر یعنی سونا چاندی اور روپیہ پیسہ کے متعلق تھی۔ اب کچھ حال گائے، بکری اور دیگر مویشیوں کی زکوٰۃ میں تعطل برتنے کے انجام کا بیان کیا جاتا ہے۔

مسلم شریف، مشکوٰۃ، صفحہ:155 پر مرقوم ہے کہ ہمارے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کے پاس بقدر نصاب اونٹ موجود ہوں اور وہ ان اونٹوں پر زکوٰۃ میں تعطل برتے تو روزِ محشر اللہ کی طرف سے ایسے شخص کو ایک ہموار میدان میں چاروں شانے چت لٹا دیا جائے گا اور پھر اللہ کے حکم سے اونٹوں کی ایک جماعت خوب صحت مند حالت، موٹی تازی ہوکر آئے گی اور اس کو اپنے قدموں میں روندتی ہوئی گزر جائے گی اور اس کی دوسری جماعت بھی یہی عمل دہرائے گی۔ اس کے بعد پھر پہلے والی جماعت ایسا کرے گی۔ گائے اور بکریوں کے بارے میں ارشاد ہے کہ ان پر زکوٰۃ نہ دینے والے کو میدان میں لٹا دیا جائے گا اور پھر بکریاں اور گائیں موٹی تازی ہوکر آئیں گی اور اس کو اپنے سینگوں سے ماریں گی اور قدموں سے روند ڈالیں گی۔ یہ عذاب پچاس برس تک جاری رہے گا۔ اس کے بعد دیگر اعمال کا حساب ہوگا۔

زکوٰۃ کے بغیر نماز قبول نہیں

سالن کے بغیر روٹی بے مزہ محسوس ہوتی ہے، اسی طرح زکوٰۃ کے بغیر نماز بھی بے مزہ محسوس ہوتی ہے۔ حضرت شیخ الشیوخ حضرت امام شہاب الدین سہروردی قدس سرہٗ العزیز عوارف شریف کے باب الثامن والثلثین میں حضرت خواص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ:

بَلَغْنَا اَنَّ اللّٰہَ لَا یَقْبَلُ نَافِلَۃً تُؤَدّٰی فَرِیْضَۃً یَقُوْلُ اللّٰہُ تَعَالٰی مِثْلُکُمْ

کَمِثْلِ الْعَبْدِ السُّوْءِ بَدَأَ بِالْهَدِیَّةِ قَبْلَ قَضَاءِ الدَّیْنِ۔ (عوارف، صفحہ:237)

ہمیں خبر ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرض کی ادائیگی کے بغیر نفل قبول نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمہاری مثال اس بندے کی سی ہے جو قرض ادا کرنے سے قبل تحفہ پیش کرے۔ یہ بات ان لوگوں کو تنبیہ کرنے کے واسطے ہے جو نفلی صدقات تو دیتے رہتے ہیں، مگر زکوٰۃ جس کی ادائیگی فرض ہے، ادا نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ فرض کے بغیر تو نفل بھی قبول نہیں فرماتا۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں:

اُمِرْنَا بِاِقَامِ الصَّلٰوۃِ وَاِیْتَاءِ الزَّکٰوۃِ وَمَنْ لَّمْ یُزَکِّ فَلَا صَلٰوۃَ لَہٗ۔

ہمیں نماز پڑھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتا، اس کی نماز بھی قبول نہیں۔

اور جو شخص زکوٰۃ ادا کرتا ہے، مگر نماز نہیں ادا کرتا تو ایسے شخص کی زکوٰۃ بھی نامنظور ہوگی کیونکہ نماز کے بغیر تو کوئی نیکی قبول ہوتی ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں نماز کی پابندی اور زکوٰۃ کی ادائیگی کی توفیق بخشے۔ آمین ثم آمین!

□□□

تیسواں وعظ

بیت اللہ شریف کی بنائے اوّل

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۝

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۝

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ۝ فِیْہِ اٰیٰتٌ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰھِیْمَ وَمَنْ دَخَلَہٗ کَانَ اٰمِنًا وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا وَمَنْ کَفَرَ فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ۝

اوپر بیان کی گئی آیاتِ مقدسہ خداوند کریم کے آخری کلام قرآن مجید کے چوتھے پارے کی سورۂ آل عمران میں ہے، جس کا ترجمہ حسب ذیل ہے:

بے شک لوگوں کی عبادت کے لیے مقرر ہونے والا سب سے پہلا برکت والا گھر وہ ہے جو مکہ میں ہے، سارے جہاں کا رہنما۔ اس میں کھلی نشانیاں ہیں۔ ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ اور اس میں داخل ہونے والا امان میں ہے اور اللہ تعالیٰ کی (خوشنودی) کے لیے لوگوں پر فرض ہے کہ بیت اللہ کا حج کریں۔ جو اس کی (راہ) میں استطاعت رکھتے ہوں اور جو انکار کرے تو اللہ سارے جہان سے بے نیاز ہے۔

سب سے اوّل بیت اللہ کی تعمیر

دنیا میں سب سے پہلا وہ گھر خدا کا
ہم پاسباں ہیں اس کے وہ پاسباں ہمارا

مملکت السعودیہ العربیہ کے شہر مکہ مکرمہ میں مسلمانوں کی عبادت کا مرکز خانۂ کعبہ ہے۔ خانۂ کعبہ کی رفیع الشان عمارت کی بنیادیں جس زمین پر رکھی گئی ہیں، سب سے قبل اسی زمین کو خداوند کریم نے وجودِ عالم میں تخلیق کیا۔ آج سے لاکھوں صدیوں قبل جب اس عالم آب وگل

کا کوئی وجود نہیں تھا۔ معارج النبوۃ، رکن اوّل، صفحہ: 363 کے مطابق اس عالم آب وگل کی جگہ پر چہار سو لامحدود وسعتوں تک پانی پھیلا ہوا تھا۔ ہر جانب پانی کا راج، پانی کی حکمرانی تھی، نہ زمین تھی نہ زمان تھا اور اس سارے جہاں کے خالق و مالک حقیقی کا عرش بھی اسی پانی پر تھا۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: وَکَانَ عَرْشُہٗ عَلَی الْمَآءِ۝ جس پانی پر عرشِ الٰہی تھا، اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت اور دانش سے اس جگہ جھاگ پیدا فرمائی اور پھر اس جھاگ کو اس قدر وسعت دی کہ اس کو چہار جانب مساوی طور پر پھیلا دیا۔ بعدازاں یہی جھاگ زمین کے قالب میں ڈھل گئی۔ جس جگہ سب سے قبل جھاگ پیدا ہوئی تھی، بالکل اسی جگہ بیت اللہ شریف کی تعمیر کی گئی۔ اس لیے اس کو سارے عالم کا مرجع کہا جاتا ہے، کیونکہ یہ ارضِ فانی کے عین وسط میں ہے۔ اگر بیت اللہ شریف کو مرکز مان کر اس ساری ارضی کی چاروں طرف سے پیمائش کی جائے تو وہ بالکل برابر ہوگی۔

بیت اللہ شریف سب سے پہلا گھر

پانی سمیٹ کر اپنا عرض آسمان سے اوپر لے جا کر خداوند عظیم نے ایک نئے نظام کی تشکیل کی، یعنی زمین وآسمان کی تخلیق کی اور ہر دو فریق میں اپنی تسبیح کے واسطے ملائکہ کی آفرینش فرمائی۔ ملائکہ شب و روز محو عبادتِ الٰہی رہتے، لیکن آسمانی ملائکہ کے لیے ایک خاص بات یہ تھی کہ آسمانوں میں فرشتوں کے لیے ایک گھر بنایا گیا تاکہ فرشتے اکٹھے ہو کر اللہ کی عبادت کریں۔ اس گھر کو بیت المعمور کہا جاتا ہے۔ آسمانی ملائکہ بیت المعمور کا طواف کرتے۔ علاوہ ازیں اپنے رب کی بندگی بھی کرتے۔ اس صورت حال کی وجہ سے ارضی ملائکہ کے دل میں بھی شوقِ طواف انگڑائیاں لینے لگا۔ انھوں نے دیکھا کہ ساری ارض میں کوئی بھی گھر نہیں ہے کہ جس کا وہ طواف کر سکتے۔ پس انھوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی: اے باری تعالیٰ! اپنی عنایت سے زمین میں بھی ایک گھر بنا، جس کا ہم طواف کر سکیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو حکم دیا کہ بیت المعمور کے عین مقابل زمین پر بھی ایک گھر تیار کیا جائے۔ حکم کی تعمیل کی غرض سے ملائکہ

نے سفید اور چمکدار موتیوں سے ایک گھر تیار کیا، جس کا نام بیت اللہ یا خانۂ کعبہ ہے۔ خانۂ کعبہ کی تخلیق اس وقت وجود میں آئی جب کہ اس زمین پر کہیں بھی کوئی گھر نہیں تھا۔ اس طرح انسان کا بھی وجود نہیں تھا۔ حضرت سیدنا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اس بیت اللہ کی تعمیر کے دو سو سال بعد اس دنیائے فانی میں وارد کیے گئے۔ (تفسیر صاوی، صفحہ:50-149)

کشف الغمہ، جلد اوّل، صفحہ :215 پر مرقوم ہے کہ اس تعمیر ہونے والے بیت اللہ شریف کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ یہ اس قدر چمکدار تھا کہ اس کے باہر کے طواف کرنے والا اندر والے کو بخوبی دیکھتا تھا اور اندر والا باہر والے کو بخوبی دیکھتا تھا

اسی صفحہ پر مرقوم ہے کہ جب حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو زمین پر مبعوث فرمایا گیا تو اللہ کی جانب سے آپ کو اس امر کا حکم دیا گیا کہ بیت اللہ شریف کی ازسرنو تعمیر و تکمیل کی جائے۔ چونکہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام اس وقت اکیلے تھے، اس لیے ملائکہ کو بھی حکم ہوا کہ تعمیر خانۂ کعبہ میں حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی معاونت کی جائے۔ چنانچہ فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کی معاونت کی اور بڑے بڑے وزنی پتھر جمع کیے۔ پتھروں کی وزنیت اس قدر تھی کہ ایک پتھر کو تیس آدمی مل کر بھی نہیں اٹھا سکتے تھے۔ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حکم خدا کی تعمیل میں سر تسلیم خم کیا اور خانۂ کعبہ کی تعمیر و تکمیل فرمائی۔ بعد ازاں طواف و حج کا سلسلہ جاری کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما لکھتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بغرضِ زیارتِ کعبہ شریف چالیس مرتبہ ہندوستان سے خانۂ کعبہ تک پیدل چلنے کی تکلیف گوارہ فرمائی اور جب آپ زیارت کے لیے جاتے تو آپ کے دونوں قدموں کے درمیان تین دن اور تین راتوں کی مسافت ہوتی تھی اور جس جگہ پر آپ کا دونوں قدم مبارک پڑتا وہ جگہ گلزار کے قالب میں بدل جاتی تھی۔ مدتوں بعد ان ہی نقشِ پا پر شہروں اور گاؤں کی تخلیق عمل میں آئی۔ (معارج النبوۃ، رکن اوّل، صفحہ:362)

سبحان اللہ! اسے کہتے ہیں جذبۂ شوق۔ کیا شان ہے آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کہ چالیس مرتبہ ہندوستان سے خانۂ کعبہ تک کا سفر پیدل کیا اور راستے کی صعوبتیں جھیلیں۔ واقعی جذبۂ شوق ہو تو ایسا ہی ہو۔

کشف الغمہ، صفحہ: 215 پر مرقوم ہے کہ جب حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے طواف سے فراغت حاصل کی تو حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ کی جانب سے وحی لے کر نازل ہوئے: یَا آدَمُ قَضَیْتَ نُسُکَکَ۔ اے آدم! تو نے حج کو پورا کر لیا۔ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب دیا: نعم یا ربی ہاں یا رب! قَالَ فَاسْئَلْ حَاجَتَكَ تُعْطَ۔ فرمایا: حاجت کا سوال کرو، پوری کی جائے گی۔ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عرض کیا: حَاجَتِیْ اَنْ تَغْفِرَلِیْ ذَنْبِیْ وَ ذَنْبَ وَلَدِیْ۔ میری حاجت صرف یہی ہے کہ میری اور میری اُمت کی مغفرت فرما۔ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا: اے آدم! (علیہ الصلوٰۃ والسلام) تیری مغفرت تو ہم پہلے ہی فرما چکے ہیں۔ باقی رہی تیری اولاد، تو اس سلسلے میں فَمَنْ عَرَفَنِیْ وَ اٰمَنَ بِیْ وَ صَدَّقَ رُسُلِیْ وَ کِتَابِیْ غَفَرْنَا لَهٗ ذَنْبَهٗ۔ جو میری پہچان کرے اور مجھ پر ایمان لائے گا اور رسولوں اور کتب کی تصدیق کرے گا تو ہم اس کے گناہ بخش دیں گے۔

کشف الغمہ کے اسی صفحہ پر ایک روایت درج ہے کہ جب حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تعمیل خداوند کے سلسلے میں کعبہ کی تعمیر کی۔ تکمیل کے بعد حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام بارگاہِ خداوندی میں یوں عرض پیرا ہوئے: یَا رَبِّ اِنَّ لِكُلِّ عَامِلٍ اَجْرًا فَمَا اَجْرِیْ قَالَ اِذَا طُفْتَ بِهٖ غَفَرْتُ لَكَ۔ اے ربّ! ہر مزدور کا اجر ہوتا ہے، میرا اجر کیا ہے؟ ربّ کریم نے ارشاد فرمایا: اے آدم! تو نے جس وقت بیت اللہ کا طواف کیا تھا، اسی وقت میں نے تیری مغفرت فرما دی تھی: قَالَ یَا رَبِّ زِدْنِیْ۔ کہا: یا رب! اضافہ فرما۔ قَالَ اَغْفِرُ لِاَوْلَادِكَ اِذَا طَافُوْا بِهٖ۔ فرمایا: جب تیری اولاد طواف کرے گی تو اسے بخش دوں گا۔ قَالَ یَا رَبِّ زِدْنِیْ۔ کہا: اے رب! کچھ اضافہ فرما۔ قَالَ اَغْفِرُ لِمَنِ اسْتَغْفَرَ لَهُ الطَّائِفُوْنَ قَالَ حَسْبِیْ حَسْبِیْ۔ فرمایا! ہر اس شخص کی مغفرت کر دی جائے گی، جس کے حق میں طواف کرنے والے دعا مانگیں گے۔ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عرض کیا: مولیٰ! کافی ہے، کافی ہے۔

کشف الغمہ کے اسی صفحہ پر ایک اور روایت یوں مرقوم ہے کہ اللہ کے پیارے رسول حضرت داؤد علیہ السلام نے ایک مرتبہ اللہ سے عرض کی۔ اے باری تعالیٰ! ہر زیارت کرنے

والے کا زیارت گاہ پر کچھ حق ہوتا ہے۔ جو تیرے گھر کی زیارت کرے گا، اسے کیا ملے گا۔
اللہ نے ارشاد فرمایا: یَا دَاؤُدُ اِنَّ لَھُمْ عَلَیَّ اَنْ اُعَافِیَھُمْ فِی الدُّنْیَا وَ اَغْفِرَ لَھُمْ اِذَا لَقِیْتُھُمْ ۝ اے داؤد! (علیہ الصلوٰۃ والسلام) جو میرے گھر کی زیارت کرے گا، اس کو دنیا میں معافی دوں گا اور بوقت ملاقات اس کے گناہ بخش دوں گا۔

آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھوں کعبہ کی یہ تکمیل مدتوں قائم رہی اور حضرت آدم علیہ السلام مدتوں لوگوں کو اللہ کی جانب راغب کرنے کا فریضہ سرانجام دیتے رہے اور آپ کی اولاد کعبہ معظمہ کا طواف کرتی رہی۔ گردشِ لیل ونہار سے ایک وقت ایسا بھی آیا جب حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے اللہ کے وصال کی خاطر اس دنیا سے چلے گئے۔
کچھ عرصے بعد اللہ نے حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نبی بنا کر معبوث فرمایا اور آپ نے لوگوں کو توحید الٰہی کا درس دینا شروع کیا۔ لوگوں نے آپ کی باتیں ماننے سے انکار کر دیا، جس پر اللہ نے طوفان کی صورت میں قوم نوح پر عذاب نازل فرمایا۔ خدشہ تھا کہ طوفان سے کعبہ معظمہ کو نقصان پہنچے گا، اس لیے حکم الٰہی سے ملائکہ نے کعبہ معظمہ کو آسمانوں پر اُٹھالیا۔ طوفانِ نوح آیا اور اپنی تباہیوں کی داستان تاریخ عالم میں مرقوم کر کے گزر گیا۔
طوفانِ نوح کی تباہیوں کی وجہ سے بیت اللہ شریف کے مقام پر محض ایک سرخ ٹیلا باقی رہ گیا جو بیت اللہ شریف کی نشاندہی کرتا تھا۔ وہ لوگ جو نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم کے بعد آئے تھے یا وہ لوگ جو طوفانِ نوح سے محفوظ رہے تھے، آتے اور سرخ ٹیلے کا طواف کر کے واپس چلے جاتے۔ چشم فلک ایک طویل عرصے تک اسی مظہر سے آشنا ہوتی رہی۔
حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد کئی ایک پیغمبر معبوث فرمائے گئے، جنھوں نے لوگوں کو اللہ سے روشناس کرانے کا بیڑا اٹھایا اور خود پر عائد کردہ فرائض کی تکمیل کے بعد اپنے اللہ سے وصال حاصل کر گئے۔ پھر چشم فلک نے اللہ کے پیارے رسول حضرت ابراہیم خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بابرکت زمانے کا نظارہ کیا، چشم فلک نے اس منظر کا بھی نظارہ کیا ہوگا، جب جھوٹی خدائی کے جھوٹے دعویدار نمرود نے آپ کو آگ کے گڑھے میں پھنکوایا تھا اور آگ گلزار بن گئی۔ اسی واقعے کا ذکر علامہ اقبال نے اپنی کتاب بانگ

درا اور جواب شکوہ میں یوں فرمایا ہے: ؎

آج بھی ہو جو براہیم سا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نور وضیا کی شمشیرِ حق بن کر کس طرح نمرود کی جھوٹی خدائی پر گرے اور کس طرح انھوں نے اس کی خدائی کے ٹکڑے ٹکڑے کیے، یہ ایک الگ داستان ہے۔ یہاں پر یہ ذکر کرنا ہے کہ خداوند کریم کی جانب سے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم دیا گیا کہ بیت اللہ شریف کو سابقہ بنیادوں پر تعمیر کیا جائے۔ طوفانِ نوح کی تباہ کاریوں کی وجہ سے بیت اللہ شریف کی بنیادیں منہدم ہو چکی تھیں۔ اس لیے حضرت جبریل تشریف لائے اور بیت اللہ شریف کی حدود کا تعین کیا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ اللہ نے ایک بادل بھیجا کہ جس جگہ تک بادل سایہ فگن ہوگا، اس جگہ تک بیت اللہ شریف کی حدود ہوگی۔
(معارج النبوۃ، صفحہ:364)

ایک اور روایت جو کہ معارج النبوۃ، صفحہ:364 کے علاوہ نزہۃ المجالس، جلد اوّل، صفحہ: 153 پر بھی مرقوم ہے، یوں ہے کہ رب کریم نے ایک تیز ہوا بھیجی جس سے بیت اللہ کی بنیادیں ظاہر ہو گئیں۔

بہرکیف! جس طرح سے بھی ہوئی حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بیت اللہ شریف کی حدود کا پتہ چل گیا، جس کے بارے میں قرآن مجید کے سترہویں پارے کی سورۂ حج میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرَاھِیْمَ مَکَانَ الْبَیْتِ ۝ اور جب کہ ہم نے ابراہیم (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو اس گھر کا پتہ بتا دیا۔
الغرض حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بیت اللہ شریف کی حدود کا پتہ چل گیا اور آپ نے اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مل کر بیت اللہ کی تعمیر کی۔
نزہۃ المجالس، صفحہ:153 پر مرقوم ہے کہ بیت اللہ کی تعمیر جب مکمل ہوگئی، چند پتھر باقی بچ گئے۔ اللہ نے ایک تیز ہوا بھیجی، جس نے ان پتھروں کو اڑا کر پھینک دیا، جس جگہ چھوٹے پتھر گرے، وہاں مسجد نبوی اور جس جگہ بڑے پتھر گرے وہاں جامع مسجد بن گئی۔

اسی کتاب کے صفحہ:154 پر امام ثوری کا قول درج ہے کہ کعبہ شریف چھ مرتبہ تخلیق ہوا ہے۔ اوّل اس کائنات کے وجود سے قبل اس کی تعمیر ملائکہ کے ہاتھوں ہوئی۔ دوم اس کی تعمیر کا اعزاز حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حاصل ہوا۔ تیسری مرتبہ اس کی تعمیر کا شرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ملا۔ چوتھی مرتبہ اس کی تعمیر کا کام قریش نے کیا اور پانچویں مرتبہ اس کی تعمیر کا سہرا عبداللہ بن زبیر کے سر ہے اور چھٹی مرتبہ اس کی تعمیر کا کریڈٹ حجاج بن یوسف کو جاتا ہے اور تادم تحریر حجاج بن یوسف کی بناہی موجود ہے۔

□□□

اکتیواں وعظ

بیت اللہ کی بنائے ثانی ابراہیمی

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرَاهِيْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ. رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ. رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلاً مِّنْهُمْ يَتْلُوْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○ (سورۂ بقرہ)

جب ابراہیم اس گھر کی بنیادیں اٹھاتا تھا اور اسمٰعیل یہ کہتے ہوئے ہمارے رب ہم سے قبول فرما، بے شک تو سننے والا ہے، تو ہی علم والا ہے۔ اے ہمارے رب! ہمیں اپنے حضور گردن جھکانے والے بنا اور ہماری اُمت میں سے ایک اُمت تیری فرماں بردار اور ہمیں اپنی عبادت کے قاعدے بتا اور ہم پر اپنی رحمت کے ساتھ رجوع کر۔ بے شک تو ہی مہربان، بہت توبہ قبول کرنے والا ہے اور اے ہمارے رب! ان پر انہی میں سے ایک رسول بھیج جو ان پر تیری آیات تلاوت کرے اور ان کو تیری کتاب اور پختہ علم سکھائے اور انھیں خوب صاف فرمائے۔ بے شک تو ہی غالب حکمت والا ہے۔

قبل ازیں یہ بیان کیا جاچکا ہے کہ گردشِ لیل ونہار نے چشم فلک کو حضرت آدم سے لے کر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام تک مختلف ادوار دکھائے اور پھر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ نے تعمیر کعبہ کا حکم دیا اور پھر اللہ نے کعبہ کی بنیادیں ظاہر فرمادیں تاکہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام ان بنیادوں پر کعبہ کی عمارت استوار کرسکیں۔

تفسیر حسینی، جلد اوّل میں مرقوم ہے کہ جب کعبہ کی بنیادیں اور مقام متعین فرمادیا گیا تو

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے لختِ جگر حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بغرضِ تعمیر کعبہ ساتھ لیا اور کعبہ کی تعمیر کا آغاز کیا۔ اسی واقعہ کے متعلق قرآن مجید میں ہے:

اِذْ یَرْفَعُ اِبْرَاھِیْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ ۰

اللہ تعالیٰ اپنے محبوب سے ہم کلام ہے۔ اے محبوب اس وقت کو چشم تصور سے ملاحظہ کریں جب کہ ابراہیم و اسمٰعیل علیہما الصلوٰۃ والسلام کعبہ معظمہ کی بنیادیں استوار کر رہے تھے۔ کعبہ کی تعمیر میں حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک مزدور کی طرح کام کیا اور ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک معمار کے فرائض کی ادائیگی کی۔ یعنی حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام پتھر اُٹھا کر لاتے تھے اور ابراہیم علیہ السلام ان پتھروں سے دیواریں تعمیر کرتے تھے۔ جب کعبۃ اللہ کی تعمیر تکمیل کے مراحل سے گزر چکی تو ابراہیم اور اسمٰعیل علیہما الصلوٰۃ والسلام نے ہاتھ اُٹھا کر دعا مانگی۔

تعمیر کعبہ کے بعد ہاتھ اٹھا کر دونوں کا دعا مانگنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ہر قسم کی عبادت (خواہ وہ عبادت مالی ہو یا اس کی ادائیگی بدن سے کی گئی ہو) اس کے بعد دعا مانگنا سنتِ ابراہیمی ہے: رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۔ وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِن ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ اَنتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۰

اے ہمارے رب! ہم سے قبول فرما بے شک تو ہی سنتا جانتا ہے۔ اے رب ہمارے اور ہمیں اپنے حضور گردن رکھنے والے بنا اور ہماری اولاد میں سے ایک امت تیری فرماں بردار، ہمیں ہماری عبادت کے قاعدے بتا اور ہم پر اپنی رحمت کے ساتھ رجوع فرما۔ بے شک تو ہی ہے بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

اور آپ کی دعا کے آخری الفاظ یہ تھے:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ اَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۰

اے ہمارے رب اور بھیج ان میں ایک رسول ان ہی میں سے کہ ان پر تیری آیتیں

تلاوت فرمائے اور انھیں تیری کتاب اور پختہ علم سکھائے اور انھیں خوب ستھرا فرمائے، بے شک تو ہی غالب حکمت والا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حکم کے موجب خانۂ کعبہ کی تعمیر کر دی اور اس بات کے خواہاں ہوئے کہ اللہ تعالیٰ اب تو ایک ایسی ہستی کو وجودِ عالم میں تخلیق فرما جو اس گھر کو قیامت تک کے لیے آباد کرنے کا سامان کر دے۔

خداوند مجیب الدعوات کے حضور آپ کی دعا ہدفِ اجابت کا سینہ چاک کر گئی اور پھر اللہ نے سینہ چاکانِ چمن سے سینہ چاکانِ چمن کا ملاپ کر دیا اور تمام رسولوں کے آخر میں اپنے محبوب ﷺ کی بعثت فرمائی، جنھوں نے لوگوں کو اسلام کی پاکیزہ ایجوکیشن سے روشناس کرایا اور قیامت تک کے لیے کعبۃ اللہ کو آباد کرنے کے سامان کر دیے۔ اسی کی گواہی کے لیے آنحضور ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے: اَنَا دَعْوَةُ اَبِی اِبْرَاھِیْمَ ۰ (تفسیر حسینی جلد اوّل)

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سپرد جس فرض کی ادائیگی ہوئی تھی، آپ نے اس سے فراغت حاصل کی اور فراغت کے بعد اپنے لگائے ہوئے پودے کی نشوونما کے لیے دعا مانگی۔ اس وقت اللہ نے ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر وحی نازل فرمائی، جس کا ذکر قرآن مجید کے سترہویں پارے کی سورۂ حج میں یوں ہے: وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ۰

اور لوگوں میں حج کی عام ندا کرو کہ وہ تیرے پاس حاضر ہوں۔ پیادہ اور ہر دُبلی اونٹنی پر کہ دور کی راہ سے آتی ہیں۔

اس امرِ الٰہی پر ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام عرض پیرا ہوئے: اے الٰہی! میری آواز تمام جہان والے کیونکر سماعت کر سکیں گے؟ حکم آیا: اے ابراہیم! ندا کرنا تیرا کام ہے اور تیری ندا کو سارے جہاں میں پہنچانا میرا کام ہے۔ اسی سچویشن پر ایک شاعر نے کہا تھا:

مالی دا کم پانی دینا بھر بھر مشکاں پاوے
خالق دا کم پھل پھُل لانا، لاوے یا نہ لاوے

حسب الحکم ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام ابوقبیس پہاڑ پر چڑھے اور ندا کی: یَا عِبَادَ اللہ

اَجِیۡبُوۡا دَاعِیَ اللّٰہِ وَ حُجُّوۡا بَیۡتَہٗ o اے بندگانِ خدا اس کے بلانے والے کو جواب دو، اس کے گھر کا حج کو۔

قدرتِ الٰہی ملاحظہ ہو کہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہونٹوں سے نکلی ہوئی صدا سارے عالم میں اس طرح گونجی کہ جو عالم بیداری میں تھا، اس نے بھی سنی اور جو حالت تنویم میں تھا، اس نے بھی سنی اور جو بھی اس دنیائے فانی میں نہیں آیا تھا اور شکم مادر یا پشتِ فادر میں تھا، اس نے بھی سنی۔ قسمت کے اچھے اور دھنی تھے وہ لوگ جنھوں نے اس آواز پر لبیک کہا۔ جس نے ایک دفعہ لبیک کہا، اس کے مقدر میں ایک مرتبہ حج کرنا لکھ دیا اور جس نے دو مرتبہ کہا، اس کے مقدر میں دو مرتبہ حج کرنا لکھ دیا گیا اور تین دفعہ کہنے والے کی قسمت میں تین بار حج لکھ دیا گیا اور نصیبوں کا ہارا، قسمت کا مارا جو خاموش رہا۔ عمر بھر کے لیے حج کی سعادت سے تہی دست کر دیا گیا۔ (نزہۃ المجالس، صفحہ:153، معارج النبوۃ و تفسیر حسینی)

کعبہ معظمہ زمانۂ جاہلیت میں

اللہ کے اس حکم کے بعد حج کرنا فرض قرار ہو گیا اور اس فرض کی ادائیگی لوگ ایک عرصہ تک کرتے رہے۔ پھر رفتہ رفتہ شیطانیت اپنا رنگ جمانے لگی۔ عرب و عجم جاہلیت کے زنداں میں محصور ہو گئے۔ کفر و عصیاں کی بجلیاں تڑپ تڑپ کر فلک پر کوندنے لگیں۔ نیکی بدیوں کے حصار میں بری طرح پامال ہو گئی۔ اخلاقی قدریں ناپید ہو گئیں۔ اللہ کی وحدانیت کا تصور مٹ گیا۔ خود تراشیدہ اور خود ساختہ خداؤں کی پرستش ہونے لگی۔ ہر گھر میں بتوں کی پرستش ہوتی۔ مزید برآں اللہ کے گھر میں تین سو ساٹھ بتوں کی پرستش بڑے زور اور جوش و خروش سے کی جاتی۔ ان کی ریشہ دوانیوں اور کارروائیوں سے کعبۃ اللہ تنگ آ گیا اور سراپا عجز بن کر اللہ سے عرض پیرا ہوا: اے مالک دو جہاں! میری تعمیر اس لیے کی گئی تھی کہ تیری عبادت ہو، لیکن صورت حال یہ ہے کہ ایک نہیں تین سو ساٹھ بتوں کی پرستش کی جا رہی ہے۔ یہ بت پرستی کا سلسلہ کب ختم ہوگا، کفر و شرک کا جام کب ٹوٹے گا۔ جاہلیت کا لبادہ کب چاک ہوگا اور شیطان سازندوں کے ساز کب دم توڑیں گے؟ کعبۃ اللہ کی اس آہ و فغاں کے جواب میں اللہ

نے فرمایا: اے بیت اللہ!

اک ذرا صبر کر کہ بیداد کے دن تھوڑے ہیں

اے بیت اللہ! اب بام و دو چار ہاتھ رہ گیا ہے۔ عن قریب میں نور محمد ﷺ کو دنیا میں مبعوث فرماؤں گا۔ جو تجھے بتوں کی نجاست سے پاک کر دے گا اور اس کی اُمت میں سے ایسے افراد پیدا کروں گا جو تیری طرف یوں دوڑ کر آئیں گے جیسے مادہ پرندہ اپنے انڈوں کی طرف دوڑتی ہے۔ (مدارج، جلد دوم، صفحہ:384)

بیت اللہ شریف سے کیا گیا وعدہ وفا کیا گیا۔ رحمت باری کو ترس آ گیا اور اس کائناتِ عالم میں محمد ﷺ کے نور کی بعثت فرمائی گئی۔ تاریکی و جہالت کے روز صبر سے تنویر و ضیا میں بدل گئے۔ اخلاقی اقدار پھر سے زندہ ہو گئیں۔ نسخۂ کیمیا از سر نو بلند ہوا۔ زنا، شراب نوشی، حرام خوری، سود خوری جیسی برائیاں ایک ایک کر کے مٹنے لگیں۔ جاہلیت کے اوراق خزاں دیدہ ایک ایک کر کے جھڑنے لگے، قیصر و کسریٰ کے محلات خزاں کی زد میں آئے پتے کی طرح کانپنے لگے، کفر اوندھے منہ سجدے میں گر پڑا۔

اس ساری حالت کو مختصر فقرے میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ محمد ﷺ نے آ کر اس ساری کائنات کی کایا پلٹ دی۔

منصبِ نبوت پر سرفراز ہوتے ہی محمد ﷺ نے قریش کو توحید اور رسالت کا درس دیا۔ بعض قریش نے اس درس پر لبیک کہا اور حلقہ بگوش اسلام ہو گئے، مگر قریش کی اکثریت اسلام سے بے گانہ رہی اور جارحانہ رہی۔ وقتاً فوقتاً حضرت محمد ﷺ اور آپ کے احباب کو قریش اذیتیں دیتے رہے۔ مظالم قریش سے تنگ آ کر اللہ کے حکم سے آپ ﷺ نے مکہ سے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی اور اپنے اصحاب کو بھی اس کا حکم دیا۔ مدینہ میں اسلام کو روز بروز ترقی ہوئی اور مدینہ میں کئی ایک معرکے ''بدر و حنین'' کے بعد اسلام کا ایک عظیم الشان لشکر تیار فرمایا گیا اور مکہ پر چڑھائی کی گئی۔ اس قدر عظیم الشان لشکرِ اسلام کو دیکھ کر قریش کے حوصلے پست ہو گئے اور مکہ معظمہ بآسانی فتح کر لیا گیا۔ بعد ازاں نبی کریم ﷺ کعبہ میں داخل ہوئے اور اس کو بتوں کی نجاست سے رہائی دلائی۔ آپ کے دست اقدس میں ایک لکڑی کی چھڑی

تھی۔ آپ اسے بت کی طرف اشارہ فرماتے اور زبانِ اقدس سے یہ الفاظ ادا کرتے:

جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقاً۔

اشارہ ہوتے ہی بت سرنگوں ہو کر آپ کے پاؤں مبارک میں گر پڑے۔ ایک روایت میں ہے کہ کچھ بت اونچی جگہ پر رہ گئے۔ حضرت علی نے عقیدت کے تقاضا کے پیشِ نظر عرض کیا: یارسول اللہ! آپ میرے کاندھوں پر سوار ہو جایئے اور بت توڑ ڈالیے۔ حضور ﷺ کے گلِ قدس کی پتیوں جیسے ہونٹوں پر تبسم ابھرا اور آپ نے فرمایا: اے علی! تجھ میں اس قدر تاب ومجال نہیں کہ تو نبوت کا گراں بار اُٹھا سکے۔ ہاں البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ تو میرے کاندھوں پر سوار ہو جا اور بت اُتار دے۔ چنانچہ ارشاد کی تکمیل کی گئی اور حضرت علی نے آپ ﷺ کے کاندھوں پر سوار ہو کر بت توڑ ڈالے۔ ایک روایت ہے کہ جس وقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ، آنحضور ﷺ کے کاندھوں پر سوار تھے تو ایسے میں آنحضور ﷺ نے پوچھا: اے علی! کیا حال ہے؟ عرض کیا۔ یارسول اللہ! اس وقت میری نگاہوں سے تمام حجابات اُٹھ چکے ہیں اور عرشِ خدا کو اپنے سر کے بالکل قریب محسوس کر رہا ہوں اور اگر میں اپنا بازو دراز کروں تو عرش اللہ کو چھولوں۔

سبحان اللہ! کیا شانِ مصطفائی ہے کہ عرشِ الٰہی آپ کے سر کے بہت قریب ہے، اس قدر قریب کہ آپ کے کاندھوں پر کھڑے ہو کر عرشِ الٰہی چھوا جا سکتا ہے۔

جب حضرت علی بت شکنی سے فارغ ہوئے تو پاسِ ادب کرتے ہوئے آپ کے کاندھوں سے چھلانگ لگا کر زمین پر اُترے اور زمین پر اُترنے کے بعد حضرت علی کے ہونٹوں پر تبسم کی لکیر نمودار ہوئی۔ آنحضور ﷺ نے اس کا سبب دریافت فرمایا۔ عرض کیا: یارسول اللہ! میں نے بلندی سے زمین پر چھلانگ لگائی، مگر مجھے چوٹ نہیں آئی۔ بس اسی بات پر مسکرایا تھا۔ آنحضور ﷺ متبسم ہوئے اور فرمایا: پیارے علی! جس کو محمد ﷺ اٹھائیں اور جبریل امین اُتار دیں، اُس کو بھلا چوٹ کیسے لگ سکتی ہے؟ (مدارج النبوۃ، جلد دوم، صفحہ:350)

حضرت علی کے ہاتھوں بت شکنی کی وجہ

آنحضور ﷺ نے اپنے ہاتھوں سے بت نہیں توڑے بلکہ حضرت علی کو اس کام پر مامور کیا، کیوں؟ مفسرین نے اس کی حکمت یہ بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ بت پرستوں کو وارننگ دیتے ہوئے فرماتا ہے: اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ۔ تم اور تمہارے بت (معبود) سب دوزخ کا ایندھن بنیں گے۔

اس سے پتہ چلا، یہ حقیقت آشکار ہوئی کہ روزِ محشر بت دوزخ میں جلائے جائیں گے۔ اگر آنحضور ﷺ اپنے دستِ اقدس سے بت اُتارتے تو بت دوزخ میں جلنے سے نجات پاجاتے، کیونکہ جس کو آنحضور ﷺ کا ہاتھ یا جسم لگ جائے، اسے دوزخ کی آگ نہیں جلا سکتی۔ پس اس سبب سے آنحضور ﷺ نے بت شکنی کے واسطے حضرت علی شیر خدا کو مقرر فرمایا۔

مندرجہ بالا واقعہ سے اس امر سے آگاہی ہوتی ہے کہ خوش نصیب ہے وہ جس کو آپ ﷺ کا دستِ اقدس چھو گیا، کیونکہ پھر اس کو دوزخ کی آگ سے رہائی مل گئی۔

ایک روز آنحضور ﷺ اپنی لختِ جگر فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر تشریف فرما ہوئے۔ حضرت علی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس وقت تنور میں روٹیاں لگا رہی تھیں۔ گرمی کی وجہ سے آپ کا چہرہ پسینے سے تر تھا۔ سرکارِ دوعالم ﷺ نے ملاحظہ فرمایا کہ تنور کی گرمی حضرت فاطمہ کو لگ رہی ہے۔ پدرانہ شفقت کا اظہار فرماتے ہوئے چند روٹیاں اپنے ہاتھ سے تنور میں لگائیں۔ تھوڑی دیر بعد خاتونِ جنت نے دیکھا کہ سرکار کے ہاتھ کی لگائی ہوئی روٹیاں کچی ہیں اور ان پر آتشِ تنور اثر انداز نہیں ہو رہی ہے۔ حیران ہوئیں اور یہ ماجرا خدمتِ اقدس میں بیان کر دیا۔ آپ نے فرمایا، لختِ جگر روٹیوں کا کچا رہنا اور آگ کا اثر نہ کرنا کوئی حیرانی کی بات نہیں، کیونکہ روٹیوں کو میرا دستِ اقدس لگ گیا ہے اور جس شے کو میرا دستِ اقدس لگ جائے، تنور کی گرمی اور آگ تو ایک طرف رہی، اسے تو دوزخ کی آگ بھی نہیں جلا سکتی۔ (مدارج النبوۃ، جلد دوم، صفحہ:385)

مقامِ فکر

میرے مسلمان بھائیو! یہاں پر غور اور سوچنے کا مقام ہے کہ اگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے دست اقدس بتوں کو چھو جائے تو وہ بت دوزخ کی آگ سے رہائی پا جاتے اور اگر آٹے سے چھو گئے تو تنور کی آگ اثر نہ کر سکی تو پھر جس صدیق و فاروق اور عثمان کے جسموں سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا جسم اطہر مس ہوتا رہا ہو، ان پر کسی قسم کی آگ کس طرح اثر انداز ہو سکتی ہے۔ ان واقعات میں نادان لوگوں کے لیے کھلی نشانیاں ہیں: فَاعْتَبِرُوْا یَآ اُولِی الْاَلْبَابِ۔

کلیدِ کعبہ

مکہ معظمہ کی فتح اور کعبہ معظمہ کی پاکیزگی نفاست کے بعد آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے کعبہ شریف کی کنجی برادر عثمان بن طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر طلب کی۔ اس وقت کنجی ان کی والدہ کے پاس تھی، جن کا نام سلاقہ تھا اور وہ سعد کی بیٹی تھی۔ عثمان اپنی والدہ کے پاس گئے اور کنجی طلب کی۔ اس نے کنجی دینے سے انکار کیا۔ عثمان نے کہا: والدہ کنجی دے دو، ورنہ قتل کر دوں گا۔ ماں ڈر گئی اور کنجی دے دی اور عثمان کنجی لے کر سرکار مدینہ کے پاس چلے گئے۔

سبحان اللہ! ایک وقت وہ بھی تھا جب آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے چابی اسی عثمان سے مانگی تو وہ آپ سے سختی کلامی سے پیش آیا اور کہا تھا کہ کنجی نہیں دوں گا۔ سرکار دو عالم نے فرمایا تھا: اے عثمان! دیکھ لینا ایک روز یہی کنجی میرے پاس ہوگی اور پھر میں اپنی مرضی سے جس کو چاہوں دے دوں گا۔

سبحان اللہ! آج وہی عثمان مجبور و بے بس ہے اور کنجیو دہی سرکار دو عالم کے حوالے کر رہا ہے۔ جب عثمان کنجی واپس لینے لگتا ہے تو اس کو آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد یاد آ گیا کہ عثمان ایک دن یہی کنجی میرے ہاتھ میں ہوگی۔ فوراً اس نے کلمہ پڑھا اور حلقہ بگوشِ اسلام ہو گیا۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم از روئے شفقت کنجی واپس عثمان کو دیتے ہیں اور فرماتے ہیں: عثمان! کنجی لے لو، اب قیامت تک تمہارے خاندان سے کوئی کنجی نہ لے گا۔ (مدارج النبوۃ، جلد دوم، صفحہ: ۳۸۶)

□□□

بیسواں وعظ

بیت اللہ شریف کی عظمت وفضیلت

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ ۝ فِیْہِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰھِیْمَ ۝ وَمَنْ دَخَلَہٗ کَانَ اٰمِنًا وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا وَمَنْ کَفَرَ فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ ۝

(سورۂ آل عمران)

ترجمہ: بے شک لوگوں کی عبادت کے لیے سب سے پہلا مقرر ہونے والا گھر وہ برکت والا ہے جو مکہ میں ہے سارے جہاں کا رہنما۔ اس میں کھلی نشانیاں ہیں، ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ۔ اس میں داخل ہونے والا امان پائے اور اللہ کی خوشنودی کے لیے لوگوں پر فرض ہے کہ بیت اللہ کا حج کریں جو اس کی راہ میں استطاعت رکھتے ہوں اور جو انکار کرے تو اللہ سارے جہانوں سے بے نیاز ہے۔

قارئین گرامی! اس سے قبل وعظ میں اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ ۝ کی قدرے تفصیل بیان کی جا چکی ہے۔ اب ضروری محسوس ہوتا ہے کہ اس کے آگے کی بھی ذرا تفصیل ہو جائے، کیونکہ ہمارا عنوان بھی اسی کے متعلق ہے۔ آگے ارشاد ہے:

مبارک، برکت والا کعبہ معظمہ برکت والا، اس کے بابرکت ہونے کے بارے میں تفسیر حسینی، جلد اوّل میں مرقوم ہے کہ اس کی طرف پاک نظر سے دیکھنا اس قدر ثواب واجر کا حامل ہے، جتنا کہ مکہ کے باہر سال بھر کی عبادت کا ثواب ہوتا ہے، یعنی مکہ کے باہر سال بھر کی عبادت کا ثواب اور مکہ کی جانب ایک نظر دیکھنے کا ثواب برابر ہے۔ جس نے ایک نظر کعبہ پر ڈال لی، گویا اس نے ایک سال کی عبادت کا ثواب حاصل کر لیا۔

نزہۃ المجالس، صفحہ:152 پر حضرت مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول منقول ہے کہ: مَنْ نَظَرَ اِلَى الْكَعْبَةِ اِيْمَانًا وَّ تَصْدِيْقًا خَرَجَ مِنَ الْخَطَايَا كَيَوْمٍ وَلَدَتْهُ اُمُّهٗ۔

جو کوئی ایمان اور قلبی تصدیق سے کعبہ معظّمہ کا دیدار کرے، گناہوں سے یوں پاک ہو جاتا ہے جیسے ابھی ماں کے پیٹ سے تولّد ہوا ہو۔

کعبہ معظّمہ بڑی برکت کا حامل ہے، اس قدر بابرکت کہ ہر روز اللہ تعالیٰ اس پر ایک سو بیس رحمتوں کا نزول فرماتا ہے۔ ایک سو بیس رحمتوں میں سے چالیس رحمتیں کعبہ کے نمازیوں کے واسطے اور ساٹھ رحمتیں کعبہ شریف کے طواف کرنے والوں کے لیے ہوتی ہیں۔ جہاں اس قدر رحمتوں کا نزول ہو، اس جگہ کی بابرکتی کے بارے میں کیا شک وشبہ ہو سکتا ہے۔

مندرجہ بالا تفصیل نزہۃ المجالس، صفحہ:152 پر مرقوم ہے، اس کے علاوہ کشف الغمہ، صفحہ نمبر ۲۱۴ پر بھی مرقوم ہے۔ اس طرح زواجر، جلد اوّل، صفحہ:165 پر کچھ یوں تحریر ہے کہ جس شخص کو اس بات کی سعادت حاصل ہو کہ وہ مکہ معظّمہ میں ایک ماہ رمضان کے روزے رکھے، اس کو ایک لاکھ روزوں کا ثواب ملتا ہے۔

'مبارکاً' کی اس تفصیل کے بعد آگے کی تفصیل بیان کی جاتی ہے۔

آگے ارشاد ہے: وَهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ سارے جہانوں کی رہنمائی کرنے والا۔

جس وقت مسلمان نماز ادا کرتا ہے تو اس وقت قبلہ ان کی رہنمائی کرتا ہے۔ علاوہ ازیں اس لحاظ سے بھی رہنمائی کرتا ہے: اے اہلِ ایمان! اگر میری طرف منہ کرو گے تو بہشت میں جاؤ گے۔ میری طرف منہ کرنے سے تم جنت کے حقدار بن جاؤ گے۔ (تفسیر حسینی)

لِلْعٰلَمِيْنَ۔ سارے عالموں کے لیے یہ لفظ اس بات کی دلالت کرتا ہے کہ کعبہ معظّمہ صرف انسانوں کے لیے ہی نہیں، بلکہ تمام مخلوقات کے لیے رہنما ہے۔ اسی سبب سے اشجار بھی اسی کی جانب سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ اگر صرف انسانوں کے لیے رہنما ہوتا تو پھر لِلْعٰلَمِيْنَ کی بجائے **النّاس** کا لفظ استعمال کیا جاتا۔ (تفسیر صاوی زیر آیت بالا)

اس کے آگے ارشاد ہوتا ہے: فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ۔

یہ بیت اللہ شریف کھلی اور واضح نشانیاں لیے ہوئے ہے۔ اس میں صاف اور کھلی

نشانیاں ہیں جو اللہ کی وحدانیت اور محمد ﷺ کی رسالت پر اور اسلام کی حقانیت پر واضح طور پر دلالت کرتی ہے۔ ان آیتوں میں سے ایک آیت وہ مقام ہے جو ایک پتھر کی صورت میں ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدموں کے نشانات لیے ہوئے ہے۔ اس مقام ابراہیم میں بھی بہت سی نشانیاں ہیں۔ یہ مقام ابراہیم غور و فکر کی دعوت دیتا ہے کہ میں ایک پتھر ہوں مگر اس کے باوجود مجھ پر حضرت ابراہیم کے قدم مبارک کا نشان پڑ گیا۔

1. حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے دور کو گزرے ایک طویل عرصہ گزرا، مگر اس کے باوجود نشانات باقی ہیں۔
2. ابراہیم کے زمانے سے لے کر آج تک ان گنت ہاتھ اس سے مس ہوئے، مگر اس کے باوجود یہ نشانات باقی ہیں۔
3. دشمنوں کی کثیر تعداد ہونے کے باوجود وہ نشانات پتھر پر ثبت ہیں اور ان شاء اللہ قیامت تک وہ نشان پائے ابراہیم خلیل اللہ اس پتھر پر موجود رہیں گے۔ (خزائن العرفان)

سبحان اللہ! مقام ابراہیم میں چونکہ خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پائے مبارک کے نشان ثبت ہیں، اس لیے ان نشانات کی عزت و توقیر کے واسطے حکم ہوتا ہے: وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِيْمَ مُصَلًّى۔ مقام ابراہیم یعنی خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدموں کے نشانات پر نماز کی ادائیگی کرو۔ اس حکم الٰہی سے یہ امر واشگاف ہوتا ہے کہ جس جگہ پر محبوبانِ خدا اپنے قدم رکھ دیں، وہ جگہ بندگان خدا کے لیے سجدہ گاہ کا درجہ حاصل کرتی ہے۔

وَمَنْ دَخَلَهٗ اٰمِنًا، جو اس میں داخل ہوا امن پاوے۔ کوئی شخص بڑے سے بڑا جرم کر کے حرم کعبہ میں داخل ہو جائے تو اس شخص سے بدلہ نہیں لے سکتا۔ جب ہمارے پیارے رسول ﷺ نے مکہ فتح فرمایا تو اعلان کیا کہ جو شخص کعبہ معظّمہ میں داخل ہو جائے یعنی اس میں پناہ لے تو اسے کچھ نہ کہا جائے۔ اس طرح انسانوں کے علاوہ یہ رعایت جانوروں کے لیے بھی ہے کہ جو ہرن، خرگوش وغیرہ حرم میں داخل ہو جائے، اس کا شکار ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ جو ہرن یا خرگوش خارج از حرم ہو اور شیر یا بھیڑیا اس کا پیچھا کر رہے ہوں اور وہ

شکار بھاگ کر حرم میں داخل ہو جائے تو شیر اور بھیڑیا بھی اس کا پیچھا چھوڑ دیتے ہیں، کیونکہ اب وہ امن کے مقام میں آ گیا ہے۔ یہاں دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت کو دم مارنے کی تاب ومجال نہیں۔

اس طرح جو سعادت مند مسلمان کعبہ معظمہ میں اپنی جان جانِ آفرین کے سپرد کر دے تو وہ عذابِ قبر اور عذابِ جہنم سے آزاد ہو جاتا ہے۔

فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فرمایا گیا بیت اللہ میں بہت سی نشانیاں ہیں، مگر ان نشانیوں میں سے صرف دو نشانیوں کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔ بعض مفسرین نے چند نشانیاں بیان فرمائی ہیں:

1- کعبہ شریف کا احترام وادب کرتے ہوئے پرندے کعبہ شریف پر نہیں بیٹھتے۔
2- پرندے کعبہ شریف کے اوپر پرواز نہیں کرتے بلکہ جو پرندہ اُڑتا ہوا کعبہ شریف کے بالمقابل آئے تو اپنی راہ بدل لیتا ہے۔
3- ہوائے کعبہ معظّمہ بیماروں کے لیے شفا کی تاثیر رکھتی ہے، کیونکہ جب کوئی پرندہ بیمار ہو جاتا ہے تو علاج کے لیے ہوائے کعبہ سے گزرتا ہے اور شفا حاصل کرتا ہے۔
4- سارے عالم کے مسلمانوں کے دل کعبہ کی طرف کشش ہوتے ہیں۔
5- کعبہ شریف کی جانب دیکھنے سے آنکھوں سے اشکوں کی روانی جاری ہو جاتی ہے۔
6- ہر جمعہ کی شب کو اولیاء اللہ کی ارواح کعبہ معظّمہ کے گرد حاضری دیتی ہیں۔
7- جو شخص کعبہ کی بے حرمتی کا قصد کرے گا، تباہی وبربادی اس کا مقدر بن جائے گی۔

(تفسیر حسینی جلالین)

آبِ زمزم کی برکت

کعبہ معظّمہ کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ وہاں آبِ زمزم ہے، جس کا ذائقہ مختلف اوقات میں تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ اس کے ذائقے میں کبھی عمدگی ہوتی ہے اور کبھی مٹھاس، کبھی یہ دودھ کی طرح ہوتا ہے اور کبھی اس میں شہد کا ذائقہ ہوتا ہے۔

حکایت: نزہۃ المجالس، جلد اوّل، صفحہ: 152 پر ایک حکایت یوں مرقوم ہے کہ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ ایک شخص زمزم کے پانی سے اپنی تشنگی مٹا رہا تھا۔ اس سے مانگ کر میں نے پیا۔ اس کا ذائقہ شہد کی مٹھاس لیے ہوئے تھا۔ جب دوسرے دن پانی پیا تو ایسے لگا کہ دودھ پی رہا ہوں، تیسرے دن پیا تو اس پانی کا ذائقہ عمدہ پانی کی طرح تھا۔

نزہۃ المجالس کے اسی صفحہ پر درج ہے کہ حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے آبِ زمزم نوش جاں فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اس کو قیامت کی پیاس کے لیے پیتا ہوں۔ (کشف الغمہ، جلد اوّل، صفحہ: 229)

زمزم کا پانی بھوکوں کی بھوک اور بیماروں کی شفا ہے۔ ایک مرتبہ پیارے رسول ﷺ نے آبِ زمزم کے بارے میں ارشاد فرمایا: اِنَّهٗ طَعَامُ طُعْمٍ وَّشِفَاءُ سُقْمٍ۔

بے شک زمزم کا پانی بھوکے کے لیے کھانا اور بیمار کے لیے شفائے کامل ہے۔

(صحیح مسلم، نزہۃ المجالس، صفحہ: 152)

تحفۂ زمزم

کشف الغمہ، صفحہ: 229 پر درج ہے کہ حضرت صدیقہ بنت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما حج سے واپسی کے وقت زمزم کا پانی اپنے ساتھ لے جایا کرتی تھی اور فرمایا کرتیں کہ آنحضور ﷺ بھی اس کو اپنے ساتھ لے جایا کرتے تھے۔

اس لیے مستحسن اور احسن طریقہ یہ ہے کہ حج کے مناسک کی ادائیگی کے بعد آبِ زمزم اپنے ہمراہ لے آئے اور اپنے وطن پہنچ کر اپنے اہل وعیال اور دوست واحباب کو بطور گفٹ دے۔ اس طرح ہر شخص آپ کا ممنون ہوگا۔ قارئین گرامی! اس کے ساتھ ہی وعظ ختم کرنے کی اجازت دیں۔

□□□

تینتیسواں وعظ

فرضیتِ حج

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا وَمَنْ کَفَرَ فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ ۝ (سورۂ آل عمران)

ترجمہ: اللہ کی خوشنودی کے لیے لوگوں پر فرض ہے کہ وہ بیت اللہ کا حج کریں جو صاحب استطاعت ہو اور جو انکار کرے تو اللہ سارے جہان سے بے نیاز ہے۔

اسلام کے ارکانِ خمسہ میں سے کوئی ایک رکن بھی ایسا نہیں جو انسانی فلاح و بہبود سے خالی ہو۔ اوّل نماز، اس کے کئی فائدے ہیں۔ مثلاً وقت کی پابندی، صحت کا خیال، بندے اور خالق کے درمیان رابطہ اور گناہوں سے آزادی، بے حیائی اور بُرے کاموں سے گریز، مساوات، اخوت، پاکیزگی، عجز و انکساری کا پیدا ہونا، یہ سب نماز کے فوائد میں شامل ہیں۔ دوسرے روزہ، اس کے بھی کئی فائدے ہیں۔ مثلاً فاسد مادّوں سے بچاؤ، ہمدردی کا جذبہ، قوتِ برداشت، نفسانی خواہشوں پر کنٹرول اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آخرت میں اجرِ عظیم سے نوازا جانا، یہ سب روزہ کے فوائد میں شامل ہیں۔

تیسرے نمبر پر زکوٰۃ ہے۔ یہ ایک مالی عبادت ہے۔ اس سے انسان کی دولت اور خود انسان پاکیزہ ہو جاتا ہے۔ دولت کی تقسیم سے معاشرے میں ہم آہنگی اور توازن پیدا ہوتا ہے۔ زکوٰۃ کے بعد اسلام کا آخری فریضۂ عبادت حج ہے۔ حج سے مراد حج کے دنوں میں مجوزہ مقامات پر مناسک حج ادا کرنا ہے، جس طرح نماز عاقل، بالغ اور جوان پر فرض اور جس طرح زکوٰۃ صرف حقدار لوگوں کو ہی دینا فرض ہے، اس طرح حج بھی مجوزہ مقام پر ادا کرنا فرض ہے۔ یعنی حج کا فریضہ بھی مجوزہ مقام پر ادا کیا جاسکتا ہے۔ نہیں ایسا نہیں، یہ نہیں ہوسکتا

کہ ہم ممبئی سے دہلی تک سفر کریں اور وہاں کی جامع مسجد میں حج ادا کر آئیں، نہیں ایسا نہیں۔ حج کی ادائیگی کے لیے ایک مقام مکہ مکرمہ میں خانۂ کعبہ ہے۔ خانۂ کعبہ کے علاوہ حج کی ادائیگی دیگر کسی جگہ نہیں ہوسکتی۔ خانۂ کعبہ منبع عرفان و خزائن ہے، اس لیے حج کی ادائیگی کے واسطے اس کو تجویز فرمایا گیا، تاکہ لوگ اس کی زیارت کا شرف حاصل کر کے دینی و دنیاوی فائدوں سے مالا مال ہوں۔ اللہ کریم نے فرمایا:

وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا ۝

اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کا ایک طریقہ مندرجہ بالا آیت مقدسہ کے الفاظ میں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ کے گھر کا حج کیا جائے۔

مندرجہ بالا آیت مقدسہ کے الفاظ اور مفہوم پر اگر ذرا سا غور کریں تو پتہ چلتا ہے کہ اس میں دو باتوں کی وضاحت ہے: پہلی بات جو اس آیت مقدسہ کے مفہوم سے واضح ہے، وہ یہ کہ لوگوں پر حج فرض کیا گیا ہے۔ دوسری بات یہ کہ حج اللہ کے گھر کا فرض کیا گیا ہے نہ کہ کسی اور جگہ کا۔ پس ثبوت کی تکمیل ہوئی کہ صرف اور صرف اللہ کے گھر یعنی خانہ کعبہ میں ہی ادا کیا جاسکتا ہے۔

حج کس پر فرض ہے

اس بات میں کلام نہیں رہا کہ حج فرض ہے، لیکن اس بات کی وضاحت ابھی باقی ہے کہ کس پر حج فرض ہے؟ بچے، بوڑھے، جوان، عاقل، بالغ، مرد اور خاتون، امیر ہو کہ غریب، کیا سب پر حج کی ادائیگی فرض ہے؟ نہیں۔ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا۔ خالقِ رنگ و بو نے وضاحت فرمائی کہ حج سب پر فرض نہیں ہے بلکہ صرف ان عاقل اور بالغ افراد پر فرض ہے جو استطاعت رکھتے ہوں اور جو صاحبِ مال و زر ہوں۔

حج کے لیے دور دراز کا سفر کرنا پڑتا ہے۔ جس کو پیدل طے کرنا ایک امپاسبل و ناممکن سی بات ہے۔ اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ حج کے لیے سواری کی ضرورت ہے۔ اگر سواری اپنی نہیں تو پھر سواری کا کرایہ ہو۔ دوسری بات یہ کہ کھانے پینے کا سامان ہو، یا اس قدر روپیہ ہو کہ

سامان خرید سکے۔ پیٹ ہر حال میں پالنا ہے اور یہ نہیں کہ بھیک مانگ کر پیٹ بھرا جائے۔ کیونکہ بھیک مانگنا اسلام میں منع ہے۔ گویا حج کی ادائیگی کے لیے زادِ راہ اور روپیہ کا ہونا ازحد ضروری ہے۔ ادائیگی حج کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اپنے اہل وعیال کے لیے اس قدر روپیہ چھوڑنا چاہیے کہ واپس آنے تک اس کے اہل وعیال اپنے کنبے کی کفالت کر سکیں۔ ادائیگی حج کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ راستہ محفوظ ہو۔ حج کے لیے عاقل، بالغ اور مکمل و کامل طور پر فزیکل اور مینٹل طور پر درست ہو۔

اسلام نے ہر عبادت میں مسلمانوں کے لیے قدم قدم پر بڑی سہولتیں رکھی ہیں۔ اگر کوئی شخص صاحبِ مال و زر ہو، لیکن اس کا دماغی توازن درست نہ ہو تو اسے حج سے رخصت ہے اور اس طرح مجنوں، نابالغ اور مفلس پر حج فرض نہیں۔ نیز سخت بیمار شخص کو بھی حج سے رخصت ہے۔ اگر راستے میں چوروں اور ڈاکوؤں کا ڈر ہو، یا راستے میں گہری گہری کھائیاں ہوں یا اور کسی بھی وجہ سے راستہ محفوظ نہ ہو تو ایسی حالت میں بھی حج سے رخصت ہے۔ ان سب صورتوں کے علاوہ اگر حکومتِ وقت حج کی اجازت نہ دے، تو بھی حج سے رخصت ہے۔

افضلیتِ حج

ہر صاحبِ استطاعت مسلمان شخص پر اللہ کی خوشنودی کے لیے حج فرض ہے۔ حج کرنے سے سابقہ تمام گناہوں کی مغفرت ہو جاتی ہے۔ مشکوٰۃ، صفحہ:221 پر ہمارے پیارے رسول ﷺ کا ارشادِ گرامی درج ہے:

مَنْ حَجَّ لِلّٰهِ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ اُمُّهٗ۔ (متفق علیہ)

جس نے اللہ کے لیے حج کیا اور فحش گوئی اور گناہ نہیں کیا، جب لوٹے گا تو اس دن کی طرح ہوگا جس میں اس کی ماں نے اس کو جنم دیا۔

مندرجہ بالا حدیث مبارکہ میں اس بات کی خوش خبری ہے کہ ادائیگی حج اور حج کے دنوں میں گناہوں سے اگر باز آ جائے تو خداوند کریم اس کے سابقہ گناہ اس طرح معاف کر دیتا ہے، جیسے اس نے ابھی کوئی گناہ نہ کیا ہو اور ابھی ابھی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہو۔

زواجر، جلد اوّل، صفحہ:166 پر حضرت محمد ﷺ کا ارشاد درج ہے کہ آپ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرماتے ہیں کہ حج سے گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔

اَمَا عَلِمْتَ يَا عُمَرُ اَنَّ الْاِسْلَامَ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهٗ وَاَنَّ الْهِجْرَةَ تَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهَا وَاَنَّ الْحَجَّ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهٗ۔

اے عمر! کیا تو نہیں جانتا کہ اسلام پہلے گناہوں کو گرا دیتا ہے اور ہجرت سے قبل کے گناہ مٹا دیتی ہے اور بے شک حج سابقہ گناہوں کو گرا دیتا ہے۔

بیان کی گئی مندرجہ بالا حدیث اقدس تین باتوں کی وضاحت فرماتی ہے: یہ کہ اگر کوئی غیر مذہب اسلام قبول کرے تو اس کے زمانۂ کفر کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ دوئم یہ کہ راہِ خدا میں ہجرت کرنے سے پہلے کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور حج کرنے سے بھی پہلی تمام عمر کے گناہوں کی بخشش ہو جاتی ہے۔ اس حدیث میں جو لفظ بیان کیے گئے ہیں، یہ ہے کہ ہجرت اور حج دونوں سے گناہوں کی بخشش ہو جاتی ہے اور حج کرنے والا اللہ کی راہ میں عارضی طور پر اپنا بار اور اہل وعیال چھوڑ کر دور دراز کا سفر کرتا ہے اور پھر حج کرتا ہے۔ گویا حج بھی کرتا ہے اور ہجرت بھی اور اہلِ اسلام بھی ہوتا ہے۔ اسلام ہجرت اور حج تینوں گناہ سابقہ کو ختم کر دیتے ہیں۔ اگر بیک وقت تینوں کام انجام دیے جائیں تو پھر یقینی بات ہے کہ گناہوں سے مغفرت ضرور ہو جائے گی۔

کشف الغمہ، جلد اوّل، صفحہ:214 پر بھی حج کی فضیلت کے بارے میں ایک حدیث اقدس یوں درج ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ اَلْحَجُّ يَغْسِلُ الذُّنُوْبَ كَمَا يَغْسِلُ الْمَآءُ الدَّرَنَ۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حج گناہوں کو یوں دھو ڈالتا ہے جیسے پانی میل کو۔

حاجی کی مغفرت کے بارے میں مشکوٰۃ، صفحہ:223 کی یہ حدیث مبارک ملاحظہ فرمائیں:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا لَقِيْتَ الْحَاجَّ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ وَصَافِحْهُ وَمُرْهُ اَنْ يَّسْتَغْفِرَلَكَ قَبْلَ اَنْ يَّدْخُلَ بَيْتَهٗ

فَاِنَّهٗ مَغْفُوْرٌ لَهٗ (رواہ احمد)

ابن عمر روایت کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ جب تو حاجی سے ملے تو اس کو سلام کرو، اس سے مصافحہ کرو اور اس سے کہو کہ اپنے گھر میں داخل ہونے سے قبل تیرے لیے استغفار کرے، کیونکہ وہ بخشا ہوا ہے۔

اسی طرح مشکوٰۃ، صفحہ: 221 کی یہ حدیث مبارک جس کو ابو ہریرہ نے روایت کیا ہے، ملاحظہ ہو۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْعُمْرَةُ اِلَى الْعُمْرَةِ كَفَّارَةٌ لِّمَا بَيْنَهُمَا وَالْحَجُّ الْمَبْرُوْرُ لَيْسَ لَهٗ جَزَآءٌ اِلَّا الْجَنَّةُ (متفق علیہ)

حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک عمرہ دوسرے عمرہ کے درمیان گناہ کو مٹا دیتا ہے اور حج مقبول کی جزا صرف جنت ہے۔

بیان کی گئی مندرجہ بالا احادیث مقدسہ اس بات کی غماز ہیں کہ حج کرنے سے انسان گناہوں سے اس طرح پاکیزگی حاصل کر لیتا ہے جیسے ابھی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہو اور جس شخص کا حج قبول ہو جائے، اس کے لیے جنت واجب ہو جاتی ہے۔

برادرانِ اسلام! انسان کا دامن طرح طرح کے گناہوں کی گندگی سے آلودہ ہوتا ہے، مگر جب انسان حج کرتا ہے تو اس کے تمام گناہ بندروں اور سؤروں کی شکل میں اس کے دامن سے جدا ہو جاتے ہیں۔ (نزہۃ المجالس، جلد اوّل، صفحہ: 151)

حکایت: ایک مرتبہ فصلِ حج میں حج کی ادائیگی سے فراغت کے بعد ایک بزرگ واپس حج سے تشریف لا رہے تھے۔ میدانِ عرفات سے میدانِ مزدلفہ پہنچے تو اچانک ان کو خیال آیا کہ وہ اپنے روپیوں کی ایک تھیلی عرفات میں بھول آئے ہیں۔ روپے بڑی ضروری شے ہوتے ہیں۔ اس کے بغیر چارہ ممکن نہیں۔ وہ بزرگ روپیوں کی تھیلی حاصل کرنے کی غرض سے دوبارہ میدانِ عرفات کی جانب عازم سفر ہوا۔ جس وقت وہ وہاں پہنچے تو بحرِ حیرت میں غوطہ زن ہو گئے، کیونکہ میدانِ عرفات میں بندروں اور سؤروں کی اس تعداد کثیر کو دیکھ کر وہ بزرگ خوف زدہ ہو گئے۔ ان کی یہ حالت بندروں اور سؤروں نے محسوس کی۔ ان کا خوف

دور کرنے کے لیے ایک بندر اُن سے گویا ہوا: اے بزرگ! گھبرانے کی چنداں ضرورت نہیں۔ ہم حجاج کے دامنِ گناہ کی آلودگی ہیں، جس کو وہ یہاں چھوڑ گئے ہیں اور خود پاکیزہ و صاف ہو کر اپنی منزلوں کی جانب روانہ ہو گئے ہیں۔ اس بزرگ نے اپنی روپیوں کی تھیلی کو تلاش کیا اور اسے اُٹھا کر عالمِ حیرانی میں سوئے منزل واپس ہوئے۔ (نزہۃ المجالس، صفحہ: 151)

حکایت: ابن الموفق رحمۃ اللہ علیہ ایک برگزیدہ بندے تھے۔ خداوند عظیم کی خاص عنایت کا محور تھے۔ انھوں نے اللہ کے فضل سے پچاس سے زائد حج ادا کیے۔ اپنے آخری حج میں جب انھوں نے دیگر ہزارہا پرستارانِ توحید کے ساتھ میدانِ عرفات میں حاضری دی تو اپنے دستِ اقدس اوپر اٹھائے اور دعا کی: اے احکم الحاکمین! پرستارانِ توحید کی اس محفل میں اگر کوئی ایسا بے کس توحید موجود ہے، جس کا حج تیری بارگاہ میں قبولیت کے شرف سے محروم رہ گیا ہو تو ایسے شخص کو میں اپنا حج بخشتا ہوں۔ میدانِ عرفات کے مقام کے بعد جب مزدلفہ میں آئے اور شبِ خوابی کے لیے محوِ خواب ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے خواب میں اپنی نورانی تجلیات سے ان کو سرفراز فرمایا اور کہا: اے ابن الموفق! میں نے میدانِ عرفات کے تمام ساکنین کی مغفرت فرما دی، یہی نہیں بلکہ جس کے لیے وہ مغفرت کی سفارش کریں گے، میں اس کی بھی مغفرت فرما کر اسے پروانۂ جنت اور جہنم سے آزادی دے دوں گا۔ (نزہۃ المجالس، صفحہ: 152)

اس حکایت کے بعد حج کی فضیلت کے بارے میں اس کے اگلے صفحہ پر ایک اور حکایت درج ہے:

کعبہ معظّمہ سارے جہانوں کے لیے باعث برکت و رحمت ہے۔ ایک مرتبہ کعبہ معظّمہ کے دل میں سرکارِ مدینہ تاجدار دو جہاں حضرت محمد ﷺ کے روضۂ اطہر و اقدس کی زیارت کی آتش شوق بھڑکی۔ وصالِ محبوب کی تمنا دل میں جاگی، قدم بوسی محبوب کے لیے بے قراریوں نے تڑپایا اور کعبہ معظّمہ بصد عجز و انکساری اللہ کے حضور گڑگڑایا اور عرض پیرا ہوا کہ رب العالمین! تو مجھے روضۂ محبوب کی زیارت کرنے کی اجازت عنایت فرما۔ تاکہ میرے دل کی بے قراریوں کو چین آ جائے۔ بارگاہِ خداوندی میں کعبہ معظّمہ کی گڑگڑاہٹ قبول ہوئی۔

اور کعبہ معظّمہ کو روضۂ محبوب کی زیارت کی اجازت مل گئی۔ اس کی آسودگی جاں کے سامان ہو گئے اور وہ کشاں کشاں روضۂ محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کے لیے حاضر ہوا۔ زیارت سے سرفراز ہوا اور محبوبِ کائنات کی خدمت میں عرض پیرا ہوا: یارسول اللہ! یا نبی اللہ! میری یہ گزارش ہے کہ تین قسم کے اشخاص کے بارے میں اہتمام نہ کریں، کیونکہ ان کی سفارش کرنے کی جسارت مَیں کروں گا: اولاً ایسے اشخاص جو میرا حج کر لیں۔ دوئم وہ اشخاص جو حج کی نیت کر کے گھر سے نکلے ہوں، مگر موت، بیماری یا کسی بھی معقول وجہ کی بنا پر مجھ تک پہنچنے سے محروم رہ گئے ہوں۔ تیسرے وہ اشخاص جن کے سینوں میں میری زیارت کا شوق موجزن ہو، مگر وہ کسی معقول وجہ کی بنا پر میرے دیدار کی سکت نہ رکھتے ہوں۔

برادرانِ گرامی! کیا خیال ہے کہ حضور پرنور شافع یوم النشور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور کعبہ معظّمہ کی عرضی قبول نہیں ہوئی ہوگی؟ اگر آپ کا جواب ہاں میں ہے تو بخدا آپ غلطی پر ہیں۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی اُمت پر شفقت نہ فرمائیں؟ اور شفقت وہ خود فرمائیں یا کعبہ معظّمہ کو اس امر کی اجازت عنایت فرمائیں۔ یہ ان کی مرضی ہے، ان کی رضا ہے۔

حج نہ کرنا سخت گناہ ہے

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حج فرض قرار دیا اور ساتھ ہی ارشاد فرمایا: **وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِيْنَ ○** اور جو انکار کرے تو اللہ سارے جہانوں سے بے نیاز ہے۔

اللہ تعالیٰ کو کسی کی کوئی پرواہ نہیں۔ یہ باتیں تو اس نے امت مسلمہ کے فائدے کے لیے مقرر کی ہیں اور اگر کوئی ان سے انکار کرے تو خود اپنے پاؤں پر ہی کلہاڑی مارے گا۔ ربّ العالمین کا کیا جائے گا اور پھر جو شخص حج کی فرضیت سے انکار کرتا ہے گویا وہ کفر کا ارتکاب کرتا ہے اور ایسا شخص جو فرضیت حج سے تو انکار نہیں کرتا، مگر باوجود صاحبِ استطاعت ہونے کے حج ادا نہیں کرتا تو وہ شخص فاسق ہے اور اس کی گواہی قابلِ قبول نہیں اور اس پر اللہ سخت ناراض ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں ہمارے پیارے رسول آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے فرد کے لیے بڑی سخت تاکید فرمائی ہے۔

مشکوٰۃ، صفحہ:222 پر درج ایک حدیث سے بھی مندرجہ بالا بات کی عکاسی کرتی ہے کہ جو شخص صاحبِ استطاعت ہونے کے باوجود حج نہیں کرتا، اس کا انجام برا ہوتا ہے، ملاحظہ ہو:

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ مَنْ مَّلَكَ زَادًا وَّرَاحِلَةً تُبَلِّغُهٗ إِلٰى بَيْتِ اللّٰهِ وَلَمْ يَحُجَّ فَلَا عَلَيْهِ أَنْ يَّمُوْتَ يَهُوْدِيًّا أَوْ نَصْرَانِيًّا ○ (رواہ ترمذی)

حضرت علی روایت کرتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو زاد اور سواری کا مالک ہو، جو بیت اللہ تک پہنچا سکے اور وہ حج نہ کرے تو اس کے لیے اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی۔

مشکوٰۃ کے اسی صفحہ پر ایک حدیث الدارمی سے بھی مروی ہے:

عَنْ أَبِيْ أُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ مَنْ لَّمْ يَمْنَعْهُ مِنَ الْحَجِّ حَاجَةٌ ظَاهِرَةٌ أَوْ سُلْطَانٌ جَائِرٌ أَوْ مَرَضٌ حَابِسٌ فَمَاتَ وَلَمْ يَحُجَّ فَلْيَمُتْ إِنْ شَاءَ يَهُوْدِيًّا أَوْ نَصْرَانِيًّا ○

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس کو ظاہر حاجت یا ظالم بادشاہ خطرناک مرض حج سے نہ روکے، وہ مر جائے اور حج نہ کیا ہو۔ پس چاہے کہ یہودی ہو کر مرے چاہے کہ نصرانی ہو کر۔

یہودی اور نصرانی دو ایسی اُمتیں ہیں جو شخص ان میں سے ہو کر مرے گا اس کی نجات مشکل ہے اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔

فاروقِ اعظم کا حکم

امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے ارادہ کیا ہے کہ اپنی سلطنت کے ہر ایک شہر میں ایک ایک آفیسر کی تقرری کروں، جو صرف اس بات کو چیک کرے کہ کون شخص صاحبِ استطاعت ہونے کے باوجود حج ادا نہیں کرتا اور پھر ایسے لوگوں کو جزیہ مقرر کر دوں کیونکہ ایسے لوگ دائرۂ اسلام سے خارج ہیں۔ (یہ قول موضوع کے

حکم میں ہے) (زواجر، صفحہ:161، کشف الغمہ، صفحہ:217)

اب بھی انبیائے کرام حج کرتے ہیں

خاکم بدہن، خدانخواستہ اگر اس دنیا میں صرف اور صرف جہالت و گمراہی چھا جائے اور ساری دنیا میں سے کوئی بھی حج نہ کرے تو ساری دنیا اپنا ہی فائدہ کھو بیٹھے گی، کیونکہ اس سے اللہ کو کوئی حرج نہیں پہنچتا۔ علاوہ ازیں کعبہ معظمہ کی رونق میں کوئی فرق نہیں آنے پائے گا۔ اس لیے کہ کعبہ معظمہ صرف اس دنیا کے انسانوں کی عبادت کا مرکز نہیں بلکہ ملائکہ اور انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام اب بھی اس گھر کا طواف کرتے ہیں۔

مشکوٰۃ، صفحہ:508 کے حوالے کے ساتھ مسلم شریف میں درج ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم آنحضور ﷺ کے ساتھ سفر کرنے کا شرف حاصل کر رہے تھے۔ جب ہم مدینہ اور مکہ کے درمیان ارزق نامی وادی میں پہنچے تو حضور ﷺ گویا ہوئے: اس وقت میری نظریں موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دید کر رہی ہیں جو کہ اس وادی سے تلبیہ پڑھتے ہوئے گزر رہے ہیں۔ سفر جاری رہا اور ہم ایک گھاٹی میں جا پہنچے۔ آنحضور ﷺ نے دریافت کیا: یہ کون سی گھاٹی ہے؟ ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ گھاٹی جو موسوم بہ ہرشس ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: میں یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ملاحظہ کر رہا ہوں۔ سرخ اونٹنی پر سوار ہیں اور تلبیہ پڑھتے ہوئے بیت اللہ کی جانب گامزن ہیں۔

کشف الغمہ، جلد اوّل، صفحہ:216 پر مرقوم ہے کہ ایک مرتبہ ہمارے پیارے رسول ﷺ نے فرمایا۔ اس (سال) مسجد خنیف میں ستر 70 انبیائے کرام نے نماز ادا کی ہے۔ ان 70 نبیوں میں سے ایک موسیٰ کلیم اللہ ہیں جو دو کمبل میں ملبوس ہیں اور انھوں نے حج کا مخصوص لباس احرام یعنی دو سفید چادروں پر مشتمل لباس پہن رکھا ہے۔

کشف الغمہ کے اسی صفحہ پر مرقوم ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ ہمارے رسول ﷺ کا گزر وادیِ عنان سے ہوا۔ آپ نے فرمایا: اس وادی سے حضرت ہود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام اونٹنیوں پر

سوار ہو کر حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے جا رہے ہیں۔

فائدہ: مندرجہ بالا چند سطور میں تین روایتیں بیان کی گئی ہیں، ان سے تین باتوں کی وضاحت ہوتی ہے اور تین مسئلے ثابت ہوتے ہیں:

اوّل یہ کہ انبیا علیہ الصلوٰۃ والسلام جو عرصۂ دراز ہوا اس دنیا سے روپوش ہو چکے ہیں، اب بھی حج کی ادائیگی کرتے ہیں۔ دوسرا یہ کہ انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام جن کو بعض نادان لوگ مردہ تصور کرتے ہیں، دراصل وہ مردے نہیں بلکہ باحیات ہیں اور عبادت اللہ میں محو رہتے ہیں۔ تیسرے مسئلے کا تعلق ہمارے پیارے رسول ﷺ کے متعلق ہے کہ اللہ نے ان کو ایسی چشم بینا عنایت فرمائی جو ایسی چیزوں کا مشاہدہ کر لیتی ہے، جس کے مشاہدے سے دوسرے عاجز ہیں۔

حج بدل کرنا

باوجود استطاعت کے حج کی ادائیگی نہ کرنے والا سخت گنہگار ہے اور سخت عذاب کا مستحق ہے اور اس پر اللہ اور اس کے رسول اس قدر ناراض ہیں کہ ان کو اس کے یہودی یا نصرانی ہو کر مرنے کی بھی پرواہ نہیں۔

برادرانِ اسلام! مقام غور و فکر ہے۔ کیا ہم میں سے کوئی ایسا شخص تو نہیں کہ جو صاحبِ استطاعت ہو اور اس کو کوئی مجبوری نہ ہو اور اس کے باوجود اس نے حج نہ کیا ہو۔ یا والدین اور قریبی رشتے داروں میں سے کوئی ایسا تو نہیں جس نے محض غفلت کی وجہ سے حج نہ کیا ہو، اور اب اس پوزیشن میں نہیں کہ حج کر سکے۔ مثلاً اس قدر لاغر اور بوڑھا ہو کہ سواری بھی نہ کر سکے یا پھر اس دنیا سے ہی رخصت ہو گیا ہو، کیونکہ اس نے استطاعت کا حامل نہ ہونے کے باوجود حج کی ادائیگی نہیں کی، اس لیے اللہ اور اس کا رسول اس سے ناراض ہیں۔ یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کوئی ایسی صورت نہیں جس کی بنا پر اس مغضوب شخص کی نجات ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ بے پناہ غفور رحیم ہے۔ اس نے اپنے بندوں کی نجات کے لیے بڑی سہولتیں رکھی ہیں۔ اس طرح تارکِ حج کی نجات بھی ہو سکتی ہے اور اس طریقے سے کہ اس کا کوئی رشتے دار،

قرابت دار یا اس کی اولاد میں سے کوئی اس کی جانب سے حج کرے تو اس کا حج فرض ادا ہو جائے گا اور اس کی نجات کے سامان ہو جائیں گے۔

مشکوٰۃ، صفحہ:221 پر درج ایک حدیث سے بھی مندرجہ بالا بات کی تصدیق ہوتی ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِنَّ امْرَأَةً مِنْ خَثْعَمَ قَالَتْ يَارَسُوْلَ اللهِ اِنَّ فَرِيْضَةَ اللهِ عَلٰى عِبَادِهٖ فِي الْحَجِّ اَدْرَكَتْ اَبِيْ شَيْخاً كَبِيْراً لَا يَثْبُتُ عَلَى الرَّاحِلَةِ اَنَا اَحُجُّ عَنْهُ قَالَ نَعَمْ وَذَالِكَ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ۔ (متفق علیہ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ قبیلہ خثعم کی ایک خاتون نے عرض کیا: یارسول اللہ! میرے بوڑھے والد پر حج فرض ہو چکا ہے جو سواری پر ٹھہر نہیں سکتے۔ کیا میں ان کی طرف سے حج کر سکتی ہوں؟ آپ نے فرمایا، ہاں! اور یہ واقعہ حجۃ الوداع میں ہوا۔

دوسرے کی طرف سے نفلی حج کرنے میں دونوں کو ثواب ملتا ہے

ایک تیر دو شکار ایک پنتھ دو کاج
نفلی حج کرنے میں رہتی ہے دونوں کی لاج

ایک حج تو صرف اپنے لیے کیا جاتا ہے۔ ایک حج وہ ہے جو دوسرے کی طرف سے ادا کیا جاتا ہے۔ ان دونوں صورتوں میں حج کا ثواب ایک ہی فرد کو ملتا ہے، مگر ایک حج ہے جس کی ادائیگی سے دونوں فریق ثواب حاصل کرتے ہیں، یعنی اگر کوئی شخص نفلی حج ادا کرے اور اس کا ثواب اپنے والدین یا کسی قرابت دار کو بخش دے تو اس کا ثواب اس کو بھی ملتا ہے۔ وہی والی مثال ایک تیر دو شکار، یعنی حج کرنے والے کو بھی ثواب ملتا ہے اور جس کے لیے ادا کیا جائے اس کو بھی ثواب ملتا ہے۔

ابو حفص کبیر میں بہارِ شریعت حصہ ششم کے حوالے سے درج ہے کہ ایک مرتبہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارگاہِ نبویہ میں گزارش کی: یارسول اللہ! ہم مُردوں کی جانب سے صدقہ کرتے ہیں اور ان کی طرف سے حج کرتے ہیں اور ان کے لیے دعا بھی کرتے ہیں، کیا ان کو پہنچتا ہے؟ جواب ملا: ہاں! ان کو پہنچتا ہے اور وہ اس پر خوشی کا اظہار بھی کرتے ہیں۔

بالکل اسی طرح جیسے تمہارے پاس طبق میں کوئی چیز ہدیہ کی جائے تو تم خوشی کا اظہار کرتے ہو۔

ساری عمر میں حج ایک بار فرض ہے

نمازیں دن میں پانچ مرتبہ فرض ہیں۔ روزے سال میں ایک مرتبہ فرض ہیں اور زکوٰۃ بھی سال میں ایک مرتبہ فرض ہے، چونکہ حج میں زیادہ اخراجات ہوتے ہیں اور سفر و ہجر کا مسئلہ بھی ہوتا ہے، اس لیے حج ساری عمر میں صرف ایک مرتبہ فرض قرار دیا گیا ہے۔

مشکوٰۃ، صفحہ:221 پر ہمارے پیارے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ اللهَ كَتَبَ عَلَيْكُمُ الْحَجَّ فَقَامَ الْاَقْرَعُ بْنُ حَابِسٍ فَقَالَ اَفِيْ كُلِّ عَامٍ يَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ لَوْ قُلْتُهَا نَعَمْ لَوَجَبَتْ وَلَوْ وَجَبَتْ لَمْ تَعْمَلُوْا بِهَا وَتَسْتَطِيْعُوْا وَالْحَجُّ مَرَّةً فَمَنْ زَادَ فَتَطَوُّعٌ۔ (رواہ احمد و النسائی والدارمی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے لوگو! بے شک اللہ کی جانب سے تم پر حج فرض ہے۔ پس حضرت اقرع بن حابس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کھڑے ہو کر عرض کیا: یارسول اللہ! کیا ہر سال؟ (آپ نے سکوت فرمایا: یہاں تک کہ انھوں نے تین مرتبہ سوال اپنا دہرایا) فرمایا: اگر میں "ہاں" کہہ دیتا تو واجب ہو جاتا۔ اگر واجب ہو جاتا تو تم اس پر عمل نہ کر پاتے اور نہ اس کی طاقت رکھتے اور حج عمر میں ایک بار فرض ہے، جو زیادہ کرے وہ نفل ہے۔

سبحان اللہ! ہمارے پیارے رسول ﷺ کو کس قدر خیال ہے اپنی امت کا کہ حج ساری عمر میں ایک بار فرض فرمایا، زیادہ بار نہیں کہ ہم مسلمان اس کی طاقت نہ ہونے کے سبب عذاب مول نہ لے لیں۔ ہمارے آقا و مولیٰ کی شان ملاحظہ کہ باذن اللہ مالک احکام ہیں، جس پر ہاں کہہ دیں وہ فرض قرار پاتا ہے اور جس پر سکوت فرمائیں وہ فرض نہیں ہوتا، الحمدللہ!

□□□

چونتیسواں وعظ

حج میں عشقِ الٰہی کی ایک جھلک

برادرانِ اسلام! باہمی محبت اس کائنات کا لازمی جزو ہے۔اس کے بغیر شاید ہی کاروبارِ حیات ڈراپ ہو جائے۔کاروبارِ حیات کے تمام شعبوں میں محبت کا بڑا عمل دخل ہے۔بہن بھائیوں میں اگر محبت نہ ہو تو گھر میں نت نئے جھگڑے ہوتے رہیں اور بیرونی دنیا میں اگر باہمی محبت نہ ہو تو کاروبارِ حیات کا چلنا مشکل ہے۔ہر شخص اپنی اپنی آگ میں جل کر بھسم ہو جائے، ہر شخص اپنے درد کو تڑپتا سسکتا دم توڑ دے۔گویا یہ ساری کائنات کا کاروبارِ حیات باہمی محبت کے زیر اثر ہے۔بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کسی ایک فرد کی کسی خاص ادایا خاص خوبی سے امپریس ہو کر اس کی محبت دل میں جاگزیں ہو جاتی ہے اور بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ محبت بڑھتے بڑھتے عشق و مستی میں بدل جاتی ہے۔کہا جاتا ہے کہ یہ شخص مجنوں یعنی دیوانہ ہو گیا ہے۔بالکل اسی طرح اگر ہم غور کریں، حاجی کے لباس اور وضع قطع کو ملاحظہ کریں اور اس کے افعال و اعمال کو مدنظر رکھیں تو ہم پر اس حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے کہ حاجی اپنے خالق و مالک کے عشق و محبت میں گرفتار ہے اور اپنے خالق و مالک سے اس کی محبت، جنون اور کیف و مستی میں بدل چکی ہے۔عشق و مستی کے مظہر اعمال اللہ کو بے پناہ پسند ہوتے ہیں، کیونکہ ان میں عشق و محبت کی جھلک ہوتی ہے۔اگر ہم حاجی اور مجنوں کے افعال کا مطالعہ کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ ان دونوں کے افعال آپس میں مطابقت رکھتے ہیں۔آیئے ہم حاجی اور جنوں کے افعال کا مطالعہ کرتے ہیں:

۱۔وصالِ محبوب اور قربِ محبوب کی خاطر مجنوں اپنا سب کچھ لٹانے کو تیار ہوتا ہے۔حتیٰ کہ اس کے لیے اپنے وطن اور اپنے چاہنے والوں، اپنے جاننے والوں، اپنی بیوی، اپنے بچوں، اپنے رشتے داروں اور اپنے کاروبار سے دست بردار ہو کر اسے دور دراز کے علاقے میں جانا پڑے، تو بھی وہ دریغ نہیں کرتا۔راستے کی رکاوٹیں اس کے شوقِ وصال میں

ڈگمگاہٹ پیدا نہیں کر سکتیں۔اسی طرح حاجی کا حال ہے۔وہ اپنے خالق اور مالک کی تجلیات کو اپنے دامن میں سمیٹنے کے لیے اپنے وطن، اپنے کنبے، اپنے کاروبار سب کو چھوڑ کر دور دراز کی مسافت پر واقع وادی، صحرا اور ریگستان میں نکل جاتا ہے۔مجنوں کی طرح اسے بھی کسی چیز کی پرواہ نہیں رہتی اور شوقِ وصال میں وہ صحراؤں اور ریگستانوں کو بھی بلکہ دریاؤں اور سمندروں کو بھی پار کر ڈالتا ہے۔

2۔مجنوں پر خیالِ یار اس طرح طاری ہوتا ہے کہ وہ خود فراموشی کے عالم میں آ جاتا ہے۔اسے اس بات کی کوئی پرواہ نہیں رہتی کہ اس کے بدن پر لباس ہے یا نہیں۔اسی طرح حاجی کا حال ہے۔جب وہ احرام باندھ لیتا ہے تو پھر اپنے محبوب حقیقی کے خیال میں ایسا مست اور بے خود ہو جاتا ہے کہ اسے اپنے لباس کا قطعاً کوئی خیال نہیں آتا۔

3۔محبوب کی فرقت مجنوں کے لیے ایک جاں گسل سانحہ ہوتی ہے۔اس کی جدائی میں وہ بے قرار ہو جاتا ہے اور ہر وقت اونچی اور بلند آواز سے اپنے محبوب کا نام رٹتا ہے۔اس کو کسی پل چین اور کسی کروٹ آرام نہیں ہوتا۔پس وہ ہر وقت اپنے محبوب سے ملنے کے لیے محبوب کو آوازیں دیتا رہتا ہے۔بالکل یہی حال کا حاجی ہے۔عشق محبوب میں وہ ایسا بے چین اور بے قرار ہو جاتا ہے کہ وصالِ محبوب کی تمنا میں ہر وقت بلند آواز سے اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ کی آوازیں کستا ہے۔اس کو اپنے آرام کے بارے میں کوئی فکر ہی نہیں رہتی۔

4۔مجنوں محبوب کے تصور میں اس قدر غرق ہو جاتا ہے کہ اسے دوسرا فرد زیر لگتا ہے اور وہ بے خبری کے عالم میں ہر ایک کو پتھر مارتا ہے اور کنکریوں کا نشانہ بناتا ہے۔وہ اس بات سے بھی آنکھیں بند کر لیتا ہے کہ اس کے اس طرح سنگ زنی سے کوئی مجروح ہو جاتا ہے یا کہ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔اسی طرح حاجی بھی عشق الٰہی میں ایسا مست ہو جاتا ہے کہ کئی کئی روز تک جمروں پر کئی کئی کنکریاں مارتا ہے۔اس کو اس بات کی کوئی پرواہ نہیں رہتی کہ لوگ اس کے فعل پر استہزا کریں گے اور کہیں گے کہ بھلا پتھروں کو کنکریاں مارنے سے کیا حاصل؟

5۔مجنوں کا سب سے بڑا انتہائے نظر اور سب سے اولین آرزوئے قلب یہی ہوتی ہے کہ محبوب سے وصال ہو جائے اور وصالِ محبوب کی آتش جب سینے میں بھڑکتی ہے تو پھر وہ

مجنوں کو بھی بازاروں میں بھاگنے پر مجبور کرتی ہے اور کبھی اس سے صحراؤں اور جنگلوں کی خاک چھنواتی ہے۔ مجنوں کی اس ادا کو حاجی بھی استعمال کرتا ہے۔ وہ بیت اللہ شریف کے ارد گرد دوڑتا ہے اور کبھی جبلِ صفا و مروہ کے درمیان سعی کرتا ہے۔

6۔ تصورِ محبوب میں مجنوں بے خود ہو جاتا ہے۔ اسے اپنے بننے سنورنے اور اپنے جسم کی آرائش و زیبائش اور لباس کی زیب و زینت کی قطعاً پرواہ نہیں۔ وہ تو بس اپنے محبوب کے تصور میں غرق ہو جاتا ہے۔ اس کے سر کے بال بڑھتے بڑھتے جوؤں کا مسکن بن جائیں، اس کو فکر نہیں ہوتی۔ ناخن کس قدر بڑھ جائیں اسے کوئی پرواہ نہیں رہتی۔ اسی طرح حاجی اپنے خالق و مالک کی محبت اور چاہت میں اس قدر غرق ہو جاتا ہے کہ اس کو اپنی زیب و زینت کا خیال ہی نہیں آتا۔ مجنوں کی طرح اسے بھی اپنے سر کے بالوں کو بڑھنے کی فکر دامن گیر نہیں ہوتی، خواہ ان میں جوئیں ہی کیوں نہ پڑ جائیں۔ اس کا بدن سراپا خاک بن جائے، میل کی تہیں اس کے جسم سے چمٹ جائیں، لیکن اس کی کیف و مستی میں کوئی فرق نہیں آتا، وہ مستی اور بے خودی کے عالم میں اپنے خالق کی یاد میں محو رہتا ہے۔

نزہۃ المجالس، جلد اوّل، صفحہ: 156 پر مرقوم ہے کہ حاجی کے کردار و افعال مندرجہ بالا جائزے کے مطابق مجنوں کے افعال و کردار سے ہم آہنگی رکھتے ہیں۔ مجنوں شخص مرفوع القلم ہو جاتا ہے اور وہ کسی قسم کا جواز پیش کرنے سے قاصر ہوتا ہے، اسی لیے اس سے کسی قسم کی باز پرس نہیں ہے۔ اسی طرح حاجی بھی عشقِ الٰہی میں مجنوں بن کر مرفوع القلم ہو جاتا ہے۔ ان شاء اللہ اس سے بھی قیامت کے دن کسی طرح کی کوئی باز پرس نہیں ہوگی۔

حاجی کے افعال محبوبانِ الٰہی کی نقل ہیں

لاکھوں بار ہدیہ تشکر اللہ کے حضور کہ جس نے ہمارے لیے حضرت محمد ﷺ کی ذات گرامی کو مبعوث فرمایا اور کروڑوں بار سلام حضرت محمد ﷺ پر جو ہمارے لیے سراپا رحمت و بخشش بن کر تشریف لائے کہ جو شخص ان کی پیروی کرے، اس پر جنت لازم ہو جاتی ہے۔ ان کی پیروی تو دور کی بات، اگر ان کے غلاموں کے غلاموں کی پیروی کر لی جائے تو یہ بات

ہی نجات محشر کے لیے کافی ہے۔

چند وعظ قبل ''نماز کی فضیلت'' میں ایک واعظ صاحب کی بیان کردہ حکایت بیان کی جا چکی ہے کہ ایک مرتبہ چند چوروں نے ایک مکان میں چوری کی غرض سے نقب لگائی۔ شومئ قسمت اہلِ مکان کی آنکھ کھل گئی اور اس کے شور مچانے سے اہلِ محلہ بھی بیدار ہو گئے۔ چوروں نے جب بھانڈا پھوٹتا دیکھا، گنگا کو الٹی بہتے دیکھا تو سر پر پیر رکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ دل میں قسمت کو کوسنے دیتے رہے تھے۔ اس بات سے بے خبر کہ جس قسمت سے وہ گلہ کر رہے ہیں وہ قسمت ان پر بڑی مہربان ہے۔ وہ قسمت آج ان کو ہمدوشِ بامِ ثریا کرنے والی ہے۔ بھاگتے چور ایک مسجد میں داخل ہو گئے۔ تلاش کرتے کرتے اہلِ محلہ بھی مسجد میں چلے آئے۔ چوروں کے رنگ اُڑ گئے۔ خوف کے عالم میں کچھ اور تو سجھائی نہ دیا۔ فوراً نمازیوں کی شکل میں نماز پڑھنے لگے۔ اہلِ محلہ نے جب یہ دیکھا کہ مسجد میں چند آدمی نماز پڑھ رہے ہیں۔ حیران ہوئے کہ ہم تو چوروں کی تلاش میں آئے تھے اور یہاں پر تو لوگ اللہ کی عبادت میں محو ہیں۔ ناکام ہو کر واپس لوٹ گئے اور چوروں کی جان میں جان آئی اور ایک دوسرے سے یوں گویا ہوئے کہ اگر آج ہم نمازیوں کی شکل اختیار نہ کرتے تو یقیناً دھر لیے جاتے۔ نمازیوں کی شکل اختیار کرنے پر ہم کو یہ صلہ دیا گیا ہے کہ ہمیں ایک بڑی مصیبت سے نجات مل گئی اور اگر ہم واقعی حقیقی طور پر نمازی بن جائیں تو دنیا اور آخرت کی بڑی بڑی مصیبتوں سے نجات حاصل کر لیں گے۔ چنانچہ انھوں نے قلب و نظر کی پاکیزگی سے توبۃ النصوح کی اور نیک و پرہیزگار و متقی بن گئے۔

برادرانِ ملت اسلامیہ! چوروں نے تو نمازیوں کی شکل اختیار کی اور گناہوں سے پاک و صاف ہو گئے، تو کیا حاجی جو کہ حج میں محبوبانِ الٰہی کے افعال کی پیروی کرتا ہے تو وہ کیوں کر نہ گناہوں سے پاک و صاف ہو جائیں گے۔ حاجی جب صفا و مروہ کی پہاڑیوں کے درمیان سعی کرتا ہے تو وہ حضرت ہاجرہ علیہا الصلوٰۃ والسلام کے عمل کی پیروی کرتا ہے، کیونکہ وہ ایک زمانے میں پانی کی تلاش میں ان پہاڑیوں کے درمیان دوڑی تھیں۔ مقام منیٰ میں جب حاجی رمی کرتا ہے (جمروں کو کنکریاں مارنے کا عمل رمی کہلاتا ہے) تو وہ حضرت خلیل علیہ

الصلوٰۃ والسلام کے عمل کی اتباع کرتا ہے، کیونکہ اپنے لخت جگر کو اللہ کے حکم سے قربان گاہ کی طرف لے جاتے ہوئے انھوں نے اسی مقام پر شیطان کو کنکریاں ماری تھیں۔ پھر حاجی مقام منیٰ میں اللہ کی راہ میں قربانی کرتا ہے تو حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت ادا کرتا ہے، کیونکہ جب حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام امتحان میں کامیاب رہے تو خداوند کے حکم سے وہاں ایک دُنبہ اتارا گیا تھا، جس کی قربانی پیش کی گئی۔ حاجی محبوبانِ الٰہی کے افعال کی پیروی کرتا ہے اور فریضۂ حج کی ادائیگی سے سبکدوش ہوجاتا ہے اور حاجی محبوبانِ الٰہی کے افعال کی نقل کرنے سے گناہوں سے اس طرح پاکیزگی اور طہارت حاصل کرلیتا ہے، جیسے ابھی شکم مادر سے اس کی آفرینش ہوئی ہو۔

حج میں درسِ یگانگت

دنیا کے تمام ازم فی زمانہ علمبردارِ مساواتِ انسانی کے دعویدار ہیں۔ چین اور دیگر مغربی و یورپی ممالک خاتون کو مرد کے شانہ بشانہ اور بالمقابل لاکر فحاشی اور بے حیائی اور عریانی پھیلا کر یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ وہ انسانی مساوات کے علمبردار بن گئے ہیں، لیکن بخدا سب غلطی پر ہیں۔ اگر انھیں مساواتِ نسلِ انسانی کی مثال دیکھنی ہو تو اسلام میں آئیں۔ اسلام جو کہ قدم قدم پر، ہر مقام پر اور ہر عبادت میں مساوات کی تعلیم دیتا ہے اور مساواتِ نسلِ انسانی کا عروج موقعۂ حج پر ہوتا ہے۔

کوئی عربی ہو یا عجمی، امیر ہو یا غریب، کسی رنگ، کسی فرقے اور کسی بھی خاندان کا کیوں نہ ہو، ہر شخص امتیازِ رنگ کو، نسل کو بھلا کر اللہ کے حضور ایک ہوجاتا ہے۔ یعنی ہر شخص صرف دو چادروں پر مشتمل احرام (لباسِ حج) زیب تن کرتا ہے، تو صرف اپنے محل میں، اپنے پلیس میں۔ یہاں خداوند کے حضور وہ بھی لٹھ یا پاپلین کی دو سفید چادریں پہنے گا۔ یہاں پر کوئی امتیاز نہیں، کوئی تمیز نہیں، کوئی تفاخر نہیں، سب ایک ہیں۔ شاعر ملی علامہ اقبال بانگ درا میں لکھتے ہیں: ؎

ایک ہی صف میں کھڑے ہوگئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

محمود غزنوی ایک جلیل القدر بادشاہ گزرا ہے اور ایاز اس کا وفادار نمک خوار تھا۔ دونوں میں فرق تھا۔ ایک بادشاہ اور دوسرا غلام تھا۔ دونوں کے مقامات میں بھی فرق تھا۔ ایک تخت نشین تھا اور دوسرا فرش نشین تھا۔ ایک مخمل پوش تھا اور دوسرا گدڑی پوش۔ یہ فرق، یہ تفریق، یہ تمیز اور مرتبہ و مقام کا یہ امتیاز محدود تھا۔ مگر جب وہ اللہ کے حضور آگئے تو پھر محمود محمود نہ رہا، ایاز ایاز نہ رہا۔ مرتبہ و مقام دنیا کے تمام امتیازات مٹ گئے اور محمود و ایاز ایک ہوکر اللہ کے ہوکر، اللہ کے حضور سرنگوں ہوگئے۔

حج میں بھی ایسا ہوتا ہے۔ رنگ و قوم اور نسلی تفاخر اور مرتبہ و مقام کے تمام مصنوعی اور عارضی امتیازات مٹ جاتے ہیں۔ بادشاہ اور غلام، حاکم اور محکوم کی تمیز ختم ہوجاتی ہے اور سب پر اس امر کا اطلاق ہوجاتا ہے کہ اللہ کی عبادت کے وقت کوئی حاکم نہیں رہتا، کوئی غلام نہیں رہتا، کوئی امیر امیر نہیں رہتا، کوئی گدا گدا نہیں رہتا، گدا بھی امیر ہوتا ہے اور امیر بھی گدا ہوتا ہے۔ سب ایک جیسے مرتبہ و مقام کے حامل ہوتے ہیں۔ ان کی حالت ایسے ہوتی ہے جیسے وہ سب ایک ہی زنجیر کی کڑیاں ہوں۔ ایسی کڑیاں جن کا سائز، رنگ اور ڈیزائن ایک جیسا ہو اور جو سب ایک رنگ کے، ایک نقطے سے وابستہ ہوں۔ حج میں جہاں ایک گدا کے لیے حکم ہے کہ وہ صفا و مروہ کے درمیان پیدل دوڑ کر سعی کرے۔ وہاں اس حکم کا اطلاق ہفت اقلیم کے بادشاہ پر بھی ہوتا ہے۔ وہ بھی اس بات کا مجاز نہیں کہ سوار ہو کر سعی کرے۔

حج میں حجرِ اسود کو چومنا اور اس کو بوسہ دینا ایک احسن عمل ہے۔ اس قدر احسن کہ ایسا کرنے سے تمام گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ حجرِ اسود کو چومنا اور بوسہ دینا یہاں ایک امیر کے لیے اور ایک بادشاہ کے لیے باعث سعادت ہے۔ وہاں ایک غلام کے لیے بھی باعثِ سعادت ہے اور اگر پہلے غلام حجرِ اسود کو بوسہ دینے جارہا ہے تو بادشاہ بھی اس بات کا مجاز نہیں کہ اس کو روک کر پہلے خود حجرِ اسود کو بوسہ دے۔

حج میں مساواتِ نسلِ انسانی کے اس مظاہرے کو دیکھ کر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جس مساواتِ نسلِ انسانی کا علمبردار اسلام ہے، دنیا کا کوئی مذہب نہیں ہے، کسی ازم میں اور کسی مذہب میں اسلام جیسی انسان کی مساوات کی تمثیل نہیں ملتی۔

حکایت: خدائے بزرگ و برتر کے برگزیدہ بندے ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایامِ حج میں میں طوافِ کعبہ میں محو تھا۔ میرے قریب ہی ایک نوجوان اون کا کمبل اوڑھے طوافِ کعبہ میں مصروف ایک شخص کو اپنی نگاہوں کا ہدف بنائے اس کی طرف اشارہ کر رہا ہے اور ساتھ ہی زبان سے مندرجہ ذیل الفاظ ادا کر رہا تھا: اِلٰهِیْ هٰذِهٖ خُطْوَةُ مَنِ افْتَخَرَ بِغَیْرِكَ فَكَیْفَ تَكُوْنُ خُطْوَةُ مَنْ لَیْسَ لَهٗ مَحْبُوْبٌ سِوَاكَ۔

الٰہی! یہ قدم اس شخص کا ہے جو تیرے غیر کے ساتھ فخر کرتا ہے، تو اس شخص کے قدم کا کیا حال ہوگا، جس کا تیرے سوا کوئی محبوب نہیں۔

(یہ شخص تیرے علاوہ کسی اور کی رفاقت پر اس قدر نازاں ہے کہ قدم بھی ناز سے اُٹھا رہا ہے اور یا اللہ! جب کوئی شخص تن من دھن سے تجھ کو اپنا محبوب بنالے تو پھر اس کی چال کیا ہوگی)

حضرت ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کے اشارے کی طرف دیکھا اور اس کے اشارہ کرنے کی وجہ کے بارے میں دریافت کیا۔ نوجوان نے جواب دیا: اے چچا جان! ذرا اس شخص کی جانب توجہ فرمائیے۔ یہ شخص ایک حاکم کی غلامی میں ہے۔ حاکم کا غلام ہونے پر اس شخص کو اس قدر ناز ہے کہ اس کے قدموں کی چال ہی بدل گئی ہے۔ حضرت ذوالنون نے ذرا دو چار قدم بڑھائے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک شخص جو کہ ایک حاکم کا غلام ہے، طوافِ کعبہ میں مصروف ہے اور اس نے اپنی چادر زمین پر لٹکا رکھی ہے۔ اس کے قدم اُٹھانے کے انداز میں غرور و تکبر اور فخر و مباہات کا عنصر جھلک رہا ہے۔ ذوالنون مصری آگے بڑھے اور اس شخص سے گویا ہوئے: اے شخص! تو تو صرف ایک حاکم کا غلام ہے اور تیرا حاکم حاکمیت کے نشے میں چور ہو کر تیرے آگے چل کر طواف کر رہا ہے اور تیرے پیچھے احکم الحاکمین کا غلام چلا آ رہا ہے۔ مقام ادب ہے۔ لہٰذا تو پیچھے ہو جا اور اس کو آگے جانے دے۔

حضرت ذوالنون مصری کے ان سادے سے الفاظ میں جانے کیا سحر اور طلسم تھا کہ اس شخص کی کایا پلٹ گئی۔ الفاظ کی تابندگی سے اس کی بصارت خیرہ ہوگئی۔ عقل پر چھائے ہوئے پردے اٹھ گئے۔ غرور و تکبر کے ریتیلے محل زمین بوس ہو گئے۔ فخر و مباہات کی عمارت

پیوندِ زمین ہوگئی۔ آپ کے الفاظ میں جانے کیا تاثیر تھی کہ اس نوجوان کی دنیا پلٹ گئی۔ طوافِ کعبہ سے فارغ ہوا اور اپنے مالک کے پاس جا کر اپنی قیمت ادا کی اور خود کو خرید لیا۔ دل میں ایک آگ لگی ہوئی تھی۔ عجز و انکساری کا لاوا سینے میں موجزن ہو چکا تھا۔ سینے میں دہکتی ہوئی آگ کو ٹھنڈا کرنے کی خاطر اس نے اپنا سارا مال و اسباب راہِ خدا میں لٹا دیا۔ اپنی زندگی کی ساری کمائی اسے یوں لٹاتے ہوئے قطعاً افسوس و ملال نہ ہوا۔ زندگی بھر کا سرمایہ لٹا کر اسے کچھ سکون ملا، بے قرار کو قرار آیا اور اس نے اپنے پاس صرف کمبل رکھا، جس کو اوڑھ کر ساری دنیائے فانی سے ناطہ توڑ کر بیت اللہ شریف میں اپنے اللہ سے لو لگا کر بیٹھ گیا۔

وقت کا پہیہ گھوما اور سورج دنیا والوں کی نگاہوں سے روپوش ہو گیا اور جب دوبارہ دنیا والوں کو اپنی روشنی بخشنے آیا تو دنیا کی زندگی کا ایک دن کم ہو چکا تھا اور ایک دوسرا دن ختم ہو رہا تھا۔ اس دوسرے دن میں راہ خدا میں اپنا سب کچھ لٹانے والے جوان کی حضرت ذوالنون مصری سے ملاقات ہوئی، عرض کرنے لگا: حضرت! کیا اللہ میری حاضری کو اپنی بارگاہ میں قبولیت کا شرف بخش دے گا؟ آپ نے فرمایا! اے بندۂ خدا! اللہ تو بڑا غفور و رحیم ہے۔ اس کے رحم و کرم کی کوئی حد نہیں، کوئی حساب نہیں، دم بدم، کو بہ کو، لحظہ بہ لحظہ اس کے کرم کی بارشیں ہوتی ہیں۔ صرف گلوں پر ہی نہیں بلکہ کانٹوں پر بھی، گلستان پر ہی نہیں، خارزاروں پر بھی، صرف اپنوں پر ہی نہیں اغیار پر بھی بلکہ اغیار کو وہ خود اپنی محفل میں بلاتا ہے: وَاللّٰهُ یَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ؕ جب اس کے جود و کرم کا یہ عالم ہے کہ غیروں کو بھی قبول کر لیتا ہے تو پھر اپنوں کو وہ کیونکر نہ قبولیت سے نوازے گا۔

اس جوان کو ساری دنیائے فانی سے ناطہ توڑ کر بیت اللہ شریف میں اللہ سے لو لگائے ساتواں دن تھا۔ حضرت ذوالنون مصری کو اطلاع ملی کہ وہ جوان سوئے عالم بالا عازم سفر ہو گیا ہے۔ اس کی روح اس کے جسدِ خاکی سے بے وفائی کر گئی ہے۔ سینہ چاکانِ چمن کا سینہ چاکانِ چمن سے ملاپ ہو گیا ہے۔ آپ دوڑتے ہوئے اس جوان کی میت پر گئے۔ دیکھا اس کے جسم پر صرف ایک ہی کپڑا ہے، وہی کپڑا جو اس نے اپنا سب کچھ لٹا کر بچا لیا تھا اور جس کو اوڑھ کر وہ بیت اللہ شریف میں آیا تھا۔ وہی کپڑا اب بھی اس کے گرد لپٹا ہوا ہے اور اس

ے چہرے پر اس قدر تابندگی تھی کہ چودھویں کا چاند بھی دیکھے تو شرما جائے۔ اس کے چہرے پر ایک تقدس تھا، مسکراہٹ تھی اور نور اللہ کی بارشیں چھما چھم، چھما چھم برس رہی تھیں۔ تقدس، مسکراہٹ اور خدا کے نور کی آماجگاہ ہونے کی وجہ سے اس کا چہرہ جگمگ جگمگ کرتے ہوئے جگمگا رہا تھا۔ اس کی میت کو غسل دیا گیا۔ غسل دے کر کفنایا گیا۔ دفنانے سے قبل نماز جنازہ ہوئی۔ اس شان سے کہ چشم فلک بھی حیران رہ گئی۔ مکہ معظّمہ کے سارے لوگوں نے اس کے جنازے میں شرکت کی اور پھر اُسے دفنانے کے بعد ملال زدہ افسردہ واپس لوٹ آئے۔ اسی رات کو ذوالنون مصری محو خواب تھے۔ خواب میں آپ نے اس جوان کو دیکھا اور اس سے گویا ہوئے: رب تعالیٰ نے تیرے ساتھ کیا سلوک کیا؟ تو اس نے مندرجہ بالا آیت تلاوت کی۔
(عبارت القلوب حاشیہ نزہۃ المجالس، جلد اوّل، صفحہ: 154)

برادرانِ اسلام! مندرجہ بالا حکایت سے قبل یہ واضح ہو چکا ہے کہ لوگ ہر قسم کے امتیاز ختم کر دیتے ہیں۔ ذرا دیکھئے کہ دنیا کے گوشے گوشے سے لوگ حج کے لیے آتے ہیں۔ سب کا طرزِ تمدن اور لباس الگ ہوتا ہے، لیکن جب حج کے لیے آتے ہیں تو سب کے اجسام پر دو چادریں اَن سلی ہوتی ہیں۔

اس طرح ہر ملک کے مسلمان اپنے پروردگار کو اپنی زبان میں پکارتے ہیں۔ عربی، عربی زبان میں۔ جو چینی ہیں وہ چین کی زبان میں اور جو ایران کے رہنے والے ہیں وہ اپنی زبان میں۔ ہمارے ملک کے لوگ مختلف زبانیں استعمال کرتے ہیں۔ پنجابی لوگ پنجابی زبان میں۔ سندھی لوگ سندھی زبان ہیں، اردو داں اردو زبان میں اور بلوچ، بلوچی زبان میں، لیکن حج کے موقع پر لسانی فرق بھی مٹ جاتا ہے اور سب لوگ اپنے پروردگار کو صرف عربی زبان میں پکارتے ہیں: اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ۔ لَبَّيْكَ۔

حاجی کو ویلکم کرنا

مکہ کی پرکیف فضاؤں اور مدینہ کی روح پرور ہواؤں میں ایک حاجی کافی عرصہ قیام کرتا ہے۔ اس کا لمحہ لمحہ پرکیف اور ہر گھڑی کیف و مستی سے لبریز ہوتی ہے۔ اس کے جسم میں، اس

کی سانسوں میں مدینہ اور مکہ کی کیف و مستی سے لبریز پون رچ بس گئی ہوتی ہے۔ اس کے ہاتھ بڑے تقدس والے بن جاتے ہیں، جن سے وہ روضۂ رسول کی جالی کو تھامتا ہے اور حجر اسود کو اُٹھاتا ہے۔ اس کی آنکھیں ہمارے لیے باعث تعظیم ہو جاتی ہے کہ ان سے وہ کعبۃ اللہ اور روضۂ رسول کا نظارہ کرتا ہے۔ مکے کی پرکیف فضائیں دیکھتا ہے۔ مدینے کی خوشبو دار ہوائیں پاتا ہے۔ وہ ہمارے لیے عظیم بن جاتا ہے کہ مدینہ اور مکہ کی ہواؤں میں نیل گگن سے اس پر رحمت کی بارشیں ہوتی ہیں۔ وہ گناہوں کی آلودگی سے پاک ہو جاتا ہے، اس لیے اس کو ہم سے زیادہ مرتبہ اور مقام حاصل ہو جاتا ہے۔

اس لیے ہمارے لیے ضروری ہے کہ جب حاجی اپنے اپنے گھروں کو تشریف لائیں تو ان کا شاندار استقبال کریں، ان کو سلام کریں، ان سے ہاتھ ملانے کی سعادت حاصل کریں، کیونکہ ان کے ہاتھ مقدس ہوتے ہیں اور ہو سکے تو ان سے اپنے حق میں خیر و برکت کی دعا کروائیں، کیونکہ حاجی گناہوں سے پاک اور صاف ہوتے ہیں اور کچھ بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول فرمالے، کیونکہ معصوم اور پاک لوگوں کی دعائیں جلد قبول ہوتی ہیں۔

مشکوٰۃ، صفحہ: 223 پر مرقوم ہے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ سید دو عالم ﷺ کا ارشاد ہے: إِذَا لَقِيْتَ الْحَاجَّ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ وَصَافِحْهُ وَمُرْهُ أَنْ يَسْتَغْفِرَ لَكَ قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ بَيْتَهُ فَإِنَّهُ مَغْفُوْرٌ لَهُ۔
جب تم حاجی سے ملاقات کرے تو اس کو سلام کرو۔ اس سے مصافحہ کرو اور اس سے کہو کہ گھر میں داخل ہونے سے قبل تیرے لیے دعائے مغفرت کرے، کیونکہ اس کی مغفرت ہو چکی ہے۔

خدمتِ حجاج میں گزارش

مکہ شریف میں بیت اللہ شریف واقع ہے، جہاں لوگ حج کرتے ہیں اور مدینہ شریف میں رسول اللہ ﷺ کا روضۂ اقدس ہے۔ ان ہی دو خصوصیات کی بنا پر یہ دونوں شہر دیگر تمام شہروں سے بلند و عظیم ہیں اور یقینی طور پر وہ شخص بھی دیگر اشخاص سے ممتاز ہو جاتا ہے جو ان دو شہروں کی زیارت کا شرف حاصل کر لیتا ہے۔ خصوصاً حاجی لوگ جو کہ ان دنوں میں

وہاں جاتے ہیں جب کہ نیل گگن سے ہر پل رحمت خداوندی کی بارشیں ہوتی ہیں، جب کہ ابرِ کرم موج میں ہوتا ہے، جب کہ مدینہ طیبہ کی گلیوں کا رنگ ہی کچھ اور ہوتا ہے۔ گنبدِ خضریٰ انوار وتجلیات کا محور ہوتا ہے۔

ایسے تمام افراد کی خدمت گرامی میں میرا فدویانہ سلام عرض ہے، جنھوں نے کعبۃ اللہ کا حج اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضۂ اقدس کی زیارت کا شرف حاصل کیا ہے اور وہ اگر ناراض نہ ہوں تو ذرا سی گزارش ہے، اگر وہ قبول فرمائیں تو نوازش ہے۔ عرض یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حج کی برکت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے آپ کے سارے گناہ معاف کردیے ہیں۔ آپ کو یوں پاک وصاف کردیا ہے جیسے ابھی چند لمحے قبل آپ کی آفرینش شکم مادرے ہوئی ہو۔ آپ کو نئی حیات اور نئی زندگی عنایت کی گئی ہے۔ خبردار! ہوجایئے کہ اب آپ کی بھی صورت عصمت وتوقیر کی سفید اور اجلی چاندنی جیسی شفاف چادر کے دامن پر جرم وعصیاں کا بدنما داغ نہ لگانا، اللہ کے لیے بیچ منجدھار میں اپنی نیّا نہ ڈبونا، آپ اپنے پاؤں پر کلہاڑی نہ مارنا، اپنے ہاتھوں جلتا ہوا چراغ نہ بجھا دینا، کسی صورت میں زیبا کی تلاش میں نہ پڑ جانا، مال وزر کی ہوس میں نہ ڈوب جانا، جھوٹے اور مصنوعی وقار میں نہ پڑ جانا۔ خبردار کہ: ؎

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

یاد رکھیے کہ اگر آپ نے اللہ کے اس جود وکرم سے فائدہ نہ اٹھایا اور مزید جود وکرم کی تمنا میں جرم وعصیاں کی زندگی اپنا بیٹھے، کسی خاتون زیبا کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے یا پھر مال وزر کی ہوس میں مبتلا ہوگئے تو آپ اپنے ہاتھوں بیچ منجدھار میں اپنا سفینہ ڈبو دیں گے۔ آپ جلتا ہوا چراغ خود ہی بجھا دیں گے، اپنے پاؤں پر خود ہی کلہاڑی مار لیں گے۔ گویا اپنے ہاتھوں ہی گلستاں نذرِ آتش کردیں گے اور اگر آپ ایسا کر بیٹھے تو پھر آپ کے حج کرنے کا مقصد فوت ہوجائے گا۔

یاد کیجیے وہ وقت کہ جب آپ نے حجر اسود کو چوما تھا، اس کو بوسہ دیا تھا اور اس پر ہاتھ رکھے تھے۔ یہ آپ کا عہد وپیمان تھا کہ آئندہ گناہوں سے پرہیز کریں گے اور اللہ کی فرماں برداری کریں گے۔ اس کے باوجود اگر آپ نے گنہگارانہ روش اپنالی تو آپ بدعہدی کریں

گے۔ واضح رہے کہ بدعہدی کرنے والے اللہ کو ناپسند ہیں اور ہمارے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہاں تک فرماتے ہیں کہ: لَا دِیْنَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهٗ۔ جو عہد پورا نہیں کرتا وہ لادین ہے۔ تو مقام غور ہے کہ کل روزِ محشر آپ کیا جواب پیش کریں گے۔ ایسی صورت میں حجرِ اسود بھی موجود ہوگا اور کلام کرسکے گا۔

امید ہے کہ میرے محترم بزرگ میری گزارش پر غور کریں گے اور مجھ پر نوازش فرما کر شکریہ کا موقع دیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حج سے مشرف فرمائے اور اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے ہم کو گناہوں سے محفوظ فرمائے اور اب اس وعظ کو ان اشعار پر ختم کرنے کی اجازت دیں: ؎

نہ کلیم کا تصور نہ خیال طورِ سینا
میری جستجو محمد میری آرزو مدینہ

اور

دکھا دے یا الٰہی وہ مدینہ کیسی بستی ہے
جہاں پر رات دن مولیٰ تری رحمت برستی ہے

□□□

پینتیسواں وعظ

عید قرباں

أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

بے شک میری نمازیں، قربانی، زندگی اور موت اللہ کے لیے ہے جو سارے جہاں کا پروردگار ہے۔

برادرانِ عزیز! عید الفطر کے بارے میں وعظ میں یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ عید کا لفظ عود سے مشتق ہے، جس کے معانی لوٹ کر آنا ہیں۔ عید کا دن بھی چونکہ سال کے بعد لوٹ کر آتا ہے، اس لیے اس کو عید کہتے ہیں۔

عید کو عید اس لیے بھی کہتے ہیں کہ عید کے روز اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم اور انعام واکرام اس کے بندوں پر لوٹتا ہے۔ اور اس لیے بھی عید کو عید کہتے ہیں کہ اس روز خوشیاں لوٹ کر آتی ہیں۔ عید کو عید کہنے کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ اس روز مسلمان حیاتِ معاص سے رُخ موڑتے ہیں اور احکام خداوند اور اطاعتِ رسول کی طرف لوٹتے ہیں۔ عید قربان ہر شخص کو لازوال ایثار کا درس و پیغام دیتی ہے۔ وہ لازوال ایثار کا درس و پیغام یہ ہے کہ اگر وقت اس بات کا تقاضا کرے کہ اپنی ادنیٰ شے جو کہ دل کا چین ہو، جو باعثِ سکون ہو مقصد اعلیٰ پر قربان کردو۔ تو کسی ہچکچاہٹ کو دل میں جگہ نہیں دینی چاہیے۔ یعنی اکیلے فرد کا ذاتی مفاد اس کے خاندان کے مفاد میں زیادہ اہمیت کا حامل نہیں ہوتا اور خاندان کا مفاد قبیلے کے مفاد سے اہم نہیں ہوتا۔ اگر کسی فراد کا ذاتی مفاد قربان کرنے سے خاندان کو فائدہ ہو تو اس فرد کو چاہیے کہ اپنا ذاتی فائدہ قربان کردے اور جب کسی خاندان کا مفاد قربان کرنے سے قبیلے کی بھلائی ہوتی ہو تو خاندان کے مفاد کو نظر انداز کر کے قبیلے کا فائدہ حاصل کرنا چاہیے۔ فرد، خاندان اور

قبیلہ، قوم وملت اور ملک کا تصور اُبھارتا ہے۔ جہاں پر قوم، ملک اور ملت کے مفاد کی بات آجائے، وہاں قبیلے و خاندان اور فرد کے مفاد کی ذرّہ برابر بھی اہمیت نہیں رہ جاتی، اس لیے کہ کسی فرد کا ایک کروڑ فائدہ قربان کرنے سے اگر ملک وقوم اور ملت کو صرف ایک فائدہ حاصل ہو تو ملک اور قوم کو حاصل ہونے والا ایک فائدہ اس فرد کے ایک کروڑ فائدوں سے بدرجہ بہتر ہوتا ہے۔ ملک، قوم اور ملت کا تصور محدود ہے۔ اس سے وسیع تر تصور انسانیت کا ہے، جہاں پر انسانیت کے مفاد کی بات ہو، وہاں کسی ایک قوم یا ملک وملت کے فائدے قربان کر دیے جاتے ہیں، کیونکہ انسانیت بہرکیف ملک وملت سے افضل واعلیٰ ہے۔ انسانیت کا خالق اللہ ہے، اس لیے جہاں اللہ کی بات آجائے وہاں پر انسانیت کے تمام تر فائدے قربان کر دیے جاتے ہیں۔ عید قرباں بھی ہم کو یہی درس دیتی ہے کہ عظیم تر مفادات کے حصول کی خاطر چھوٹے چھوٹے فائدے قربان کر دینا چاہیے۔ اسی کو ایثار کہتے ہیں، یا ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ عید اللہ کی خاطر جملہ مفاداتِ انسانی قربان کرنے کا درس دیتی ہے۔

عید قرباں کی وجہ تسمیہ

تذکرۃ الواعظین، صفحہ: 372,371 میں یہ عبارت درج ہے کہ شرح اوراد میں ابوسعید عراقی سے منقول ہے کہ اطرافِ حجاز میں ایک خاتون رہا کرتی تھیں۔ ان بی بی کا نام مبارک ہاجرہ تھا۔ یہ خاتون نیک دل اور پاک دامن تھیں۔ دن کو روزہ رکھتی تھیں اور رات کو بیدار رہتی تھیں۔ حسنِ اخلاق کی بات کہ ایک روز اس طرف سے اللہ کے برگزیدہ بندے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام بغرضِ سیر تشریف لے آئے اور ان خاتون کا زہد وتقویٰ اور حسن و جمال کا شہرہ سنا۔ دل نے ان خاتون کی جانب رغبت کی اور ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام ان خاتون کے باپ سے ملے اور مدعا بیان کیا۔ بی بی ہاجرہ کے والد گرامی ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پُر جمال صورت دیکھ کر سمجھ گئے کہ یہ شخص صاحبِ کرامات ہے۔ چنانچہ انھوں نے ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بڑی خاطر مدارات کی اور نہایت خلق سے پیش آئے۔ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بی بی ہاجرہ کے بارے میں اپنا مدعا بیان کیا۔ بی بی ہاجرہ کے والد رضا

مند ہو گئے اور بی بی ہاجرہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عقد میں دے دی۔ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام بی بی ہاجرہ کے ہمراہ ملک شام تشریف لائے اور باہم محبت سے رہنے لگے۔ دونوں میاں بیوی اولاد کی تمنار کھتے تھے، مگر اکانوے برس کی عمر تک ابراہیم علیہ السلام اولاد سے محروم رہے۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام اکثر دعا کرتے تھے کہ اللہ مجھے صالح اولاد عطا فرما۔ بالآخر ہدفِ اجابت کا سینہ چاک ہو گیا اور آپ کے ہاں حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت ہوئی۔ حضرت ابراہیم کے لختِ جگر اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قلب و نظر میں روحِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا جلوہ تھا۔ ختنہ شدہ اور سرگیں آنکھوں والے تھے۔ آپ کا چہرہ نورانی تھا اور فرشتے آپ کی زیارت کو آئے۔ یہی اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام جن کا چہرہ نورانی تھا اور جن کے قلب و نظر میں روحِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جلوہ گر تھی، اللہ تعالیٰ کے حضور قربانی کے لیے مطلوب ٹھہرے۔

تذکرۃ الواعظین، صفحہ: 373 پر درج ذیل مفہوم کی ایک عبارت درج ہے کہ روضۃ العلما نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پہلی ذی الحجہ کی شب کو خواب دیکھا جس میں آپ کو ندا دی جا رہی تھی کہ اے ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے رب کی قربانی کرو۔ صبح ہوئی ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام بیدار ہوئے اور بہت سی بکریاں راہِ خدا میں قربان کیں۔ دوسری شب پھر خواب میں دیکھا کہ آپ کو قربانی کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ صبح بیدار ہو کر آپ نے بہت سی گائیں اور بکریاں قربان کیں۔ تیسری شب آپ نے پھر وہی خواب دیکھا۔ بیدار ہو کر آپ نے بہت سے اونٹ قربان کیے۔ آٹھویں شب تک یہی سلسلہ جاری رہا کہ رات کو خواب میں حکم قربانی ہوتا اور صبح کو آپ جانور راہِ خدا میں قربان کر دیتے۔ جب آٹھویں شب میں بھی حکم قربانی ہوا تو ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا: خدایا! کیا شے قربان کروں؟ حکم ہوا کہ اپنے پیارے فرزند ارجمند اسمٰعیل علیہ السلام کی قربانی کرو۔ یہ حکم پا کر ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام متفکر ہو گئے۔ نویں شب کو دیکھا کہ آپ اپنے ہاتھ سے اپنے فرزند کو ذبح کر رہے ہیں۔ صبح بیدار ہوئے اور یقین کر لیا کہ یہ حکم خداوندی ہے، جس کی تعمیل ضروری ہے۔ دسویں شب کو پھر یہی خواب آیا تو آپ نے اپنے بیٹے کو راہ خدا میں قربان

کرنے کا حتمی قصد فرمایا۔ دسویں صبح کو آپ بی بی ہاجرہ کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا: بی بی اُٹھو اور اپنے فرزند کو نہلا دھلا کر تیار کر دو۔ آج اپنے دوست کی ضیافت میں جانا ہے۔ حضرت ہاجرہ نے بیٹے کو نہلایا دھلایا، صاف ستھرا لباس پہنایا۔ خوشبو لگائی، آنکھوں میں سرمہ لگایا، سر میں تیل ڈال کر کنگھی کی اور پیار سے سینہ سے لگا کر باپ کے حوالے کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کا ہاتھ پکڑا اور جبلِ عرفات کی جانب لے چلے۔

ایک طرف باپ اور بیٹا حکم الٰہی کی پابندی کے لیے جا رہے تھے تو دوسری جانب شیطانِ لعین بی بی ہاجرہ کے پاس آیا اور کہنے لگا: اے ہاجرہ! تمھیں کچھ خبر ہے کہ تمہارے بیٹے کو اس کا باپ ضیافت کے بہانے کہاں لے گیا ہے؟ بی بی ہاجرہ بولیں، میرا بیٹا اپنے باپ کے ساتھ سیر کرنے گیا ہے۔ شیطانِ لعین بولا: تمہارا خیال غلط ہے۔ تمہارا خاوند تمہارے بیٹے کو ذبح کرنے کے لیے لے گیا ہے۔ بی بی ہاجرہ بولیں: بھلا باپ بھی بیٹے کو ذبح کیا کرتے ہیں۔ شیطان بولا میں سچ کہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم دیا ہے کہ اپنے بیٹے کی قربانی کرو۔ حضرت ہاجرہ نے کہا: اے شخص! اگر اللہ کا حکم اس طرح ہے تو میں اور میرا بیٹا دونوں راضی ہیں۔ اگر یہ حکم خداوندی ہے تو ایک اسمٰعیل نہیں ہزاروں اسمٰعیل قربان کیے جا سکتے ہیں۔ شیطان اپنے مکروہ فعل میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا، لیکن بڑا ڈھیٹ نکلا۔ ایک طرف ناکامی ہوئی تو دوسری طرف طبع آزمائی کی، یعنی حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دل میں وسوسہ ڈالنے لگا۔ انھوں نے کہا: اے ملعون! دور ہو جا، میں رضائے الٰہی پر سر تسلیم خم کر چکا ہوں۔ یہاں پر بھی ناکامی کا سامنا کرنے کے بعد شیطان نے ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دل میں وسوسہ ڈالنا شروع کیا۔ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ کے خلیل تھے۔ زمانہ شناس تھے، اس لیے فوراً پہچان گئے کہ یہ امر شیطان ہے۔ پس آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پتھر اُٹھا کر اسے مارنا شروع کیا اور فرمایا: اے شیطان ملعون! دور ہو جا، میری نظروں کے سامنے سے ہٹ جا۔ غرض دونوں باپ بیٹے پہاڑ کی گھاٹی میں پہنچے تو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرمایا: اے بیٹے! میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تم کو اپنے ہاتھ سے ذبح کر رہا ہوں۔ اب تم

ذرا غور کرو اور سوچ کر جواب دو کہ تمہاری کیا رائے ہے؟ حضرت اسمٰعیل نے سچے دل سے جواب دیا: ابا جان! آپ کو جو حکم ملا ہے، شوق سے اس کی تکمیل فرمائیں۔ ان شاء اللہ مجھے ثابت قدم اور صابر پائیں گے۔ یہ جواب سن کر ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام خوش ہوئے اور پہاڑ پر ذرا آگے چلے۔ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس رسی اور چھری تھی، رسی سے انہوں نے حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھ پاؤں باندھے۔ حضرت اسمٰعیل نے کہا: ابا جان! چھری کی دھار تیز کر کے میرے گلے پر چلائیے گا اور گھر واپس جا کر میری امی جان کو سلام کہیے گا اور ان کو تشفی دیجیے گا۔ اس طرح دونوں باپ بیٹے حکم الٰہی پر رضامند ہو گئے۔ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو زمین پر لٹایا اور ذبح کرنے کے طریقے پر بیٹھ کر چھری ہاتھ میں لی۔ اس وقت غلبۂ محبت سے آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا: ابا جان! یہ مصیبت کا وقت ہے، اس پر صبر فرمائیے۔ یہ امتحانِ الٰہی ہے۔ مجھے ذبح کرتے وقت آپ اپنا منہ دوسری طرف پھیر لیجیے تاکہ میرا گلہ کٹتا دیکھ کر آپ بے صبری کا اظہار نہ کریں۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام بیٹے کی یہ رضا دیکھ کر شکر بجالائے اور چھری حلق پر رکھ کر تکبیر کہی اور ذبح کرنے میں مشغول ہو گئے، لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ منظور نہیں تھا کہ اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام ذبح کر دیے جائیں۔ یہ امتحان تھا، جس میں دونوں باپ بیٹا کامیاب ہوئے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گلے پر تانبے کا ایک پترا رکھ دیا، جس پر چھری کی دھار کا کوئی اثر نہ ہوتا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام گلے پر چھری چلا رہے تھے، مگر گلے پر نشان بھی نہ پڑتا تھا۔ ناچار ہو کر چھری کو پتھر پر تیز کیا اور دوبارہ گلے پر پھیرنے لگے، مگر گلا کٹنے میں اب بھی وہی رکاوٹ درپیش تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے غصے سے چھری پتھر پر پھینک دی۔ حکم خدا سے چھری بول اٹھی: اے خلیل اللہ! میں بے قصور ہوں، اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ذبح نہ کروں۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک دوسری چھری لی۔ اس کو خوب تیز کیا اور نہایت جوش سے تکبیر کہہ کر لختِ جگر کے گلے پر پھیرنے لگے اور جوشِ محبت سے آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ چشم

فلک یہ نظارہ حیرانی سے دیکھ رہی تھی۔ ملائکہ بھی یہ تماشا دیکھ رہے تھے اور ان کی آنکھوں سے بھی اشک رواں تھے اور آدم کا ازلی دشمن شیطان باپ بیٹے کے صبر و تسلیم کے اس نظارے کو بڑی حیرانی سے دیکھ رہا تھا۔ اتنے میں حضرت جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام جنت سے ایک مینڈھا لیے حاضر ہوئے اور کہا: اے ابراہیم! (علیہ الصلوٰۃ والسلام) آپ نے اپنا خواب پورا کیا۔ آپ امتحان میں کامیاب ہوئے۔ یہ مینڈھا تمہارے بیٹے کا فدیہ ہے۔ اللہ نے اسمٰعیل کے بدلے ذبح عظیم عنایت کیا۔ اس کے ساتھ فضا اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کے نعرے کی آواز سے گونج اٹھی۔ اس کے جواب میں حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام بولے: لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اور حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام بولے: اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ۔ چنانچہ یہ الفاظ کہنا پچھلی امتوں کے لیے سنت ہو گیا اور تمام تر افعال سے افضل اللہ کے نزدیک یہی باعظمت الفاظ ہیں۔ اس طرح اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جگہ ایک مینڈھا ذبح کر دیا گیا اور قربانی دینا پچھلی امتوں کے لیے سنت ہو گیا۔ آج ہم مسلمان بھی حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس سنت کے احیا کی خاطر قربانی دیتے ہیں۔ (تذکرۃ الواعظین، صفحہ: 273-275)

یہی حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما الصلوٰۃ والسلام ہیں، جنھوں نے دنیا میں اللہ کی عبادت کے لیے خانۂ کعبہ تعمیر کیا۔ جہاں اب تک ہر سال لاکھوں پرستانِ توحید رنگ و نسل کے تمام تر امتیازات کو توحید کے رنگ میں رنگ دیتے ہیں۔

فضائلِ قربانی

تذکرۃ الواعظین، صفحہ: 288 پر درج ذیل مفہوم کی ایک عبارت یوں درج ہے: احمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرا ایک بھائی محتاج تھا، مگر اس محتاجی کے باوجود وہ ہر سال ایک بکری قربان کیا کرتا تھا۔ ایک روز وہ اپنے خالق حقیقی سے وصال کر گیا۔ میں نے نماز پڑھی اور کہا: اے معبودِ حقیقی! میرے بھائی کو میرے خواب میں بھیج، تاکہ میں اس کا حال دریافت کروں۔ اس کے بعد میں نے وضو کیا اور سو گیا۔ میری دعا اللہ کے حضور قبول

ہوئی اور میں خواب کیا دیکھتا ہوں کہ قیامت برپا ہو گئی ہے۔ میزانِ عدل لگا دیا گیا ہے اور لوگ اپنی اپنی قبروں سے اٹھا دیے گئے ہیں۔ اچانک میری نظر اپنے بھائی پر پڑی۔ کیا دیکھتا ہوں کہ وہ ابلق گھوڑے پر سوار ہے اور اس کے ہمراہ بہت سے گھوڑے ہیں۔ میں نے کہا: اے بھائی! اللہ نے تیرے ساتھ کیا معاملہ کیا ہے؟ وہ کہنے لگا: اللہ نے مجھے بخش دیا ہے۔ میں نے سبب دریافت کیا۔ وہ کہنے لگا: ایک مرتبہ میں نے ایک بوڑھی سائل کو ایک درہم صدقہ دیا تھا۔ پس اس صدقے کی بدولت اللہ نے میری مغفرت فرما دی۔ میں نے سوال کیا کہ یہ گھوڑے کیسے ہیں؟ کہنے لگے: یہ گھوڑے وہ قربانیاں ہیں جو میں دنیا میں کیا کرتا تھا اور جس گھوڑے پر میں سوار ہوں یہ میری پہلی قربانی ہے۔ میں نے پوچھا: کہاں کے ارادے ہیں؟ اس نے کہا: جنت کو جا رہا ہوں۔ یہ کہا اور پھر میری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

قربانی باعث نجات ہے

ہمارے پیارے رسول ﷺ نے فرمایا کہ جس نے ہماری نماز ادا کی اور ہمارے لیے قربانی کی، پس وہ ہم میں سے ہے اور جس نے ہماری نماز پڑھی اور ہمارے لیے قربانی نہ کی، وہ ہم میں سے نہیں۔ نیز فرمایا کہ میری امت کے نیک لوگ قربانی کرتے ہیں اور بد لوگ قربانی سے گریز کرتے ہیں اور فرمایا آگاہ ہو جا کہ قربانی ان چیزوں میں سے ہے جو دنیا اور آخرت کی برائیوں سے نجات دیتی ہیں۔ اس تحریر سے درج ذیل باتوں کی وضاحت ہوتی ہے:

1- قربانی اور نماز ادا کرنا رسول اللہ ﷺ کے لیے ہیں۔
2- قربانی نیک لوگ کرتے ہیں اور بد اس سے گریز کرتے ہیں۔
3- قربانی کرنے والا دنیا اور آخرت کی برائیوں سے بچ جاتا ہے۔

(تذکرۃ الواعظین، صفحہ:290)

قربانی پر بے حد وحساب اجر

قربانی اللہ کی اطاعت کا مظہر ہے۔ قربانی کرنے پر اللہ تعالیٰ اس قدر اجر عطا فرماتا ہے کہ جو عقلِ انسانی سے باہر ہے۔ فہم وادراک اس کی ہوا کو بھی نہیں پا سکتے۔ اس کے ثبوت کے

لیے تذکرۃ الواعظین، صفحہ:381-382 کی درج ذیل تحریر پیش کی جاتی ہے:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا: جو شخص خالص نیت سے راہِ خدا میں جانور قربان کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو اس قدر اجر دیتا ہے کہ جس کا علم باری تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں۔ البتہ قربانی کا ادنیٰ ترین ثواب تو یہ ہے کہ قربانی کے جانور کے خون کے زمین پر گرنے والے قطرے کا ثواب یہ ہے کہ قربانی کرنے والے کو ستر درجے دیے جاتے ہیں۔ دوسرے قطرے کے بدلے ستر نیکیاں پاتا ہے۔ تیسرے قطرے پر اس کے ستر گناہ مٹا دیے جاتے ہیں۔ چوتھے قطرے کے بدلے ثواب یہ ہے کہ وہ ہوا جو اللہ اکبر کہتے وقت قربانی کرنے والے کے منہ سے نکلتی ہے، وہ ہوا اللہ کے نزدیک خوشبوئے مشک سے بھی زیادہ خوشبودار ہوتی ہے۔ پانچویں قطرے پر اس کے جسم اور زبان کو گناہوں سے یوں پاک کر دیا جاتا ہے، جیسے ابھی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہو۔ چھٹے قطرے پر اس کے لیے بہشت میں ایک شہر تیار کیا جاتا ہے۔ ساتویں قطرے پر روزِ محشر سرداری کے لیے چن لیا جاتا ہے۔ یہ سرداری مخلوقات کی سرداری ہوگی۔ آٹھویں قطرے پر اس کو، اس کے والدین کو، اس کے اہلِ خانہ کو بخش دیا جاتا ہے۔ نویں قطرے پر اس کے اور دوزخ کے درمیان پانچ سو برس کی مسافت کے برابر ایک خندق حائل کر دی جاتی ہے۔ دسویں قطرے کے بدلے اس کا نامۂ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ گیارہویں قطرے پر اس کی نمازیں اور نیک دعائیں قبول ہوں گی۔ بارہویں قطرے پر اس کے لیے آتشِ دوزخ سے رہائی لکھ دی جاتی ہے۔ تیرہویں قطرے پر اس کو 70 ہزار حوریں دی جائیں گی۔ چودہویں قطرے پر مرض الموت میں عزرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کو رحمت و بخشش کی نوید مسرت سناتے ہیں۔ پندرہویں قطرے پر اس کی موت کی سختی کم ہو جائے گی۔ سولہویں قطرے پر اس کو طوقِ زنجیر سے آزاد کیا جائے گا۔ سترہویں قطرے پر ستر غلام آزاد کرنے کا ثواب ملے گا۔ اٹھارہویں قطرے پر اس کو روزِ محشر ایک براق دیا جائے گا، جس پر سوار ہو کر وہ پل صراط سے بجلی کی طرح گزر کر جنت میں داخل ہوگا۔ انیسویں قطرے پر روزِ محشر حساب وکتاب میں اس پر رحمت الٰہی کا نزول ہوگا۔ بیسویں قطرے پر اس کے تمام گناہ

معاف کر دیے جاتے ہیں۔ اکیسویں قطرے پر اس کو اللہ تعالیٰ روزِ محشر اپنے عرش کے سایے میں جگہ دے گا، جس روز کے عرشِ الٰہی کے علاوہ کہیں بھی سایہ نہ ہوگا۔ غرض یہ کہ ہر قطرے پر ثواب بڑھتا چلا جاتا ہے، جس کا شمار اللہ کے سوا کسی کو بھی معلوم نہیں۔ پھر جب ذبح سے فارغ ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی نگاہوں کے سامنے جگمگاتا ہوا نور پیش کرتا ہے۔ جب بھنے ہوئے گوشت کی بوٹی کھاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی قبر کو روشن فرماتا ہے اور اسے اس قدر فراخ کرتا ہے جس قدر کہ ستر برس راہ ہوتی ہے اور جب محتاجوں کو دینے کے لیے گوشت لے جاتا ہے تو اس کو پہلا قدم اٹھانے پر سفر حج کا ثواب دیتا ہے۔ دوسرے قدم پر اس کی عمر اور رزق میں برکت ہوتی ہے۔ تیسرے قدم پر اس کے نامۂ اعمال میں کوہ ابوقیس کے برابر ثواب لکھا جاتا ہے۔ چوتھے قدم پر اس کی آنکھوں میں حضرت عثمان کی مانند حیا پیدا ہوتی ہے۔ پانچویں قدم پر اس کا قلب نرم ہوتا ہے۔ چھٹے قدم پر اللہ تعالیٰ اس کو فرزند صالح عطا فرمائے گا جو قیامت میں اس کا شفیع ہوگا۔ ساتویں تدم پر اس کی قبر آسمان کی چوڑائی کے برابر فراخ کردی جائے گی اور اس طرح ہر قدم پر ثواب بڑھتا جائے گا اور اس قدر بڑھے گا کہ جس کا علم سوائے اللہ کے کسی کو بھی نہیں۔ پھر جب اپنے بال بچوں کے ساتھ بیٹھ کر قربانی کا گوشت کھاتا ہے تو پہلے لقمے پر اس کو ستر نبیوں کا ثواب ملتا ہے۔ دوسرے لقمے پر 70 حج کا ثواب، تیسرے لقمے پر ستر نمازیوں کا اور چوتھے لقمے پر راہِ خدا میں ستر گھوڑے صدقہ کرنے کا ثواب ملتا ہے۔ پانچویں لقمے پر اللہ تعالیٰ اس کو ایمانِ کامل نصیب فرمائے گا۔ چھٹے لقمے پر اس کی قبر میں ایک کھڑکی کھل جائے گی جو قیامت تک روشنی کا باعث ہوگی۔ ساتویں لقمے پر اس کی قبر میں ستر روزن جن سے جنت کی ہوائیں اور خوشبوئیں آئیں گی اور جو شخص قربانی کے گوشت میں سے کسی کو کھلائے گا تو ستّر 70 شہیدوں کا ثواب پائے گا اور بوقت مرگ فرشتہ اس کو بشارت سنائے گا: اے شخص! اللہ تعالیٰ نے تجھ کو عذاب سے بالکل آزاد کردیا۔

تمت بالخیر